

هَذَا بَيِّنَاتٌ لِّلَّذِينَ هَدَىٰ وَهُوَ عِزٌّ لِّلْمُتَّقِينَ

# بَيِّنَاتُ الْقُرْآنِ



ترجمہ و مختصر تفسیر

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ تِسْعُونَ وَخَمْسُونَ

مترجمہ

حافظ خالد محمود خضر  
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

از

ڈاکٹر اسرار احمد



**BOOK FAIR PUBLISHER**

176, Basement, Ali Market,  
Opp. Bible Society, New Anarkali,  
Lahore - Pakistan. Cell: 0309 5005471

# يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ

جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن و دین حق ٹرسٹ محفوظ ہیں

بیان القرآن کا یہ ایڈیشن Book Fair Publisher نے  
ناشر سے تحریری اجازت حاصل کر کے شائع کیا ہے

نام کتاب	:	بیان القرآن (7 جلدیں)
از	:	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
اشاعت	:	2020ء
مرتبین	:	حافظ خالد محمود خضر
شائع کردہ	:	لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین
اہتمام	:	سید حفیظہ حسن ہاشمی
مطبع	:	معاذ ہاشمی / زاہد محمود شیخ
سرورق	:	مشاق اے پریس / التمش بین
ترتیب و آرائش	:	خواجہ افضل کمال
ہدیہ مکمل سیٹ	:	آرٹ ورکس انٹرنیشنل

## ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔  
سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں، ان کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زکیر صرف  
کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مد نظر  
رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تعاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَى کے  
مصدق بن جائیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی جَزَاءً جَمِيْلًا جَزِيْلًا

والسلام  
مفتی عاصم زبیر ہاشمی  
محکمہ جیل خانہ جات حکومت پنجاب



## حُسن ترتیب

4 عرض مرتب

5 سُورَةُ اِلِ عِمْرَانَ

117 سُورَةُ النِّسَاءِ

243 سُورَةُ الْمَائِدَةِ



## عرض مرتب

”بیان القرآن“ کے قارئین اس امر سے واقف ہیں کہ یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ آنجناب کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن کو ترتیب و تسوید کے مراحل سے گزار کر جزء جزء کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں بیان القرآن (حصہ اول) طبع ہو کر آئی تو اسے علمی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ حصہ اول کے منظر عام پر آنے کے ساتھ ہی حصہ دوم کی اشاعت کا تقاضا اور مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ انہی دنوں ڈسٹرکٹ جناح پبلک سکول منڈی بہاؤ الدین کے پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نے محترم ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کر کے ”بیان القرآن“ کی ترتیب و تسوید کے کام میں معاونت کی پیشکش کی۔ اس پیشکش کی حیثیت بلاشبہ تائید غیبی کی تھی۔ محترم کرنل صاحب نے خالصتاً رضائے الہی کے حصول کی خاطر دعوت قرآنی کی نشر و اشاعت کے اس کام میں کما حقہ معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اس کی بھرپور جزا عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شدید خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد زیور طبع سے آراستہ ہو چنانچہ راقم الحروف سے گاہے بگاہے اس کی پیش رفت کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے۔ انتقال سے ایک روز قبل بھی اس کے پریس بھجوائے جانے کا دریافت فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحب آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن آپ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اپنی حیات مستعار قرآن حکیم کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت میں گزار گئے۔ آپ کے ہاتھوں دعوت رجوع الی القرآن کا لگایا ہوا پودا آپ کی زندگی ہی میں ایک تناور درخت بن چکا تھا جو اب صدقہ جاریہ کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کے برگ و بار سے ایک عالم مستفید و مستفیض ہو رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب یقیناً اپنے حصے کا کام مکمل کر گئے، لیکن اس ضمن میں ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بیان القرآن (حصہ اول) کے طبع ثانی کے موقع پر اپنی ”تقدیم“ میں تحریر فرمایا تھا:

”اس جلد میں ابھی صرف سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ترجمانی ہوئی ہے، گویا کہ ابھی پہاڑ ایسا بھاری کام باقی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ جیسے اُس نے میرے کسی ارادے یا منصوبہ بندی کے بغیر اور میری خالص لاعلمی میں پیش نظر جلد شائع کرادی، ویسے ہی باقی بھی شائع کرادے گا۔ خواہ خود میری اس دنیا سے دیر آخرت کی جانب روانگی کے بعد ہی سہی۔“

بیان القرآن (حصہ دوم) سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت قرآنی کو شرف قبول عطا فرما کر اسے ہمارے لیے دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت و استقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

حافظ خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات، قرآن اکیڈمی لاہور

۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء



## عرضِ ناشر

مفکر اسلام، مفسر قرآن، حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر و ترجمہ قرآن ”بیان القرآن“ کا سات جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ حاضر خدمت ہے۔ مرکزی انجمن ”خدام القرآن“ لاہور کے بعد بک فیئر پبلشرز اس اعزاز اور سعادت کو حاصل کرنے والا پہلا ادارہ ہے۔ قرآن حکیم فرقان حمید تمام علوم کا سرچشمہ اور بصائر و حکم کا خزینہ ہے۔ اس کے تمام علوم کا احاطہ کرنا کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق شمار کرنے والے شمار کرتے ہیں تو بقول ایک بزرگ کے، اس کتاب میں 70 ہزار علوم ہیں۔ علم تفسیر فی الحقیقت قرآن کے بے شمار علوم کا ایک جزو اور حصہ ہے لیکن یہ ایک علم بھی اپنے دامن میں بہت سے علوم سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ علوم صحیح تفسیر کرنے کے لئے ضروری ہیں یا یوں کہئے کہ تفسیر کے تقاضوں کے تحت پیدا ہوتے ہیں مثلاً علم آیات متشابہات، شان نزول، اسماء قرآن و سور، ضما، محکم و متشابہ، نسخ و منسوخ، امثال القرآن، اعلام القرآن، ارض القرآن وغیرہ۔

تفسیر کا مادہ ف، س، ر (فر) ہے اور اس مادہ سے جو الفاظ بنتے ہیں، ان میں بالعموم شرح و ایضاح کے معنی شامل ہوتے ہیں چنانچہ فَسَّرَ (ماضی) کے مصدری معنی ہیں: ”واضح کرنا، تشریح کرنا، مراد بتانا، پردہ ہٹانا۔“ جبکہ فَسَّرَ کے معنی بھی واضح اور کھولنے کے آتے ہیں۔ فَسَّرَ الامر کے معنی ہوں گے معاملہ کی وضاحت کرنا، مراد بتانا۔ اسی سے تفسیر ہے کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تفسیر ”فَسَّرَ“ سے باب تفصیل کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی عبادت کے مطلب کو واضح کرنے یا کلام کے معنی بیان کرنے کے ہیں۔ تفسیر کی سیدھی سی تعریف یہ ہے کہ وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی کتاب قرآن حکیم جو اس کے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، اس علم کے ذریعے قرآن کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج معلوم کیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں لغت، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اس میں شان نزول اور نسخ و منسوخ کے بیان کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کئی دہائیوں تک علم حاصل کیا، انتہائی شدت کے ساتھ قرآن پر غور و فکر کیا اور پھر اسے احسن طریقے کے ساتھ ”جدید ذہن“ تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے تمام ہو جانے تک جدوجہد کی۔ ان کے جذبے کی شدت و اخلاص اور اللہ کے دین کے ساتھ لگاؤ نے ان کو اللہ کی مخلوق میں قبولیت و مقبولیت عطا کی، یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز کے مفسرین قرآن میں ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند اور بااثر ہے جس کی گواہی سوشل میڈیا کے اعداد و شمار سے بھی ملتی ہے۔ تقریباً سات لاکھ افراد روزانہ ان کے ”حلقہ“ میں شامل ہو رہے ہیں۔

میں بے حد شکر گزار ہوں، مرکزی انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کا، اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تمام وارثین کا جنہوں نے ہمیں بیان القرآن شائع کرنے کی اجازت دی۔

میں اپنے والد معاذ ہاشمی، والدہ عائشہ حسن، دعا پبلی کیشنز کے روح رواں شیخ زاہد محمود، عظیم احمد، مفتی عاصم زبیر ہاشمی، محترم مولانا عرفان صاحب (مرغزار کالونی) جہاں زیب صاحب (ماسٹر ماسٹڈ) اور برادران اصغر حافظ عبدالحنان ہاشمی اور خضر حسن ہاشمی اور پاک فوج کے نوجوان افسر عبداللہ ہاشمی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی مدد و اعانت سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اور ان کی دعاؤں کی بدولت ”بک فیئر“ اس سعادت سے بہرہ مند ہوا۔

حذیفہ حسن ہاشمی

بک فیئر پبلشر علی پلازہ، نیوانارکلی بازار لاہور



بَيَانُ الْقُرْآنِ  
سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ  
(٣)

# سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

## تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کے آغاز میں واقع نئی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں مدنی سورتوں کے جو دو جوڑے آئے ہیں ان میں سے پہلے جوڑے کی پہلی سورت یعنی ”سورة البقرة“ کے ترجمے اور مختصر تشریح کی ہم تکمیل کر چکے ہیں اور اب ہمیں اس جوڑے کی دوسری سورت ”آل عمران“ کا مطالعہ کرنا ہے۔ واضح رہے کہ دو چیزوں کے مابین جوڑے کا تعلق یا نسبت زوجیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں گہری مشابہت بھی ہے لیکن کچھ فرق بھی ہے اور یہ فرق ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کا ہے یعنی ان کے باہم اکٹھے ہونے سے کسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ نسبت زوجیت کی اصطلاح کے اس مفہوم کو حیوانات کے جوڑوں کے حوالے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

سورة البقرة اور سورة آل عمران میں مشابہت کے نمایاں پہلو یہ ہیں کہ یہ دونوں سورتیں حروف مقطعات ”آلَمْ“ سے شروع ہوتی ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے پھر یہ کہ دونوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورة البقرة کی آخری آیت کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں شمار کیا جاسکتا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا.....﴾ سورة آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایسی ہی ایک نہایت جامع دعا آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر جیسے کہ سورة البقرة کے تعارف میں ذکر ہو چکا ہے سورة البقرة سُورَةُ الْأُمْتِينَ ہے یعنی اس میں دو اُمتوں سے خطاب ہے تو یہی معاملہ سورة آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورة البقرة میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے جبکہ سورة آل عمران میں زیادہ زور نصاریٰ سے خطاب پر ہے۔ اس طرح اہل کتاب سے گفتگو سے متعلق جس مضمون کا آغاز سورة البقرة میں ہوا تھا سورة آل عمران میں آ کر اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ پھر جیسے سورة البقرة کے دو تقریباً مساوی حصے ہیں پہلا نصف اٹھارہ رکوعوں اور ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے جبکہ نصف ثانی ۲۲ رکوعوں اور ۱۳۴ آیات پر مشتمل ہے وہی کیفیت یہاں سورة آل عمران میں بھی تمام وکمال ملتی ہے۔ سورة آل عمران کے بھی دو مساوی حصے ہیں۔ اس کے کل ۲۰ رکوع ہیں ۱۰ رکوع نصف اول میں ہیں اور ۱۰ رکوع ہی نصف ثانی میں۔ پہلے دس رکوعوں میں ۱۰۱ آیات جبکہ دوسرے دس رکوعوں میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورة البقرة میں نصف اول کے تین حصے ہیں ویسے ہی سورة آل عمران کا نصف اول بھی تین حصوں پر مشتمل ہے۔ لیکن تین حصوں کی یہ تقسیم رکوعوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے۔ اس سورة مبارکہ کی ابتدائی ۳۲ آیات اسی طرح تمہیدی کلام پر مشتمل ہیں جیسے سورة البقرة کے ابتدائی چار رکوع تمہیدی گفتگو سے متعلق ہیں۔ سورة البقرة میں



روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا ہے جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔ ابتدائی آیات ۳۲ آیات کے بعد کی ۳۱ آیات میں نصاریٰ سے براہ راست خطاب ہے۔ ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ان کے مقام و مرتبہ اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازشوں کے انجام جیسے موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ ۳ ہجری میں غزوہ احد کے بعد نازل ہوا ہے لیکن ۳۱ آیات پر مشتمل یہ حصہ ۹ ہجری میں وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا۔ ”نجران“ عرب کے جنوب میں یمن کی جانب عیسائیوں کی ایک بستی تھی۔ وہاں کے عیسائی سردار اور پادری تقریباً ستر آدمیوں کا ایک وفد لے کر ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو سمجھنے کے لیے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ وہ لوگ کئی دن مدینہ میں مقیم رہے۔ انہوں نے بات پوری طرح سمجھ لی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنے سے گریزاں رہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مباہلے کی دعوت دی، لیکن وہ اس چیلنج کو قبول کیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی شدت کے ساتھ تردید کی اور نہ ہی اسے قبول کیا۔ سورہ آل عمران کی مذکورہ ۳۱ آیات نجران کے ان عیسائیوں سے خطاب کے طور پر نازل ہوئیں۔ ان آیات کے مقابل سورہ البقرہ کے رکوع ۳۸ کی وہ آیات بھی ۹ ہجری کے لگ بھگ نازل ہوئیں جن میں سود سے متعلق آخری احکام کا ذکر ہے۔ گویا مشابہت کا ایک یہ پہلو بھی دونوں سورتوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی سورہ البقرہ کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوہ بدر سے قبل نازل ہوا، لیکن اس کی کچھ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورہ آل عمران کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوہ احد کے بعد ۳ھ میں نازل ہوا، لیکن نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے ضمن میں اس کی ۳۱ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ پھر جیسے سورہ البقرہ کے نصف اول کے آخری حصے (رکوع ۱۵، ۱۶، ۱۷) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے بالکل اسی طرح سورہ آل عمران کے نصف اول کے آخر میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے۔ سورہ آل عمران کے اس مقام پر بھی اہل کتاب کو اسی انداز میں دعوت دی گئی ہے جیسے سورہ البقرہ کے ۱۶ ویں رکوع میں دی گئی ہے۔ سورہ آل عمران کے نصف اول کا یہ تیسرا حصہ ۳۸ آیات پر مشتمل ہے۔ یہ آیات خصوصی طور پر بہت جامع ہیں۔

سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران دونوں میں سے ہر ایک کے نصف ثانی کا آغاز ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے سورہ البقرہ کے انیسویں رکوع سے نصف ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ اسی طرح سورہ آل عمران کے گیارہویں رکوع سے اس کے نصف ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾۔

ان دونوں سورتوں کے مابین نسبت زوجیت اس قدر گہری ہے کہ ایک سورت کی بعض آیات ہو بہو دوسری سورت میں آگئی ہیں جبکہ بعض آیات کے بیشتر الفاظ دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ جیسے سورہ البقرہ کی آیت ۱۳۶ صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ سورہ آل عمران میں آیت ۸۴ کے طور پر دہرائی گئی ہے۔ اسی



طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۲ کے الفاظ، مضمون اور اسلوب میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ [قرآن مجید کے ایسے مقامات متشابہ کہلاتے ہیں۔ ان متشابہ مقامات و آیات کو یاد رکھنے کے لیے حفاظ کو بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔]

واضح رہے کہ اس نوعیت کی نسبت (نسبت زوجیت) قرآن مجید کی اکثر و بیشتر سورتوں میں پائی جاتی ہے، لیکن اس کی پہچان کے لیے گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس حوالے سے قرآن مجید پر جس قدر فکر و تدبر اور غور و خوض کیا جائے اسی قدر اضافی معانی، اضافی علم، اضافی معرفت اور اضافی حکمت کے خزانوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کا نصف ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے اور ان کے مضامین کی تقسیم عمودی ہے، اُفتی نہیں ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے۔ اس کے بعد مسلسل چھ رکوع (۱۶۰ آیات) غزوہ اُحد کے حالات پر تبصرے سے متعلق ہیں۔ یعنی اس ضمن میں جو مسائل سامنے آئے ان پر تبصرہ، مسلمانوں سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر گرفت اور آئندہ کے لیے ہدایات۔ اس سورت کا یہ حصہ گویا ”غزوہ اُحد“ کے عنوان سے قرآن مجید کا ایک مستقل باب (chapter) ہے۔ البتہ قرآن میں اس طرح کے ذیلی ابواب نہیں بنائے گئے ہیں، بلکہ اس کلام کی تقسیم سورتوں کے عنوانات کے حوالے سے ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں ”تعارف قرآن“ کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے، قرآن خطباتِ الہیہ کا مجموعہ ہے۔ ان خطبات میں مختلف مضامین خاص ربط اور ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ زمانہ ماضی میں اس ربط اور ترتیب پر بہت کم توجہ دی گئی، لیکن موجودہ دور میں قرآن حکیم کے علم و معرفت کا یہ پہلو نسبتاً زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ بہر حال یہ انتہائی منظم اور مربوط کلام ہے، اس میں آیات کا آیات کے ساتھ اور سورتوں کا سورتوں کے ساتھ ربط واضح نظر آتا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کے آخری دو رکوع بہت جامع ہیں۔ انیسویں رکوع میں پوری سورۃ مبارکہ کے مضامین کا گویا خلاصہ بیان ہوا ہے، جبکہ آخری رکوع فلسفہ ایمان کی بحث کے حوالے سے اہم ہے۔ اس رکوع میں وہ عظیم دعا بھی ہے جس کا ذکر ان تعارفی کلمات میں قبل ازیں بھی آچکا ہے۔

سورۃ البقرۃ کے تعارف کے دوران اگرچہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے مشترکہ نام کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے، مگر یہاں یاد دہانی کے طور پر ایک مرتبہ پھر نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ”الزُّهُرَ اَوَّیْنِ“ کا نام دیا ہے، یعنی دونہا بیت تابناک اور روشن سورتیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید کی دو آخری سورتوں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو اسی طرح ”المُعَوِّذَتَيْنِ“ کا نام دیا گیا ہے۔



أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

## آیات ۹ تا ۹۳

الْمَلِكُ ۙ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۙ نَزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۙ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۙ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۙ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْفِي عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي  
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۙ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۙ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ۙ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ  
مُتَشَبِهَاتٌ ۙ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ  
تَأْوِيلِهِ ۙ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۙ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ ۙ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ  
رَبِّنَا ۙ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۙ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ  
لَدُنْكَ رَحْمَةً ۙ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۙ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۙ إِنَّ اللَّهَ لَا  
يُخْلِفُ الْوَعْدَ ۙ

آیت ۱ ﴿الْمَلِكُ﴾ "ا-ل-م-"

یہ حروف مقطعات ہیں جن کے بارے میں اجمالی گفتگو ہم سورۃ البقرہ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ "اللہ وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں"

وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا ہے۔"

یہ الفاظ سورۃ البقرہ میں آیت الکرسی کے آغاز میں آچکے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم اعظم ہے جس کے حوالے سے اگر اللہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ تین سورتوں البقرہ، آل عمران اور طہ میں ہے۔<sup>(۱)</sup>

آنحضور ﷺ نے تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ اسم اعظم کون سا ہے، البتہ کچھ اشارے کیے ہیں۔ جیسے رمضان المبارک کی ایک شب "لیلۃ القدر" جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اس کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ کون سی ہے، بلکہ فرمایا: ((فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ فِي الْوَتْرِ))<sup>(۲)</sup> "اسے آخری عشرے کی

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الاعظم۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب صلاة التراویح، باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر۔ صحیح مسلم، کتاب

الصیام، باب فضل لیلۃ القدر.....



طاق راتوں میں تلاش کرو۔ تاکہ زیادہ ذوق و شوق کا معاملہ ہو۔ اسی طرح اسم اعظم کے بارے میں آپ نے اشارات فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تین سورتوں سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ طہ میں ہے۔ ان تین سورتوں میں جو الفاظ مشترک ہیں وہ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ آیت الکرسی میں آئے ہیں، سورۃ آل عمران میں یہاں دوسری آیت میں اور سورۃ طہ کی آیت ۱۱۱ میں موجود ہیں۔

**آیت ۳** ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ ”اُس نے نازل فرمائی ہے آپ پر (اے نبی ﷺ) یہ کتاب حق کے ساتھ“

اُس اللہ نے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے۔ اس میں اس کلام کی عظمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ جان لو یہ کلام کس کا ہے، کس نے اتارا ہے۔ اور یہاں نوٹ کیجیے لفظ نَزَّلَ آیا ہے اُنزَلَ نہیں آیا۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”یہ تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے“ یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم سابقہ کتب سماویہ کی دو اعتبارات سے تصدیق کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی کتابیں تھیں جن میں تحریف ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آئے ہیں جو ان کتابوں میں موجود تھیں۔

﴿وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ ”اور اُس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔“

**آیت ۴** ﴿مَنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ”اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے“

﴿وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ ”اور اللہ نے فرقان اتارا۔“

”فرقان“ کا مصداق قرآن مجید بھی ہے، تورات بھی ہے اور معجزات بھی ہیں۔ سورۃ الانفال میں ”یوم الفرقان“ غزوہ بدر کے دن کو کہا گیا ہے۔ ہر وہ شے جو حق کو بالکل مبرہن کر دے اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر دے وہ فرقان ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ ”بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا

انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

یہاں اب تہدید اور دھمکی کا انداز ہے کہ اس قرآن کا معاملہ دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح نہ سمجھو کہ مان لیا تب بھی کوئی حرج نہیں، نہ مانا تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر پڑھنے پر طبیعت راغب ہوئی تو بھی کوئی بات نہیں، طبیعت راغب نہیں ہے تو مت پڑھو، کوئی الزام نہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے لیے بہت سخت سزا ہوگی۔

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے، انتقام لینے والا ہے۔“

یہ لفظ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شک رُؤف ہے، رحیم ہے، شفیق ہے، غفور ہے، ستار ہے،



لیکن ساتھ ہی ”عزیزٌ ذُو انتقام“ بھی ہے ”شدیدُ العقاب“ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں شانیں قلب و ذہن میں رہتی چاہئیں۔

**آیت ۵** ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝﴾ ”یقیناً اللہ پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے نہ آسمان میں نہ زمین میں۔“

**آیت ۶** ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝﴾ ”وہی ہے جو تمہاری صورت گری کرتا ہے (تمہاری ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے۔“

پہلی چیز اللہ کے علم سے متعلق تھی اور یہ اللہ کی قدرت سے متعلق ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نقشہ کشی کر دیتا ہے صورت بنا دیتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار (choice) نہیں ہے کہ وہ اپنا نقشہ خود بنائے۔

**آیت ۷** ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ ”اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب اور حکیم ہے۔“

**آیت ۸** ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ ”وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی“  
کسی کسی جگہ نَزَلَ کے بجائے أَنْزَلَ کا لفظ بھی آجاتا ہے اور یہ آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے ہوتا ہے، کیونکہ قرآن مجید کا اپنا ایک ملکوتی غنا (Divine Music) ہے اس میں اگر آہنگ کے حوالے سے ضرورت ہو تو یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ آجاتے ہیں۔

**آیت ۹** ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ ”اس میں محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں“  
”محکم“ اور پختہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور جنہیں ادھر سے ادھر کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس کتاب کی جڑ بنیاد اور اساس وہی ہیں۔

**آیت ۱۰** ﴿وَأُخْرَىٰ مُّتَشَبِهَاتٌ﴾ ”اور کچھ دوسری آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں۔“

جن کا حقیقی اور صحیح صحیح مفہوم معین کرنا بہت مشکل بلکہ عام حالات میں ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تعارف قرآن کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے۔ آیات الاحکام جتنی بھی ہیں وہ سب محکم ہیں کہ یہ کرو یہ نہ کرو یہ حلال ہے یہ حرام! جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ”کُتِبَ عَلَيْكُمْ“ کے الفاظ آتے رہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب درحقیقت ہے ہی مجموعہ احکام۔ لیکن جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی بحث ہے ان کا فہم آسان نہیں ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اللہ کا ہاتھ اللہ کا چہرہ اللہ کی کرسی اللہ کا عرش ان کا ہم کیا تصور کریں گے؟ اسی طرح فرشتے عالم غیب کی شے ہیں۔ عالم برزخ کی کیا کیفیت ہے؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عالم آخرت جنت اور دوزخ کی اصل حقیقتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ہماری ذہنی سطح کے قریب لا کر کچھ باتیں ہمیں بتادی گئی ہیں کہ مَا لَا يَدْرُكُ كُفْلَهُ لَا يَتْرُكُ كُفْلَهُ (جو چیز پوری کی پوری حاصل نہ ہو سکے اسے پورے کا پورا چھوڑا بھی نہیں جاتا۔) چنانچہ ان کا ایک اجمالی تصور قائم ہو جانا چاہیے اس کے بغیر آدمی کا راستہ سیدھا نہیں رہے گا۔ لیکن ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہیے۔ دوسرے درجے میں



نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ طبیعیاتی مظاہر (Physical Phenomena) بھی ایک وقت تک آیاتِ متشابہات میں سے رہے ہیں، لیکن جیسے جیسے سائنس کا علم بڑھتا چلا جا رہا ہے، رفتہ رفتہ ان کی حقیقت سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے اور اب بہت سی چیزیں محکم ہو کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ تاہم اب بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ سات آسمان سے مراد کیا ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ انسان سمجھ لے گا کہ ہاں یہی بات صحیح تھی اور یہی تعبیر صحیح تھی جو قرآن نے بیان کی تھی۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ”تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی

ہے وہ پیچھے لگتے ہیں ان آیات کے جو ان میں سے متشابہ ہیں“

﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ ”فتنہ کی تلاش میں“

وہ چاہتے ہیں کہ کوئی خاص نئی بات نکالی جائے تاکہ اپنی ذہانت اور فطانت کا ڈنکا بجایا جاسکے یا کوئی فتنہ اٹھایا جائے، کوئی فساد پیدا کیا جائے۔ جن کا اپنا ذہن ٹیڑھا ہو چکا ہے وہ اس ٹیڑھے ذہن کے لیے قرآن سے کوئی دلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے مفہوم کو اپنے من پسند مفہوم کی طرف موڑ سکیں۔ یہ اس سے فتنہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

﴿وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ ”اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے۔“

وہ تلاش کرتے ہیں کہ ان آیات کی اصل حقیقت اصل منشا اور اصل مراد کیا ہے۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا علمی ذوق ہی ایسا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی فطرت میں کجی ہو۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ ”حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

﴿وَالرِّسْخُونِ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ”اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں

وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر، یہ کُل کا کُل ہمارے رب کی طرف سے ہے۔“

جن لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہو گیا ہے، جن کی جڑیں علم میں گہری ہو چکی ہیں ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ جو بات صاف سمجھ میں آگئی ہے اس پر عمل کریں گے اور جو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اس کے لیے انتظار کریں گے، لیکن یہ اجمالی یقین رکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

﴿وَمَا يَدْرَأُ الْآءُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ ”اور یہ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں۔“

اور سب سے بڑی ہوش مندی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کی حدود (limitations) کو جان لے کہ میری عقل کہاں تک جاسکتی ہے۔ اگر انسان یہ نہیں جانتا تو پھر وہ اولوالالباب میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ عقل بڑی شے ہے لیکن اس کی اپنی حدود ہیں۔ ایک حد سے آگے عقل تجاوز نہیں کر سکتی۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور

چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

یعنی منزل تک پہنچانے والی شے عقل نہیں، بلکہ قلب ہے۔ لیکن عقل بہر حال ایک روشنی دیتی ہے، حقیقت کی طرف



اشارے کرتی ہے۔

**آیت ۸** ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ”(اور ان اولوالالباب کا یہ قول ہوتا ہے) اے

رب ہمارے! ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے“  
 ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ”اور ہمیں تو خاص اپنے خزانہ فضل سے رحمت عطا فرما۔“  
 ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ”یقیناً تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔“

ہمیں جو بھی ملے گا تیری ہی بارگاہ سے ملے گا۔ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔

**آیت ۹** ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ﴾ ”اے رب ہمارے! یقیناً تو جمع کرنے والا

ہے لوگوں کو ایک ایسے دن کے لیے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لہذا جو اس نے بتایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور قیامت کا دن

آ کر رہے گا۔

## آیات ۱۰ تا ۲۰

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ  
 وَقُودُ النَّارِ ۚ كَذَّابٍ أَلِ فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ  
 بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَابُونَ وَمُحْشَرُونَ إِلَى  
 جَهَنَّمَ ۗ وَيَسُّ الْيَهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئْتَيْنِ التَّقَاتِ ۗ فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
 وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي  
 ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ  
 وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ  
 ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ قُلْ أَوْفَيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ ۗ  
 لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ  
 وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا فَأَغْفِرْ لَنَا  
 ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ  
 وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ وَالْمَلِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَابِلًا  
 بِالْقِسْطِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ



الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۗ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۗ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝

**آیت ۱۰** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔“

اب یہ ذرا تحدی اور چیلنج کا انداز ہے۔ زمانہ نزول کے اعتبار سے آپ نے نوٹ کر لیا کہ یہ سورہ مبارکہ ۳ھ میں غزوہ احد کے بعد نازل ہو رہی ہے، لیکن یہ رکوع جو زیر مطالعہ ہے اس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد نازل ہوا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی تھی تو مسلمانوں کا morale بہت بلند تھا۔ لیکن ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جب مسلمان بدر سے غازی بن کر فتح یاب ہو کر واپس آئے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی قبیلے تھے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانو! اتنا نہ اتراؤ۔ یہ تو قریش کے کچھ ناتجربہ کار چھو کرے تھے جن سے تمہارا مقابلہ پیش آیا ہے اگر کبھی ہم سے مقابلہ پیش آیا تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پس منظر میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں کہ صرف مشرکین مکہ پر موقوف نہیں، آخر کار تمام کفار اسی طرح سے زیر ہوں گے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (یوسف)

﴿وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ﴾ ”اور وہ تو سب کے سب آگ کا ایندھن بنیں گے۔“

**آیت ۱۱** ﴿كَذَٰبِ الْفِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ﴾ ”(ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوگا) جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو ان سے پہلے گزرے۔“

تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے! کیا پڈی اور کیا پڈی کا شور بہ۔ آل فرعون کا معاملہ یاد کرو ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فرعون بہت بڑا شہنشاہ اور بڑے لاؤ لشکر والا تھا، لیکن اس کا کیا حال ہوا؟ اور اس سے پہلے عاد و ثمود جیسی زبردست قومیں اسی جزیرہ نماے عرب میں رہی ہیں۔

﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ ”انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔“

﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ﴾ ”تو اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔“

﴿وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔“

**آیت ۱۲** ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں کہ تم سب کے سب (دُنیا میں) مغلوب ہو کر رہو گے اور



(پھر آخرت میں) جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جاؤ گے۔“

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۳﴾ ”اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔“

**آیت ۱۳** ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا﴾ ”تمہارے لیے ایک نشانی آچکی ہے ان دو

گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی۔“

یعنی بدر کی جنگ میں ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف مشرکین مکہ تھے۔ اس میں تمہارے لیے نشانی موجود ہے۔

﴿فِيئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ﴾ ”ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور

دوسرا کافر تھا“

﴿يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ﴾ ”وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں سے کہ ان سے دو گنے ہیں۔“

اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو تو کھلم کھلا نظر آ رہا تھا کہ ہمارے مقابل ہم سے دو گنی فوج ہے جبکہ وہ تگنی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں کفار پر ایسا رعب طاری کر دیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ مسلمان ہم سے دو گنے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ تائید فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی

چاہتا ہے۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝۱۴﴾ ”اس میں یقیناً ایک عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں

کے لیے۔“

یہ عبرت اور سبق آموزی صرف ان کے لیے ہوتی ہے جو آنکھیں رکھتے ہوں جن کے اندر دیکھنے کی

صلاحیت موجود ہو۔

اگلی آیت فطرتِ انسانی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں میں خاص طور پر دنیا اور علاقہ دنیوی کی

محبت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہاں اس کا اصل سبب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً یہ شے فطرتِ انسانی میں

رکھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قیامت تک آباد رکھنا ہے اور اس کی رونقیں بحال رکھنی ہیں۔

چنانچہ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کے لیے کشش ہوگی تو اولاد پیدا ہوگی اور دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہے

گا اور اس طرح دنیا قائم رہے گی۔ دولت کی کوئی طلب ہوگی تو آدمی محنت و مشقت کرے گا اور دولت کمائے گا۔

اس لیے یہ چیزیں فطرتِ انسانی میں basic animal instincts کے طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ بس ضرورت

اس بات کی ہے کہ ان جبلی تقاضوں کو دبا کر رکھا جائے اللہ کی محبت اور اللہ کی شریعت کو اس سے بالاتر رکھا جائے۔

یہ مطلوب نہیں ہے کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ تعذیبِ نفس اور نفس کشی (self annihilation) اسلام میں

نہیں ہے۔ یہ تو رہبانیت ہے کہ اپنے نفس کو کچل دو، ختم کر دو۔ جبکہ اسلام تزکیہ نفس اور self control کا

درس دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ نفسِ انسانی ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ گھوڑا جتنا طاقت ور ہوتا ہے اتنا ہی



سوار کے لیے اسے تیز دوڑانا آسان ہوتا ہے۔ لیکن منہ زور اور طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ ورنہ سوار اگر اس کے رحم و کرم پر آ گیا تو وہ جہاں چاہے گا اسے پٹنچی دے دے گا۔

**آیت ۱۴** ﴿زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ﴾ ”مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے“

مرغوباتِ دنیا میں سے پہلی محبت عورتوں کی گنوائی گئی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک بھی انسانی محرکات میں سب سے قوی اور زبردست محرک (potent motive) جنسی جذبہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے اسی کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے لیے پیٹ کا مسئلہ فوقیت اختیار کر جاتا ہے اور معاشی ضرورت جنسی جذبے سے بھی شدید تر ہو جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے مابین کشش انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضْرَّ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۱)

”میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔“

ان کی محبت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ بلعام بن باعورہ یہود میں سے ایک بہت بڑا عالم اور فاضل شخص تھا، مگر ایک عورت کے چکر میں آ کر وہ شیطان کا پیرو بن گیا۔ اس کا قصہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ بہر حال عورتوں کی محبت انسانی فطرت کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ پھر انسان کو بیٹے بہت پسند ہیں کہ اس کی نسل اور اس کا نام چلتا رہے، وہ بڑھاپے کا سہارا بنیں۔

﴿وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ ”اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور

چاندی کے“

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ ”اور نشان زدہ گھوڑے“

عمدہ نسل کے گھوڑے جنہیں چین کر ان پر نشان لگائے جاتے ہیں۔

﴿وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ ”اور مال مویشی اور کھیتی۔“

پنجاب اور سرانیک کی علاقہ میں چوپاؤں کو مال کہا جاتا ہے۔ یہ جانور ان کے مالکوں کے لیے مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”یہ سب دنیوی زندگی کا سرو سامان ہے۔“

بس نقطہ اعتدال یہ ہے کہ جان لو یہ ساری چیزیں اس دنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز و سامان ہیں۔ اس زندگی کے لیے ضروریات کی حد تک ان سے فائدہ اٹھانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ (۱۴) ”لیکن اللہ کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔“

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یقتی من شئوم المرأة۔ و صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اکثر اهل الجنة الفقراء و اکثر اهل النار النساء۔



وہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ایمان بالآخرت موجود ہے تو پھر انسان ان تمام مرغوبات کو اپنے تمام جذبات اور میلانات کو ایک حد کے اندر رکھے گا، اس سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک شے کی محبت بھی اتنی زوردار ہوگئی کہ آپ کے دل کے اوپر اس کا قبضہ ہو گیا تو بس آپ اس کے غلام ہو گئے، اب وہی آپ کا معبود ہے، چاہے وہ دولت ہو یا کوئی اور شے ہو۔

**آیت ۱۵** ﴿قُلْ أَوْ نَسِبُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ ط﴾ ”ان سے کہیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں ان تمام چیزوں سے بہتر شے کون سی ہے؟“

﴿لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی“

تقویٰ یہی ہے کہ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے، لیکن ناجائز راستے سے نہیں۔ تمہارے پیٹ کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا کرو، لیکن اکل حلال سے۔ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد کے بھی تم پر حقوق ہیں، جو تمہیں جائز طریقوں سے ادا کرنے ہیں۔ تمہارے جو ملاقاتی آنے والے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((فَإِنَّ لِحَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِرِزْقِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِرِزْوَرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) (۱)

”یقیناً تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے۔“

ان سب کے حقوق ادا کرو، لیکن اللہ سے اوپر کسی حق کو فائق نہ کر دینا۔ بس یہ ہے اصل بات مع ”گر حفظ مراتب نہ کنی زندگی!“ اگر یہ حفظ مراتب نہیں ہوگا تو گویا آپ کا دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی۔

﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے“

﴿وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ”اور ان کے لیے بڑی ہی پاک عورتیں ہوں گی“

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ط﴾ ”اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہوگی۔“

﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۵﴾ ”اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔“

**آیت ۱۶** ﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا﴾ ”جو یہ کہتے رہتے ہیں پروردگار! ہم ایمان لے آئے“

﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾ ”پس ہمارے گناہوں کو بخش دے“

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶﴾ ”اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم۔ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر.....



آگے ان کی مدح میں الفاظ استعمال ہو رہے ہیں کہ جو یہ دعائیں کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف ہیں۔ اس میں گویا تلقین ہے کہ اگر اللہ سے یہ دعا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں جہنم کے عذاب سے بچالے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔

**آیت ۱۷** ﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ﴾ ”صبر کرنے والے اور راست باز“

راست بازی میں راست گوئی بھی شامل ہے اور راست کرداری بھی۔ یعنی آپ کا عمل بھی صحیح اور درست ہو اور قول بھی صحیح اور درست ہو۔

﴿وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ﴾ ”اور فرماں بردار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے“

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ ”اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔“

وہ جو سحر کا وقت ہے (small hours of the morning) اُس وقت اللہ کے حضور استغفار کرنے والے۔ ایک تویح وقت نمازیں ہیں اور ایک خاص وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: ((هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ؟)) (۱) ”ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے؟“ گویا:۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں گے راہِ رو منزل ہی نہیں!

**آیت ۱۸** ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اللہ خود گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے“

سب سے بڑی گواہی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے جو کتب سماویہ سے بھی ظاہر ہے اور مظاہر فطرت سے بھی۔

﴿وَالْمَلَائِكَةُ﴾ ”اور سارے فرشتے (گواہ ہیں)“

﴿وَأُولُوا الْعِلْمِ﴾ ”اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں)“

اولوا العلم وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کہیں اولوالالباب قرار دیتا ہے اور کہیں ان کے لیے ”الَّذِينَ يَعْقِلُونَ“

جیسے الفاظ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقی کے حوالے سے اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ

وہی معبودِ برحق ہے۔ سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہم نے پڑھی تھی جسے میں ”آیۃ الآیات“

قرار دیتا ہوں۔ اس میں بہت سے مظاہر فطرت بیان کر کے فرمایا گیا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُعْقِلُونَ﴾ (۱۳۴) ”ان

میں (یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں“۔ تو یہ جو ”قَوْمٌ يَعْقِلُونَ“ ہیں جو

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل..... اس

مضمون کی متعدد احادیث مختلف الفاظ میں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ (مرتب)



اولوالالباب ہیں، اولوالعلم ہیں، وہ بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ”وہ عدل و قسط کا قائم کرنے والا ہے۔“

یہ اس آیت مبارکہ کے اہم ترین الفاظ ہیں۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عدل قائم کرتا ہے اور عدل کرے گا، البتہ اہل سنت کے نزدیک یہ کہنا سوء ادب ہے کہ اللہ پر عدل کرنا واجب ہے۔ اللہ پر کسی شے کا وجوب نہیں ہے۔ اللہ کو عدل پسند ہے اور وہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات) اور اللہ خود بھی عدل فرمائے گا۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (۱۸) ”اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست ہے، کمال

حکمت والا ہے۔“

**آیت ۱۹** ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ ”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔“

اللہ کا پسندیدہ اور اللہ کے ہاں منظور شدہ دین ایک ہی ہے اور وہ ”اسلام“ ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کی نسبت زوجیت کے حوالے سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایمان پر زیادہ زور ہے اور سورۃ آل عمران میں اسلام پر۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ایمانیات کا تذکرہ ہے، درمیان میں آیت البر میں بھی ایمانیات کا بیان ہے اور آخری آیات میں بھی ایمانیات کا ذکر ہے: ﴿أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ جبکہ اس سورۃ مبارکہ میں اسلام کو emphasize کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ آگے جا کر آیت آئے گی: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے اللہ کے ہاں منظور نہیں کیا جائے گا۔“

﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ ”اور اہل

کتاب نے اختلاف نہیں کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا مگر باہمی ضد ضد کے سبب سے۔“

یہ گویا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ (آیت الاختلاف) کا خلاصہ ہے۔ دین اسلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا، پگڈنڈیاں نکالیں اور غلط راستوں پر مڑ گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، ان کا اصلی روگ وہی ضد ضد کی روش اور غالب آنے کی اُمنگ (The urge to dominate) تھی۔

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (۱۹) ”اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا

ہے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگے گی، وہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لے لے گا۔

**آیت ۲۰** ﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ﴾ ”پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں“

دلیل بازی اور مناظرے کی روش اختیار کریں۔

﴿فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ ”تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے



سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں۔“

آپ ان سے دو ٹوک انداز میں یہ آخری بات کہہ دیں کہ ہم نے تو اللہ کے آگے سراطاعت ختم کر دیا ہے۔ ہم نے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے۔ تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ، جس پگڈنڈی پر مڑنا چاہتے ہو مڑ جاؤ، جس کھائی میں گرنا چاہتے ہو گر جاؤ۔ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون) ”اب تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔“

﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسْلَمْتُمْ﴾ (اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے اُن سے بھی کہ جنہیں کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ) اور اُمّیّین سے بھی کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو؟“

کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہو یا نہیں؟ تابع ہوتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہو یا نہیں؟ ﴿فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ ”پس اگر وہ بھی اسی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پر ہو جائیں گے۔“ ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ﴾ ”اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے نبی ﷺ!) آپ پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے۔“

آپ نے ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیا، ہماری دعوت اُن تک پہنچا دی، ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنا دیں، اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا اختیار (choice) ہے۔ آپ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ (اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں۔“

﴿وَاللَّهُ بِصِيرِهِ بِالْعِبَادِ﴾ (اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔“ وہ اُن سے حساب کتاب کر لے گا اور ان سے نمٹ لے گا۔ آپ کے ذمہ جو فرض ہے آپ اُس کو ادا کرتے رہیے۔

## آیات ۳۲ تا ۳۳

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۖ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۖ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۖ فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْنَا لَهُمُ الْيَوْمَ لِأَرْبَابٍ فِيهِ ۖ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۖ قُلِ اللَّهُمَّ



مَلِكِ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكِ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

**آیت ۲۱** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں“

﴿وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ﴾ ”اور ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں (یا قتل کرتے ہیں) جو انسانوں میں سے عدل و قسط کا حکم دیتے ہیں“

اس لیے کہ انصاف کی بات تو بالعموم کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ ”الْحَقُّ مُرٌّ“ (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ بہت سے مواقع پر کسی حق گو انسان کو حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہاں پھر عدل و قسط کا معاملہ آیا ہے۔ اللہ خود ”قَائِمًا بِالْقِسْطِ“ ہے اور اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو عدل کا حکم دیں، انصاف کا ڈنکا بجانے کی کوشش کریں۔ تو فرمایا کہ جو ایسے لوگوں کو قتل کریں.....

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (تو) اے نبی ﷺ) انہیں بشارت سناد دیجیے دردناک عذاب کی۔ لفظ ”بشارت“ یہاں طنز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے۔“

جیسے قریش کو یہ زعم تھا کہ ہم خدّامِ کعبہ ہیں اور ہمارے پاس جو یہ لوگ حج کرنے آتے ہیں ہم ان کو کھانا کھلاتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، ہماری ان خدمات کے عوض ہمیں بخش دیا جائے گا۔ فرمایا وہ سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر تو صحیح صحیح پورے دین کو اختیار کرو گے تو ٹھیک ہے، ورنہ چاہے خیرات اور بھلائی کے بڑے سے بڑے کام کیے ہوں، لوگوں کی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر دیے ہوں، اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔



﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ﴾ ﴿۲۲﴾ ”اور ان کا پھر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

**آیت ۲۳** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيًّا مِّنَ الْكِتَابِ﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی حالت

پر جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟“

اوتوا مجہول کا صیغہ ہے اور یاد رہے کہ قرآن مجید میں جہاں مذمت کا پہلو ہوتا ہے وہاں عام طور پر مجہول کا صیغہ آتا ہے۔

﴿يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ ”اب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ

ان کے مابین فیصلہ کرنے“

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ﴿۲۳﴾ ”پھر ان میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیر لیتا ہے

اعراض کرتے ہوئے۔“

یعنی کتاب کو مانتے بھی ہیں لیکن اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

**آیت ۲۴** ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ ”یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے

ہیں کہ ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی آچکا ہے۔ ان کی ڈھٹائی کا اصل سبب ان کے من گھڑت عقائد ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ سود حرام ہے اور تم سود خوری پر کمر بستہ ہو اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ تو اس کے جواب میں وہ اپنا یہ من گھڑت عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ”ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔“ جب یہ عقیدہ ہے تو پھر انسان کا ہے کو دنیا کا نقصان برداشت کرے ع ”باہر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔“ پھر تو حلال سے حرام سے جائز سے ناجائز سے جیسے بھی عیش دنیا حاصل کیا جاسکتا ہو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی نفی کر دیتا ہے۔

﴿وَعَرَّاهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ ﴿۲۴﴾ ”اور انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے ان کے دین

کے بارے میں ان چیزوں نے جو یہ گھڑتے رہے ہیں۔“

اس طرح کے جو عقائد و نظریات انہوں نے گھڑ لیے ہیں ان کے باعث یہ دین کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ تورات لاؤ انجیل لاؤ کہیں ایسی ضمانت نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا من گھڑت عقیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے اب تم دین کے اندر بد دین یا بے دین ہو گئے ہو۔

**آیت ۲۵** ﴿فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْتَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ”تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں

گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں!“

اس وقت تو یہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں زبان درازیاں کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں ایک ایسے



دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا شک نہیں تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا!

﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ ”اور ہر جان کو پورا پورا ادے دیا جائے گا جو کچھ اس نے کمائی کی ہوگی“

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (۲۵) ”اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔“

اس کے بعد اب پھر ایک بہت عظیم دعا آ رہی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم دعا ہے جس کی باقاعدہ تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ یوں کہا کرو۔

**آیت ۲۶** ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ﴾ ”کہو اے اللہ! تمام بادشاہت کے مالک!“

کل ملک تیرے اختیار میں ہے۔

﴿تُوتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ ”تُو حکومت اور اختیار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾ ”اور تُو سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے“

﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ ”اور تُو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ ”اور تُو ذلیل کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ ”تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے۔“

اس کے دونوں معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کل خیر و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے یہ کہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بسا اوقات انسان جسے اپنے لیے شر سمجھ بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ (آیت ۲۱۶) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرو اور آ نحالیکہ وہی تمہارے لیے بُری ہو۔“

﴿إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۲۶) ”یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

**آیت ۲۷** ﴿تَوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ ”تورات کو لے آتا ہے دن میں پرو کر“

﴿وَتَوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ ”اور پھر دن کو نکال لاتا ہے رات میں سے پرو کر۔“

﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”اور تُو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے“

﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ”اور تُو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔“

اس کی بہترین مثال مرغی اور انڈا ہے۔ انڈے میں جان نہیں ہے لیکن اسی میں سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے اور مرغی سے انڈا برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (۲۷) ”اور تو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حد و حساب۔“

**آیت ۲۸** ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اہل ایمان نہ بنا لیں



کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔“

”اولیاء“ ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے راز دار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ اچھا رویہ ظاہری مدارات اور تہذیب و شائستگی سے بات چیت تو اور بات ہے، لیکن دلی محبت، قلبی رشتہ جذباتی تعلق، یا ہی نصرت و تعاون اور ایک دوسرے کے پشت پناہ ہونے کا رشتہ قائم کر لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ ”اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا“

اگر اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہے تو بظاہر ہے پھر تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا ہے۔

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ ”سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو۔“  
بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا بھی موقع نہیں ہوتا تو آپ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں (you are buying time) تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن کے انہی الفاظ کو ہمارے ہاں اہل تشیع نے تقیہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپا لینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل دوسری شکل ہے اور یہ صرف ظاہری مدارات کی حد تک ہے۔ جیسے کہ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ تمہارے خلاف یہود کے دلوں میں حسد کی آگ بھری ہوئی ہے لیکن ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾ (آیت ۱۰۹) ابھی ذرا درگزر کرتے رہو اور چشم پوشی سے کام لو۔ ابھی فوری طور پر ان کے ساتھ مقابلہ شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس حد تک مصلحت بنی تو صحیح ہے، لیکن یہ نہیں کہ جھوٹ بولا جائے، معاذ اللہ!

﴿وَيَحْذَرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ ”اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔“

اللہ سے ڈرو۔ یعنی کسی اور سے خواہ مخواہ ڈر کر صرف خاطر مدارات کر لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی وقت مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسا کر لو، لیکن تمہارے دل میں خوف صرف اللہ کا رہنا چاہیے۔

﴿وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔“

آیت ۲۹ ﴿قُلْ إِنْ تَخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُعَلِّمَهُ اللَّهُ﴾ ”کہہ دیجیے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!)

کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کر دو اللہ اسے جانتا ہے۔“

تم اپنے سینوں میں مخفی باتیں ایک دوسرے سے تو چھپا سکتے ہو اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ ”اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے



خواہ تم اسے ظاہر کرو خواہ چھپاؤ اللہ تم سے اس کا محاسبہ کر لے گا۔“

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط﴾ ”اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور

جو زمین میں ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

**آیت ۳۰** ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ؕ﴾ ”(اُس دن کا تصور کرو) جس

دن ہر جان اپنے سامنے موجود پائے گی ہر نیکی جو اُس نے کی ہوگی“

﴿وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ؕ﴾ ”اور ہر برائی جو اُس نے کمائی ہوگی۔“

اس کا نقشہ سورۃ الزلزال میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷۰﴾ وَمَنْ

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۷۱﴾﴾ ”تو جس نے ایک ذرے کے ہم وزن نیکی کی ہوگی وہ اس کو (پچھتم خود) دیکھ

لے گا۔ اور جس نے ایک ذرے کے ہم وزن برائی کی ہوگی وہ اُس کو (پچھتم خود) دیکھ لے گا۔“

﴿تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ط﴾ ”اور (ہر جان) یہ چاہے گی کہ کاش اس کے اور اُس

(کے نامہ اعمال) کے درمیان ایک زمانہ دراز حائل ہوتا۔“

اُس وقت ہر انسان یہ چاہے گا کہ کاش میرے اور میرے اعمال نامے کے درمیان بڑا فاصلہ آ جائے اور

میری نگاہ بھی اس پر نہ پڑے۔

﴿وَيَحْذَرُ كُفُّمَ اللَّهِ نَفْسَهُ ط﴾ ”اور اللہ ڈر رہا ہے تمہیں اپنے آپ سے۔“

یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے تو اس کا کرو ڈرنا ہے تو اس سے ڈرو خوف کھانا ہے تو اس سے کھاؤ!

﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔“

یہ تنبیہات (warnings) وہ تمہیں بار بار اسی لیے دے رہا ہے تاکہ تمہاری عاقبت خراب نہ ہو۔

**آیت ۳۱** ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت

کرتے ہو تو میری پیروی کرو“

یہ آیت بہت معروف ہے اور مسلمانوں کو بہت پسند بھی ہے۔ ہمارے ہاں مواعظ و خطابات میں یہ بہت

کثرت سے بیان ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو

میری پیروی کرو میرا اتباع کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿يُحِبِّكُمْ اللَّهُ﴾ ”اللہ تم سے محبت کرے گا“

﴿وَيَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط﴾ ”اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۱﴾﴾ ”اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

**آیت ۳۲** ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ؕ﴾ ”کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی۔“



﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (۳۳) ”پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو

ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔“

یہ دو آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دو الفاظ آئے ہیں ”اطاعت“ اور ”اتباع“۔ اطاعت اگر نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اطاعت تو لازم ہے اور وہ بھی دلی آمادگی سے مارے باندھے کی اطاعت نہیں۔ لیکن اطاعت کس چیز میں ہوتی ہے؟ جو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو وہ آپ کو کرنا ہے۔ اتباع اس سے بلند تر شے ہے۔ انسان خود تلاش کرے کہ آنحضرت ﷺ کے اعمال کیا تھے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے خواہ آپ ﷺ نے ان کا حکم نہ دیا ہو۔ گویا اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع تر ہے۔ انسان کو جس کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اُس سے ہر طرح سے ایک مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لباس جیسا لباس پہننا پسند کرتا ہے جو چیزیں اس کو کھانے میں پسند ہیں وہی چیزیں خود بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا لیکن ان کا التزام پسندیدہ ہے۔ ایک صحابی کا واقعہ آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے اور آپ کا گریبان کھلا تھا۔ اس کے بعد ان صحابی نے پھر ساری عمر اپنے کرتے کے بٹن نہیں لگائے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے تو انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحابی کہیں دور دراز سے آئے ہوں گے اور ایک ہی مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے لیکن انہوں نے اُس وقت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو جس شان میں دیکھا اس کو پھر اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اتباع کے ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگرچہ دین کے کچھ تقاضے ایسے ہیں کہ انہیں جس درجے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پورا فرمایا اس درجے میں پورا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس کی کوشش کرتے رہنا اتباع کا تقاضا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی مکان نہیں بنایا، کوئی جائیداد نہیں بنائی، جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا اس کے بعد آپ نے کوئی دنیوی کام نہیں کیا، کوئی تجارت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی اقامت میں لگا دی۔ سب کے لیے تو اس مقام تک پہنچنا یقیناً مشکل ہے، لیکن بہر حال بندہ مؤمن کا آئیڈیل یہ رہے اور وہ اسی کی طرف چلنے کی کوشش کرتا رہے، اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ وسائل فارغ کرے اور اس کام کے اندر لگائے تو ”اتباع“ کا کم سے کم تقاضا پورا ہوگا۔ البتہ جہاں تک ”اطاعت“ کا تعلق ہے اس میں کوتاہی قابل قبول نہیں۔ جہاں حکم دے دیا گیا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ فرض ہے، یہ واجب ہے، وہاں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ اگر اطاعت ہی سے انکار ہے تو اسے قرآن کفر قرار دے رہا ہے۔

اتباع کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، میری پیروی کرو۔ دیکھو میرے شب و روز کیا ہیں؟ میری توانائیاں کن کاموں پر لگ رہی ہیں؟ دنیا کے اندر میری دلچسپیاں کیا ہیں؟ ان معاملات میں تم میری پیروی کرو۔ اس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کے ”محب“ سے بڑھ کر ”محبوب“ بن جاؤ گے اور اللہ



تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔ باقی اطاعت تو اللہ اور اس کے رسول کی بہر صورت کرنی ہے۔ اگر یہ اس اطاعت سے بھی منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ اطاعت رسول ﷺ کا انکار تو کفر ہو گیا۔

یہاں سورہ آل عمران کے نصف اول کا ثلث اول مکمل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورہ مبارکہ کی پہلی ۳۲ آیات تمہیدی اور عمومی نوعیت کی ہیں۔ ان میں دین کے بڑے گہرے اصول بیان ہوئے ہیں نہایت جامع دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور محکمت اور متشابہات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

## آیات ۳۳ تا ۴۱

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۗ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۗ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْحَرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَرِيمَ إِنِّي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْحَرَابِ ۖ أَنْ اللَّهُ يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ مِمَّنْ لَمْ يَكُن لَكَ بِهِ سُلُوكٌ ۖ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْحَرَابِ ۖ قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۗ قَالَ آيَتُكَ الْأَنْتَ كَلِمَةَ النَّاسِ ثَلَاثَةً ۖ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ذُكِّرُوا بِكَلِمَاتٍ أُتِيَّهَا يَوْمَ الْقِيَامِ وَأَصْلُهُ لِي لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ

سورہ آل عمران کے نصف اول کا دوسرا حصہ ۳۱ آیات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں خطاب براہ راست نصاریٰ سے ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا ہے اور تثلیث (Trinity) کا عقیدہ گھڑ لیا ہے یہ سب باطل ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دو طرح کی تثلیث رائج رہی ہے — (i) خدا، مریم اور عیسیٰ — اور (ii) خدا، روح القدس اور عیسیٰ۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے، یہ تمہاری کج روی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ہاں ان کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی ہے۔ لیکن ان سے متصلاً قبل حضرت یحییٰ کی ولادت بھی تو معجزانہ ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت



آدم علیہ السلام کی ولادت بھی تو بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو معجزانہ طور پر پیدا کیا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اگر کسی کی معجزانہ ولادت الوہیت کی دلیل ہے تو کیا حضرت آدم اور حضرت یحییٰ بھی الہ ہیں؟ تو یہ ساری بحث اسی موضوع پر ہو رہی ہے۔

**آیت ۳۳** ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾﴾ ”یقیناً اللہ

نے چن لیا آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر۔“

اصطفاء کے معنی منتخب کرنے یا چن لینے (selection) کے ہیں۔ زیر مطالعہ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ”اصطفاء“ ہوا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک دلیل موجود ہے جو تخلیق آدم کے ضمن میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے ایک نوع (species) وجود میں آئی تھی اور اللہ نے اس نوع کے ایک فرد کو چن کر اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ آدم بن گئے۔ چنانچہ وہ بھی چنیدہ (selected) تھے۔ اصطفاء کے ایک عام معنی بھی ہوتے ہیں یعنی پسند کر لینا۔ ان معنوں میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں پر ترجیح دے کر پسند کر لیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں ”عمران“ دو عظیم شخصیتوں کے نام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریم سلام علیہا کے والد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰ کے والد مراد ہیں۔ لیکن آگے چونکہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا تذکرہ آ رہا ہے لہذا عین ممکن ہے کہ یہاں پر حضرت مریم کے والد کی طرف اشارہ ہو۔

**آیت ۳۴** ﴿ذُرِّيَّةً ۙ بَعْضُهَا مِنۢ بَعْضٍ ۖ﴾ ”یہ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔“

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح کی اولاد سے ہیں اور پھر بنی اسماعیل بنی اسرائیل اور آل عمران حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ”اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

**آیت ۳۵** ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ ”جب کہا عمران

کی بیوی نے کہ اے میرے رب! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں تیری ہی نذر کرتی ہوں، ہر ذمہ داری سے چھڑا کر“

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریم کی والدہ بہت ہی نیک، متقی اور زاہدہ خاتون تھیں۔ جب ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیا کہ پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے جسے تو پیدا فرما رہا ہے اسے میں تیری ہی نذر کرتی ہوں۔ ہم اس پر دُنیوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس کو خالصتاً ہیکل کی خدمت کے لیے دین کی خدمت کے لیے تورات کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم اپنا بھی کوئی بوجھ اس پر نہیں ڈالیں گے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا۔ مُحَرَّرًا کے معنی ہیں ”اسے آزاد کرتے



ہوئے۔ یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور اسے ہم تیرے لیے خالص کر دیں گے۔

﴿فَتَقَبَّلَ مِنِّي﴾ ”پس تو اس کو میری طرف سے قبول فرما!“

اے اللہ تو میری اس نذر کو شرف قبول عطا فرما۔

﴿إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”یقیناً تو سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

**آیت ۳۶** ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ انِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾ ”تو جب اسے وضع حمل ہوا تو اس نے

کہا اے میرے رب! یہ تو میں ایک لڑکی جن گئی ہوں۔“

یعنی میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہوگئی ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کو وقف کر دوں گی۔ اُس وقت تک ہیکل کے خادموں میں کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ﴾ ”اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جتنا ہے۔“

اسے کیا پتا تھا کہ اس نے کیسی بیٹی جنی ہے!

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ﴾ ”اور نہیں ہوگا کوئی بیٹا اس بیٹی جیسا!“

اس جملے کے دونوں معنی کیے گئے۔ اولاً: اگر یہ قول مانا جائے حضرت مریمؑ کی والدہ کا تو ترجمہ یوں ہوگا:

”اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا۔“ اگر لڑکا ہوتا تو میں اُسے خدمت کے لیے وقف کر دیتی یہ تو لڑکی ہوگئی ہے۔

ثانیاً: اگر اس قول کو اللہ کی طرف سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی بیٹا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جیسی بیٹی تو نے جنم دی ہے۔ اور اب مریمؑ کی والدہ کا کلام شروع ہوا:

﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ”اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے“

﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ”اور (اے پروردگار!) میں اس کو اور

اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود (کے حملوں) سے۔“

اے اللہ! تو اس لڑکی (مریمؑ) کو بھی اور اس کی آنے والی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھیو!

**آیت ۳۷** ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ ”تو قبول فرمایا اُس کو (یعنی حضرت مریمؑ کو) اس کے

رب نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ“

شرف قبول عطا فرمایا بڑے ہی خوبصورت انداز میں۔

﴿وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ ”اور اس کو پروان چڑھایا بہت اعلیٰ طریقے پر“

﴿وَوَكَّلْنَا زَكَرِيَّا﴾ ”اور اس کو زکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔“

حضرت زکریاؑ ان کے سرپرست مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت مریمؑ کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری

اٹھائی۔ حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے خالوتھے۔ آپ وقت کے نبی تھے اور اسرائیلی اصطلاح میں ہیکل سلیمانی

کے کاہن اعظم (Chief Priest) بھی تھے۔



﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ ”جب کبھی بھی زکریا ان کے پاس جاتے تھے

محراب میں“

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ”تو ان کے پاس رزق پاتے۔“

”محراب“ سے مراد وہ گوشہ یا حجرہ ہے جو حضرت مریمؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ حضرت زکریاؑ ان کی دیکھ بھال کے لیے اکثر ان کے حجرے میں جاتے تھے۔ آپؑ جب بھی حجرے میں جاتے تو دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور بغیر موسم کے پھل موجود ہوتے۔ بعض لوگوں کی رائے اس حوالے سے یہ بھی ہے کہ یہاں رزق سے مراد مادی کھانا نہیں، بلکہ علم و حکمت ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ان سے بات کرتے تھے تو حیران رہ جاتے تھے کہ اس لڑکی کو اس قدر حکمت اور اتنی معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی ہے؟

﴿قَالَ يَمْرُؤُا أَنَّىٰ لَكَ هَٰذَا﴾ ”وہ پوچھتے اے مریمؑ! تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟“

یہ انواع و اقسام کے کھانے اور بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آجاتے ہیں؟ یا یہ علم و حکمت اور معرفت کی باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوتی ہیں؟

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”وہ کہتی تھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔“

یہ سب اس کا فضل اور اس کا کرم ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا

کرتا ہے۔“

**آیت ۳۸** ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾ ”(حضرت زکریاؑ کو یہ مشاہدہ ہوا تو انہوں نے) اسی وقت

اپنے پروردگار سے ایک دعا کی۔“

﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ ”انہوں نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے بھی

اپنی جناب سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔“

حضرت زکریاؑ یقیناً بہت بوڑھے ہو چکے تھے ان کی اہلیہ بھی بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ ساری عمر بانجھ رہی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین سورہ مریم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مکی دور میں جبکہ مسلمان ہجرت حبشہ کے لیے گئے تھے تو وہاں جا کر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورہ مریم کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ حضرت زکریاؑ ساری عمر بے اولاد رہے تھے، لیکن حضرت مریمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اولاد کی جو خواہش ان کے اندر دہی ہوئی تھی وہ چنگاری دفعہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو اس بچی کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے تو اپنی قدرت سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے!

﴿إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ ”یقیناً تو دعا کا سننے والا ہے۔“



**آیت ۳۹** ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ﴾ ”تو فرشتوں نے انہیں ندا دی

جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے“

﴿أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَى﴾ ”کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے یحییٰ کی“

﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”جو تصدیق کرے گا اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی“

اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے لیے آگے آیت ۲۵ میں ”بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ“ کا لفظ آ رہا ہے۔

﴿وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور سردار ہوگا اور تجرد کی زندگی گزارے گا اور

نبی ہوگا صالحین میں سے۔“

یہاں نوٹ کر لیجیے کہ آخری لفظ جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح کے لیے آیا ہے وہ ”نبی“ ہے۔ اس بارے

میں مزید وضاحت آگے آیت ۴۹ کے مطالعہ کے دوران آئے گی۔

**آیت ۴۰** ﴿قَالَ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لىٰ غُلْمٌ﴾ ”(زکریا نے) کہا: پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے

ہو جائے گا؟“

ابھی خود دعا کر رہے تھے لیکن اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے پر غالباً اس کی توثیق اور

re-assurance چاہ رہے ہیں کہ میرے ہاں کیسے بیٹا ہو جائے گا؟

﴿وَقَدْ بَلَغَنِى الْكِبَرُ﴾ ”جبکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں“

﴿وَأُمْرَاتىٰ عَاقِرٌ﴾ ”اور میری بیوی بانجھ رہی ہے۔“

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ ”(اللہ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے۔“

اسے اسباب کی احتیاج نہیں ہے۔ اسباب اس کے محتاج ہیں اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

**آیت ۴۱** ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لىٰ آيَةً﴾ ”انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میرے (اطمینان کے) لیے

کوئی نشانی مقرر کر دیں۔“

مجھے معلوم ہو جائے کہ واقعی ایسا ہونا ہے اور یہ کلام جو میں سن رہا ہوں واقعتاً تیری طرف سے ہے۔

﴿قَالَ اٰتىٰكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ ”(اللہ نے) فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ

ہے کہ اب تم تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے سوائے اشارے کنائے کے۔“

یعنی ان کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی اور اب وہ تین دن تک کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا﴾ ”اور (اپنے دل میں) اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتے رہو“

﴿وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ ”اور تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔“



## آیات ۲۲ تا ۵۴

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤَانِ اللَّهُ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿٢٢﴾  
 يَمْرُؤَانِ اقْتَتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٢٣﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ  
 إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَفَلَا مَهْمُ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ  
 يَخْتَصِمُونَ ﴿٢٤﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤَانِ اللَّهُ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى  
 ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٢٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْبَهْدِ وَكَهْلًا  
 وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ  
 يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٢٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
 وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ أَنِّي  
 أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْكَلْبَةَ  
 وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ ۖ فِي بُيُوتِكُمْ ۖ إِنَّ  
 فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٨﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا حِلَّ  
 لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ  
 أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ آمَنَّا بِاللَّهِ ۖ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ﴿٣٠﴾  
 رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٣١﴾ وَمَكْرُوهًا وَمَكْرُوهًا ۖ وَاللَّهُ  
 خَيْرُ الْبَاكِرِينَ ﴿٣٢﴾

۳۰

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اس قصے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو شدید ضعیفی کی عمر میں ایک بانجھ اور بوڑھی عورت سے حضرت یحییٰ جیسا بیٹا دے دیا۔ تو کیا یہ عام قانون کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے یہ بھی تو معجزہ تھا۔ اسی طرح اس سے ذرا بڑھ کر ایک معجزہ حضرت مسیح کی پیدائش ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ اب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤَانِ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ کہا فرشتوں نے اے مریم“

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ ”یقیناً اللہ نے تمہیں

چن لیا ہے اور تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہیں تمام جہان کی خواتین پر ترجیح دی ہے۔“



**آیت ۲۳** ﴿يَمْرَيْمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ﴾ ”اے مریم! اپنے رب کی فرماں برداری کرتی رہو“  
 ﴿وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ ”اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔“

یعنی نماز باجماعت کے اندر شریک ہو جایا کرو۔

**آیت ۲۴** ﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾ ”یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو (اے محمد ﷺ!) ہم آپ کو وحی کر رہے ہیں۔“

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ ”اور آپ تو ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل ہوگا۔“

جب حضرت مریم سلام علیہا کو ان کی والدہ نے ہیكل کی خدمت کے لیے وقف کیا تو ہیكل کے کاہنوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی میری تحویل میں ہو اس کی تربیت اور پرورش کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے جسے اللہ کے نام پر وقف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ اپنے قلم پھینک کر کسی طرح قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس میں اللہ نے حضرت زکریا کا نام نکال دیا۔ یہاں اثنائے کلام میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ تو اُس وقت وہاں نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی سے یہ معاملہ طے کر رہے تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ ”اور نہ آپ اُس وقت ان کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔“

**آیت ۲۵** ﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَأِكَةُ يَمْرَيْمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ﴾ ”یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی“

تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی کی ولادت کی خوشخبری دے رہا ہے جو اُس کی جانب سے ایک خاص کلمہ ہوگا۔  
 ﴿اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”اس کا نام ہوگا مسیح، عیسیٰ مریم کا بیٹا“

﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ ”مرتبے والا ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہوگا۔“

**آیت ۲۶** ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ”اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی“

کہولت چالیس برس کے بعد آتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع سماوی ۳۳ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ گویا اس آیت کا تقاضا بھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ یہ بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ پوری عمر







یہ بہت اہم مضمون ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم کے دوران اس کے اور بھی حوالے آئیں گے۔

﴿إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ” (چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں“

ابھی تک گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری خوشخبریاں دی گئیں۔ اب یوں

سمجھئے کہ قصہ مختصر ان کی ولادت ہوئی وہ پلے بڑھے یہ ساری تاریخ بیچ میں سے حذف کر کے نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ

اب حضرت مسیحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا۔ آپ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی

طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

﴿إِنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ ” کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند

صورت بناتا ہوں“

﴿فَانْفُخْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ” پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے

اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔“

یہاں آپ نوٹ کرتے جائیے کہ ہر معجزے کے ذکر کے بعد ”بِإِذْنِ اللَّهِ“ فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ میرا دعویٰ

نہیں ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے۔

﴿وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ” اور میں شفا دے دیتا ہوں

مادر زادانندھے کو بھی اور کوڑھی کو بھی اور میں مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔“

﴿وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ ” اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم

کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔“

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ” یقیناً ان تمام چیزوں میں تمہارے لیے

نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔“

حضرت مسیحؑ نے اپنی رسالت کی صداقت اور دلیل کے طور پر یہ تمام معجزات پیش فرمائے۔

**آیت ۵۰** ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ ” اور میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو

میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے“

﴿وَلِأَحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ” اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ میں حلال ٹھہرا

دوں تم پر ان میں سے بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔“

یہ اصل میں ”سبت“ کے حکم کے بارے میں اشارہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض مذہبی مزاج کے لوگوں

میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دین کے احکام میں غلو کرتے چلے جاتے ہیں اسی طرح سبت کے حکم میں

یہودیوں نے اس حد تک غلو کر لیا تھا کہ اس روز کسی مریض کے لیے دعا کرنا کہ اللہ اسے شفا دے دے یہ بھی جائز



نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بھی دنیا کا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں ایک انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے آ کر اس کی وضاحت کی کہ اس طرح کی چیزیں سبت کے تقاضوں میں شامل نہیں ہیں۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ”اور میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔“

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۵﴾ ”پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔“

آیت ۵ ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اسی کی بندگی کرو۔“

﴿هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۵﴾ ”یہی سیدھا راستہ ہے۔“

یہی الفاظ سورہ مریم (آیت ۳۶) میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ”پس جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا“

﴿قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ ”تو انہوں نے پکار لگائی کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟“

یہاں پھر درمیانی عرصے کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو کئی سال بیت چکے تھے۔ اس دعوت سے جب علماء یہود کی مسندوں کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کی چودھراہٹیں خطرے میں پڑ گئیں تو انہوں نے حضرت مسیحؑ کی مخالفت شروع کر دی۔ اُس وقت تک یہودیوں پر ان کے علماء کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ جب آپ نے ان کی طرف سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پرتل گئے ہیں۔ تو آپ نے ایک پکار لگائی، ایک ندا دی، ایک دعوت عام دی کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہیں؟ یعنی اب جو کشاکش ہونے والی ہے، جو تصادم ہونے والا ہے اس میں ایک ”حزب اللہ“ بنے گی اور ایک ”حزب الشیطان“ ہوگی۔ اب کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں اس جدوجہد اور کشاکش میں؟ واضح رہے کہ دین کا کام کرنے کے لیے یہی اصل اساس ہے۔ اسی بنیاد پر کوئی شخص اٹھے کہ میں دین کا کام کرنا چاہتا ہوں، کون ہے کہ جو میرا ساتھ دے؟ یہ جماعت سازی کا ایک بالکل طبعی طریقہ ہوتا ہے۔ ایک داعی اٹھتا ہے اور اُس داعی پر اعتماد کرنے والے اُس سے اتفاق کرنے والے لوگ اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی اعتبار سے اُس کے ساتھی نہیں ہوتے، اس کی حکومت اور سرداری قائم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ ”کہا حواریوں نے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!“

”حواری“ کے اصل معنی دھوبی کے ہیں جو کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ یہ لفظ پھر آگے بڑھ کر اپنے اخلاق اور کردار کو صاف کرنے والوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ زیادہ تر گلیلی جھیل کے کناروں پر ہوتی تھی، جو سمندر کی طرح بہت بڑی جھیل ہے۔ آپ کبھی وہاں کپڑے دھونے والے دھوبیوں میں تبلیغ



کرتے تھے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے والے مچھیروں کو دعوت دیتے تھے۔ آپ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے مچھلیوں کا شکار کرنے والو! آؤ میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں۔ آپ نے دھوبیوں میں تبلیغ کی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ ہم آپ کی جدوجہد میں اللہ کے مددگار بننے کو تیار ہیں۔ یہ آپ کے اولین ساتھی تھے جو ”حواری“ کہلاتے تھے۔ اس طرح حواری کا لفظ ساتھی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ ”ہم ایمان لائے اللہ پر۔“

﴿ وَاَشْهَدُ بَاۡنَا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۳ ﴾ ”اور آپ بھی گواہ رہیے گا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

آیت ۵۳ ﴿ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اُنزِلَتْ ﴾ ”اے رب ہمارے! ہم ایمان لے آئے اُس پر جو تو نے

نازل فرمایا“

﴿ وَاَتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ﴾ ”اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کا“

﴿ فَاَكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۴ ﴾ ”پس تو ہمارا نام گواہوں میں لکھ لے۔“

یہی لفظ ”گواہ“ بعد میں عیسائیوں کے ایک خاص فرقے (Jehova's Witnesses) نے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ لفظ یہوہ (Jehova) عبرانی میں خدا کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو ”خدا کے گواہ“ کہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۳ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًاۤ اَعْلٰی النَّاسِ وَيَكُوْن الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا ۝۱۲۳ ﴾ (اور اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ تو یہ لفظ ”شاہد“ (گواہ) قدیم ہے اور اسلامی حکمت اور اسلام کی مصطلحات میں اس کی ایک حیثیت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿ وَاَمَّا مَن كَفَرَۙ اٰتٰنَا سُلٰتٰنًا وَّكٰفٰرًا ۝۵۵ ﴾ ”اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔“

یہود کے علماء اور فریسی حضرت مسیح کے خلاف مختلف چالیں چل رہے تھے کہ کسی طرح یہ قانون کی گرفت میں آجائیں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے آنجناب کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا، لیکن ملک پر سیاسی اقتدار چونکہ رومیوں کا تھا لہذا رومی گورنر کی توثیق (sanction) کے بغیر کسی کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ ملک کا بادشاہ اگرچہ ایک یہودی تھا لیکن اس کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہ کی تھی، جیسے انگریزی حکومت کے تحت مصر کے شاہ فاروق ہوتے تھے۔ یہود کی مذہبی عدالتیں موجود تھیں جہاں ان کے علماء مفتی اور فریسی بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے اور اگر وہ سزائے موت کا فیصلہ دے دیتے تھے تو اس فیصلے کی تنفیذ (execution) رومی گورنر کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں علماء یہود کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ حضرت مسیح کو رومی قانون کی زد میں لانے کے لیے اپنی سی چالیں چل رہے تھے۔ وہ آنجناب سے اس طرح کے اٹے سیدھے سوالات کرتے کہ آپ کے جوابات سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ یہ شخص رومی حکومت کا باغی ہے۔

یہود کی ان چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن

یا حدیث میں نہیں ہے، بلکہ ”انجیل برنباس“ میں ہے جو پوپ کی لائبریری سے برآمد ہوئی تھی۔ چنانچہ انجیل



برنباس کے مطابق حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری یہودا اسکر یوتی کو یہود نے رشوت دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ مجبری کر کے آپؑ کو گرفتار کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی خدا حواری کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بدل دی۔ حضرت مسیحؑ اُس وقت ایک باغ میں روپوش تھے۔ آپؑ اس باغ کے اندر بنی ہوئی ایک کوٹھڑی میں رات کے وقت عبادت میں مشغول تھے جبکہ آپؑ کے بارہ حواری باہر موجود تھے۔ اُس وقت وہ شخص وہاں سے چپکے سے سٹک گیا اور جا کر سپاہیوں کو لے آیا تا کہ آپؑ کو گرفتار کرا سکے۔ یہ رومی سپاہی تھے اور قندیلیں لے کر آئے تھے۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اندر جاؤں گا جس شخص کو میں کہوں ”اے ہمارے استاد“ بس اسی کو پکڑ لینا وہی مسیحؑ ہیں۔ ظاہر ہے رومیوں کو کیا پتا تھا کہ مسیحؑ کون ہیں؟ یہ شخص جیسے ہی کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا اُسی وقت کوٹھڑی کی چھت پھٹی اور چار فرشتے نازل ہوئے جو حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل تبدیل کر کے حضرت مسیحؑ والی شکل بنا دی۔ اب یہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواریوں نے اُس سے کہا ”اے ہمارے استاد!“ یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اسے قابو کر لیا اور اصل میں یہی شخص سولی چڑھا ہے نہ کہ حضرت مسیحؑ۔ یہ ساری تفصیل انجیل برنباس میں موجود ہیں۔ یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ ”انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی۔“

﴿وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔“

## آیات ۵۵ تا ۶۳

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعْدِدْ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۗ ﴿۵۵﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۗ ﴿۵۶﴾ ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۗ ﴿۵۷﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۗ ﴿۵۸﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُبْتَدِلِينَ ۗ ﴿۵۹﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۗ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۗ ﴿۶۰﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۗ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۗ ﴿۶۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۗ ﴿۶۲﴾



**آیت ۵۵** ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ سَمَاءٍ﴾ ”یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھالینے والا ہوں“

لفظ ”مَرْفُوعُكَ“ کو قادیانیوں نے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بہت بڑی بنیاد بنایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ لہذا اس لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَفَى کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفَى - يُوفِّي - تَوْفِيَةً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۲۵ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ تَوَفَّيْتُمْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾﴾ ”تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں! اور ہر جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔“ باب تفعیل میں تَوَفَّى يَتَوَفَّى کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام و کمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیحؑ پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دُنیا سے لے گیا۔ واضح رہے کہ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔ اس لیے کہ مرنے والے کا جسم تو یہیں رہ جاتا ہے، صرف جان جاتی ہے۔ پھر یہی لفظ قرآن مجید میں نیند کے لیے بھی آیا ہے: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾ (الزمر: ۴۲) ”وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روہیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اُس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔“ اس لیے کہ نیند میں بھی انسان سے خود شعوری نکل جاتی ہے، اگرچہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ روح کا تعلق خود شعوری کے ساتھ ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور پیچھے صرف جسم رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں حالتوں (نیند اور موت) کے لیے تَوَفَّى کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَوَفَّى یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم، جان اور روح تینوں سمیت جوں کا توں زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور جہاں تک لفظ ”تَوَفَّى“ کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے اُس میں قطعاً کوئی ایسا پیچیدہ نکتہ نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؑ کی موت کی دلیل پکڑ سکے۔ البتہ اس معاملے میں ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ عام لوگ تو ایک ہی وفات کے بارے میں جانتے ہیں، جبکہ از روئے قرآن تین قسم کی ”وفات“ ثابت ہوتی ہے، جیسے کہ اوپر وضاحت کی گئی ہے۔ اب آیت زیر مطالعہ کے متذکرہ بالا ٹکڑے کا ترجمہ پھر کر لیجیے: ”یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھالینے والا ہوں۔“

﴿وَمُطَهَّرِكَ مِنَ الذِّينِ كَفَرُوا﴾ ”اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے

(تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے“



﴿وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ” اور غالب کرنے والا ہوں ان

لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں۔“

یہود جنہوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا اُس وقت سے لے کر موجودہ زمانے تک حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے مار کھاتے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ۳۰ء یا ۳۳ء میں آسمان پر اٹھالیے گئے تھے اور اس کے بعد سے یہود پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیكل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک دو ہزار برس ہونے کو ہیں ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار (دیوارِ گریہ) باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھولیتے ہیں۔

ہیکل سلیمانی اولاً بخت نصر نے چھٹی صدی قبل مسیح میں مسمار کیا تھا۔ اس حملے میں اس نے پورے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیے اور لاکھوں کو قیدی بنا کر وہ اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ اس دور کو انہوں نے اُسارت (Captivity) کا نام دیا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں یہ لوگ دوبارہ فلسطین واپس آئے اور ”معبد ثانی“ تعمیر کیا جو ۷۰ء میں پھر منہدم کر دیا گیا اور انہیں پھر فلسطین سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد یہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ کچھ روس، کچھ ہندوستان، کچھ مصر اور کچھ یورپ چلے گئے۔ اس طرح یہ پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یروشلم مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھلا شہر (open city) قرار دے دیا کہ یہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی سب آ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی یروشلم میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ البتہ عیسائیوں نے اس معاہدے میں یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے یا جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خلافت عثمانیہ کے دور تک اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا رہا اور یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے لیے انہوں نے عثمانی خلفاء کو بڑی بڑی رشوتوں کی پیشکش کی، لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کو ختم کروا دیا۔ اسی دوران (۱۹۱۷ء میں) انہوں نے برطانوی وزیر بالفور (Balfor) کے ذریعے ”بالفور ڈیکلریشن“ منظور کرایا، جس میں ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ فلسطین میں آ کر جائیداد بھی خرید سکتے ہیں اور آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ڈیکلریشن کی منظوری کے ۳۱ برس بعد اسرائیل کی ریاست وجود میں آ گئی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ یہودی دنیا بھر میں سیاست اور اقتدار پر چھائے ہوئے ہیں، تعداد میں ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہونے کے باوجود اس وقت دنیا کی معیشت کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ عیسائیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ہے۔ اگر عیسائی ان کی مدد نہ کریں تو عرب ایک دن میں ان کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ اس وقت پوری امریکی حکومت ان کی پشت پر ہے، بلکہ White Anglo Saxon



Protestants یعنی امریکہ اور برطانیہ تو گویا ان کے زر خرید ہیں۔ دوسرے عیسائی ممالک بھی ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بہر حال اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اوپر تو عیسائی ہی ہیں اور یہ معنوی طور پر سازشی انداز میں نیچے سے انہیں کنٹرول کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ٥٥﴾ ”پھر میری طرف ہی تم

سب کا لوٹنا ہوگا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے۔“

**آیت ۵۶** ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَّبْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”تو وہ لوگ جو کفر کی

روش اختیار کریں گے میں انہیں عذاب دوں گا بہت سخت عذاب دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ٥٦﴾ ”اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل

کریں گے“

﴿فَيُوفِّيهِمْ أَجْرَهُمْ ط﴾ ”تو وہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا۔“

دیکھئے یہاں پھر وفا یوفی آیا ہے۔ یعنی پورا پورا دے دینا۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ٥٧﴾ ”اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

**آیت ۵۸** ﴿ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ٥٨﴾ ”یہ ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے

ہیں آیات الہیہ اور پر حکمت یاد دہانی میں سے۔“

یہاں بھی گویا پس منظر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی آیات اور ذکر حکیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنا

رہے ہیں۔

**آیت ۵۹** ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ط﴾ ”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی

سی ہے۔“

﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ٥٩﴾ ”اُس کو مٹی سے بنایا، پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

قرآن مجید کی یہ آیت ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصی تخلیق

(special creation) کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت آدم کا چناؤ ارتقاء (evolution) کے نتیجے میں

کسی نوع (species) کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں ہوا، بلکہ آپ براہ راست

مٹی سے تخلیق کیے گئے۔ تخلیق آدم کے ضمن میں یہ دونوں نظریے ملتے ہیں اور دونوں کے بارے میں دلائل بھی

موجود ہیں۔ ابھی یہ کوئی طے شدہ حقائق نہیں ہیں۔ ہم غور و فکر کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے کس مقام پر کس

نظریے کے لیے کوئی تائید یا توثیق ملتی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ”اللہ کے نزدیک تو عیسیٰ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے

آدم کی۔ اسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔“ تو اب اگر آدم کا معاملہ خصوصی تخلیق کا ہے کہ بغیر باپ کے



اور بغیر ماں کے پیدا ہو گئے تو کیا وہ ”الہ“ بن گئے؟ ان کا خالق تو اللہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا کیسے بن گئے؟ ان کی والدہ کو حمل ہوا، نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے، پھر ان کی پیدائش ہوئی۔ تو تخلیق میں ان کا معاملہ اعجاز کے اعتبار سے حضرت آدم سے تو کم ہی رہا ہے۔ اور اس سے کم تر معاملہ حضرت یحییٰؑ کا ہے کہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ جو ساری عمر بانجھ رہیں، اللہ نے ان کو اولاد دے دی۔ تو یہ سارے معجزات ہیں، اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اس میں کسی کی الوہیت کی دلیل نہیں نکلتی۔

**آیت ۶۰** ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝۶۰﴾ ”یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔“

یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اصل حقیقت یہی ہے جو قرآن نے واضح کر دی ہے، باقی سب نصاریٰ کی افسانہ طرازی ہے۔ اور یہ جو فرمایا: ﴿فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝۶۰﴾ اس میں خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر روئے سخن مخاطبین سے ہے۔

**آیت ۶۱** ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی اس معاملے میں آپ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے“

آپ کے پاس تو ”العلم“ آچکا ہے، آپ جو بات کہہ رہے ہیں علیٰ وجہ البصیرۃ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاریٰ آپ سے حجت بازی کریں اور بحث و مناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہ ہوں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ وہ آپ کے ساتھ ”مباہلہ“ کر لیں۔ نجران سے نصاریٰ کا ۷۰ افراد پر مشتمل جو وفد ابو حارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا، اس سے دعوت و تبلیغ اور تذکیرو تفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا۔ یہاں دراصل اس وفد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ﴾ ”پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ، ہم بلا تے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو“

﴿وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ﴾ ”اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو“

﴿وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور ہم بھی آجاتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ!“

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝۶۱﴾ ”پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔“

ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو، اس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور مباہلے کی دعوت اس وقت دی جاتی ہے جبکہ احقاقِ حق ہو چکے، بات پوری طرح واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو جائے کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے اور اب صرف ضد پراڑا ہوا



ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ مباہلہ آخری تدبیر ہوتی ہے تاکہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہوگا تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لے گا اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مباہلہ کی دعوت سن کر وفد نجران نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے بڑوں نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے کہا: ”اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں، کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

**آیت ۶۲** ﴿إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ ”یقیناً یہی بالکل صحیح سرگزشت ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ ”اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔“

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور کمال حکمت

والا ہے۔“

**آیت ۶۳** ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ﴾ ”پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ خوب

جانتا ہے مفسدوں کو۔“

یہاں آ کر اس سورہ مبارکہ کے نصف اول کا پہلا اور دوسرا حصہ مکمل ہو گیا، جو ۳۲+۳۱=۶۳ آیات پر

مشتمل ہے۔

## آیات ۶۲ تا ۷۱

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۗ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحْجُونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۗ هَآئِنْتُمْ هَآؤَآءِ حَاجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تَحْجُونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۗ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۗ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۗ



وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٣﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٦٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْسِبُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦٥﴾

۱۵  
۱۶

سورہ آل عمران کے نصف اول کا تیسرا حصہ ۳۸ آیات (۶۳ تا ۱۰۱) پر مشتمل ہے اور یہ سورہ البقرہ کے نصف اول کے تیسرے حصے (رکوع ۱۵ تا ۱۸) سے بہت مشابہ ہے۔ سورہ البقرہ کے اس حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کا ذکر ہے، اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور تحویلِ قبلہ کا حکم ہے۔ کم و بیش یہی مضامین اس سورت کے اس حصے میں ملتے ہیں۔

**آیت ۶۳** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے“ یہاں ”اہل کتاب“ کے صیغہ خطاب میں یہود و نصاریٰ دونوں کو جمع کر لیا گیا ہے جبکہ سورہ البقرہ میں ”يٰٓبَنِيٓ اِسْرٰٓءِٓلَ“ کے صیغہ خطاب میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ گزشتہ آیات میں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور اس حوالے سے گویا صرف نصرانیوں سے خطاب تھا، اب زیر مطالعہ آیات میں اہل کتاب دونوں کے دونوں مخاطب ہیں کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں مشترک اور متفق علیہ ہے۔ وہ کیا ہے؟

﴿اَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ”کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں“

﴿وَلَا نُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا﴾ ”اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں“

﴿وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط﴾ ”اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ

کے سوا رب ٹھہرائے۔“

یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں۔ یہ گویا ان کو رب مان لینے کے مترادف تھا۔ جیسا کہ سورہ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿اَتَّخِذُوْا اٰحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.....﴾ (آیت ۳۱) ”انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا اللہ کے سوا.....“ مشہور سنی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن اہل کتاب کے بارے میں کہتا ہے: ”انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔“ حالانکہ ہم نے تو انہیں رب کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَمَّا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلِكِنَّهُمْ اِذَا اَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ



شَيْئًا حَرَامًا)) (۱)

”وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دے دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے۔“

ظاہر ہے حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ کا ہے جو کوئی اس حق کو اختیار کرتا ہے وہ گویا رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ چنانچہ آج شریعت کے خلاف جہاں کہیں بھی قانون سازی کی جا رہی ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کی جانب سے خدائی کا دعویٰ ہے جو ان قانون ساز اداروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور جو وہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر تو پہلے سے یہ طے ہو جائے کہ کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو پھر آپ جائے اور وہاں جا کر قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کیجیے۔ لیکن اگر یہ تحدید نہیں ہے اور محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو رہی ہے تو یہ شرک ہے۔

بہر حال اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک عقیدہ ہے۔ اس طرح انہیں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ موازنہ کریں کہ اس قدر مشترک کے معیار پر اسلام پورا اترتا ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (۶۴) ”پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے مسلمانو!) تم کہو آپ لوگ گواہ رہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں۔“

ہم نے تو اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم متذکرہ بالاتینوں باتوں پر قائم رہیں گے۔ آپ کو اگر یہ پسند نہیں تو آپ کی مرضی!

**آیت ۶۵** ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ﴾ ”اے کتاب والو! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں نازل کی گئیں مگر اس کے بعد؟“

یہ بات تم بھی جانتے اور مانتے ہو کہ تورات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور انجیل بھی۔ یعنی یہودیت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی پیداوار ہے اور نصرانیت بھی۔ چنانچہ تم لوگوں کو اس میں شک نہیں ہونا چاہیے کہ ابراہیم مسلمان تھے اللہ کے فرماں بردار تھے اور وہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے!

﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (۶۵) ”تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“

**آیت ۶۶** ﴿هَآئِنْتُمْ هَآؤِلَآءِ حَآجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ ”دیکھو تم لوگ اب تک جو بھی بحث مباحثہ کرتے رہے ہو وہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا تمہیں کچھ علم ہے“

﴿قَلِمَ تَحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ ”تو اب تم ایسی چیزوں کے ضمن میں بحث بازی کیوں کرتے ہو جن کے بارے میں تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں؟“



ان چیزوں کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، کوئی علمی بنیاد نہیں۔

﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۳۶﴾ ”اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

**آیت ۳۷** ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا﴾ ”تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ (ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی“

﴿وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ ”بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔“

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ﴿۳۷﴾ ”اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔“

نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے تینوں اہم گروہ یعنی مشرکین عرب، یہودی اور نصرانی، اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔ مشرکین عرب حضرت اسماعیل کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیم سے ہے۔ اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملتِ ابراہیمی ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن قرآن نے دو ٹوک انداز میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے بلکہ وہ مسلمان تھے۔

**آیت ۳۸** ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ﴾ ”یقیناً ابراہیم سے سب سے زیادہ قربت

رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی“

﴿وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور اب یہ نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو اُن پر ایمان لائے

(اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔“

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ﴿۳۸﴾ ”اور اللہ ان مومنوں کا ساتھی ہے۔“

وہ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے، پشت پناہ ہے، حمایتی ہے۔

**آیت ۳۹** ﴿وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ﴾ ”اہل کتاب کا ایک گروہ آرزو مند

ہے کہ (اے مسلمانو!) تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں۔“

﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿۳۹﴾ ”اور وہ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنے آپ کو

لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“

**آیت ۴۰** ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ﴾ ﴿۴۰﴾ ”اے اہل کتاب! تم

کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟“

تم قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے قائل ہو، ان کو پہچان چکے ہو، دل میں جان چکے ہو!

**آیت ۴۱** ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۴۱﴾

”اے اہل کتاب! تم کیوں حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو جانتے بوجھتے؟“



سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿وَلَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۴۳﴾ ”اور نہ گڈمڈ کرو حق کے ساتھ باطل کو اور نہ چھپاؤ حق کو درانحالیکہ تم جانتے ہو۔“

”يَا أَهْلَ الْكِتَابِ“ کے صیغہ خطاب کے ساتھ ان آیات میں اسی طرح کا داعیانہ انداز ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں ہے۔

## آیات ۷۲ تا ۸۰

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ  
وَأَكْفَرُوا آخِرَةً لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تَتُومِنُوا إِلَّا لِيُنزِلَ عَلَيْكُمْ ط قُلْ إِنْ الْهُدَىٰ هُدَىٰ  
اللَّهِ لَا أَنْ يُؤْتِي أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يَحْجُوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ط قُلْ إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ  
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۷۳﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ  
الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنُ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَارٍ يُؤَدُّ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنُ إِنْ تَأْمَنَهُ  
بِدِينَارٍ لَا يُؤَدُّ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ط ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ  
سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾ بَلَىٰ مَن أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ  
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ  
فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾  
وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ السِّنْتَهُم بِالْكِتَابِ لِحَسْبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ  
وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ  
يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا  
عِبَادًا لِّيَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ  
تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ط أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ  
أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

**آیت ۷۲** ﴿وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ  
وَأَكْفَرُوا آخِرَةً﴾ ”اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ان اہل ایمان پر جو چیز نازل کی گئی ہے اس  
پر ایمان لاؤ صبح کے وقت اور اس کا انکار کر دو دن کے آخر میں“

﴿لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ﴿۷۲﴾ ”شاید (اس تدبیر سے) ان میں سے بھی کچھ پھر جائیں۔“

یہاں یہود کی ایک بہت بڑی سازش کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے ایک گروہ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی



دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی۔ اس سازش کا پس منظر یہ تھا کہ دنیا کے سامنے یہ بات آچکی تھی کہ جو کوئی ایک مرتبہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا، چاہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا، بھوکا پیاسا رکھا جاتا، حتیٰ کہ جان سے مار دیا جاتا۔ اس طرح عوام الناس کے دلوں پر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ اسلام کے اندر کوئی ایسی کشش، ایسی حقانیت اور ایسی مٹھاس ہے کہ آدمی ایک مرتبہ اسے قبول کر لینے کے بعد بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے، لیکن اس نظریے سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام کی اس ساکھ کو توڑنے کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ صبح کے وقت اعلان کرو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ سارا دن محمد (ﷺ) کی صحبت میں رہو اور شام کو کہہ دو کہ ہم نے دیکھ لیا، یہاں کچھ بھی نہیں ہے، یہ دور کے ڈھول سہانے والا معاملہ ہے، ہم تو اپنے عقیدے پر واپس جا رہے ہیں، ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ ممکن ہے اس سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ انہوں نے سازش کی ہے، لیکن یقیناً کچھ لوگ یہ بھی ضرور سمجھیں گے کہ بھی یہ بڑے متقی لوگ تھے، متلاشیانِ حق تھے، بڑے جذبے اور بڑی شان کے ساتھ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا اور ایمان قبول کیا تھا، پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بھی بیٹھے رہے ہیں، آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہی ہوگا جو واپس پلٹ گئے ہیں۔ اس انداز سے عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے کے لیے انہوں نے یہ منافقانہ سازش تیار کی۔ اسلام میں قتل مرتد کی سزا کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اس طرح کی سازشوں کا راستہ روکنے کے لیے یہ سزاجوز کی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے، ایمان اور اسلام ہی تو اس کی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے اور اس کی جڑوں کو کھودنے والی جو چیز بھی ہو سکتی ہے اس کا سدباب پوری قوت سے کرنا چاہیے۔

**آیت ۷۳** ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ﴾ ”اور دیکھو کسی کی بات نہ ماننا مگر اسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔“

یعنی اس سازشی گروہ کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ہم جا کر چند گھنٹے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گزاریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے واقعی کسی کو انشراح صدر ہو جائے اور وہ دل سے ایمان لے آئے۔ لہذا وہ واپس میں طے کر کے گئے کہ دیکھو ان پر ایمان نہیں لانا ہے، صرف ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ شعوری نفاق کی مثال ہے۔ یعنی جو وقت انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ گزارا اس میں وہ قانوناً تو مسلمان تھے، اس دوران ان میں سے اگر کوئی مر جاتا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی، لیکن خود انہیں معلوم تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شعوری نفاق ہے، جبکہ غیر شعوری نفاق یہ ہے کہ اندر ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مؤمن ہوں، حالانکہ اس کا کردار اور عمل منافقانہ ہے اور اس کے اندر سے ایمان کی پونجی ختم ہو چکی ہے، جیسے دیمک کسی شہتیر کو چٹ کر جاتی ہے لیکن اس کے اوپر ایک پردہ (vaneer) بہر حال برقرار رہتا ہے۔ شعوری نفاق اور غیر شعوری نفاق کے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔



﴿قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ﴾ ” (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی

ہدایت ہے“

آگے یہود کے سازشی ٹولے کے گزشتہ قول کا تسلسل ہے کہ دیکھو ایمان مت لانا!

﴿أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ﴾ ”مبادا کسی کو وہ شے دے دی جائے جو تمہیں دی گئی تھی“

یعنی یہ رسالت و نبوت اور مذہب ہی پیشوائی تو ہماری میراث تھی، ہم اگر ان پر ایمان لے آئیں گے تو وہ چیز ہم سے ان کو منتقل ہو جائے گی۔ لہذا ماننا تو ہرگز نہیں ہے، لیکن یہ کام ہمیں محض ان کی ہوا اکھیڑنے کے لیے کرنا ہے۔

﴿أَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ ”یا وہ تمہارے خلاف حجت قائم کریں تمہارے پروردگار

کے حضور۔“

﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ﴾ ”کہہ دیجیے کہ فضل تو کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

﴿يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ”وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دو ہزار برس تک تمہیں امت مسلمہ کے منصب پر فائز رکھا، اب تم اس منصب کے نااہل ثابت ہو چکے ہو لہذا اب تمہیں معزول کر دیا گیا ہے اور تمہاری جگہ ایک نئی امت (امت محمد ﷺ) کو اس مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔

﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

**آیت ۷۲** ﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ”وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو

چاہتا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ ”اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

اگلی آیت میں حکمت دعوت کے اعتبار سے بہت اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ بڑے سے بڑے گروہ کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی اچھے افراد لازماً موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے افراد کا تذکرہ بھی کرتا رہے تاکہ ان کے دلوں کے اندر نرمی پیدا ہو۔ اسی طرح فرد کا معاملہ ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کے اندر کوئی اچھائی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی کو حق کی دعوت دے رہے ہیں تو اس میں جو اچھائی ہے اس کا اعتراف کیجیے تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ اس کے خیر خواہ ہیں، آپ اس کی اچھائی کو پسند کرتے ہیں اور صرف اس کی غلطی کی اصلاح چاہتے ہیں۔ اس طرح اس کے دل میں کشادگی پیدا ہوگی اور وہ آپ کی بات سننے پر آمادہ ہوگا۔ فرمایا:

**آیت ۷۵** ﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾ ”اور اہل کتاب میں سے

ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھو دو ڈھیروں مال تو وہ تمہیں پورا پورا واپس لوٹا

دیں گے۔“



یعنی ان میں امانت دار لوگ بھی موجود ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِيَدِنَا لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾ ”اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے

پاس ایک دینار بھی امانت رکھو اور وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے“

﴿إِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَائِمًا﴾ ”مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔“

اگر تم ایسے شخص کے سر پر سوار ہو جاؤ اور اس کو ادائیگی پر مجبور کر دو تب تو وہ تمہاری امانت تمہیں واپس کر دے گا ورنہ نہیں۔ اہل کتاب میں سے اکثر کا کردار تو ایسا ہی ہے، لیکن ان میں سے جو تھوڑے بہت دیانت دار تھے ان کی اچھائی کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ بالفعل اس قسم کے کردار کے حامل لوگ اُس وقت عیسائیوں میں تو موجود تھے جبکہ یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھے، لیکن اس جملے میں ”اہل کتاب“ کے عنوان سے ان کا ذکر مشترک طور پر کر دیا گیا۔ البتہ آگے خاص طور پر یہود کا تذکرہ ہے کہ ان میں بددیانتی بے ایمانی اور خیانت کیوں آگئی ہے۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ ”یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان

اُمیّین کے معاملے میں ہم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔“

یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے، لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے ”تالمود“ کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے ”اُمّ الکتاب“ ہے، جبکہ ان کی ساری شریعت، قوانین و ضوابط اور عبادات کی ساری تفصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ ایک یہودی کے لیے دوسرے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے، لیکن کسی غیر یہودی سے جھوٹ بولنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح ایک یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اور ناجائز ہے، لیکن کسی غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو دھوکہ، فریب اور بددیانتی سے ہڑپ کر سب جائز ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے جبکہ غیر یہودی ان کے نزدیک انسان ہی نہیں۔ غیر یہودیوں کو وہ انسان نما حیوان (Goyims & Gentiles) سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودیوں سے ہر قسم کا فائدہ اٹھالینا ان کا حق ہے، جیسا کہ گھوڑے کو تانگے اور بیل کو ہل کے اندر جوت لینا اس کے مالک کا حق ہے۔ یہودیوں کے اس فلسفے پر امریکہ میں ایک مووی بھی بنائی گئی ہے: ”The Other Side of Israel“ یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اور اس میں انہوں نے یہودیوں کی اپنی کتابوں کے حوالے سے ان کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔ (اب اسی عنوان سے کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔)

﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”اور وہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب

کر رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔“

آیت ۷۶ ﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ”کیوں نہیں! جو کوئی بھی

اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ کی روش اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ کو

اہل تقویٰ پسند ہیں۔“



**آیت ۷۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے

عہد اور اپنی قسموں کو فروخت کرتے ہیں حقیر سی قیمت پر“  
یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ہماری بات میں کچھ شک کر رہے ہیں تو اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں“

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ ”اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا“

﴿وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن“

﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ ”اور نہ ان کو پاک کرے گا“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہ مضمون بھی تقریباً پورا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں آچکا ہے۔

**آیت ۷۸** ﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمُ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ

الْكِتَابِ﴾ ”اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے“  
تا کہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔“

علماء یہود الفاظ کو ذرا سا ادھر سے ادھر مروڑ کر عبارت میں اپنی مرضی کے معنی پیدا کر لیتے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ یہود سے کہا گیا ”حِطَّةٌ“ کہو تو وہ ”حِنْطَةٌ“ کہنے لگے۔ یعنی بجائے یہ دعا کرنے کے کہ ”اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے“ انہوں نے کہنا شروع کر دیا ”ہمیں گےہوں دے“۔ اسی طرح جب انہیں تلقین کی گئی کہ تم کہو: ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ (ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی) تو انہوں نے کہا: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ (النساء: ۲۶) (ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا)۔ بالکل ایسا ہی معاملہ وہ تورات کو پڑھتے ہوئے بھی کرتے تھے۔ اور فتویٰ پوچھنے والے سائل کو اس کی مرضی کا فتویٰ دے کر اس سے رقم بٹور لیتے۔

﴿وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے

ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔“

ہم یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۹) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

جاننے بوجھتے۔“

**آیت ۷۹** ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ”کسی انسان کے شایان

شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے“

﴿ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے



بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر“

یہ اب نصرانیوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، انہیں کتاب دی، حکمت دی، نبوت دی، معجزات دیے۔ تو اب یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عیسیٰ ان سے کہتے کہ تم اللہ کے سوا مجھے اپنا معبود بنا لو!

﴿وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾﴾ ”بلکہ (وہ تو یہی دعوت دے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔“

کتاب الہی کی تعلیم و تعلم کا یہی تقاضا ہے۔ دین کا سیکھنا، سکھانا، قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور حدیث و فقہ کا درس و تدریس اس لیے ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اللہ والے بنایا جائے نہ یہ کہ اپنے بندے بنا کر اور ان سے نذرانے وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا﴾ ”اور نہ کبھی وہ تمہیں اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو رب بنا لو۔“

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو رب بنایا اور ان کے نام پر لات، منات اور عزی جیسی مورتیاں بنا لیں، جبکہ نصاریٰ نے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب بنا لیا۔

﴿يَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾﴾ ”تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟“

اللہ کا وہ بندہ جسے اللہ نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی ہو، کیا تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جبکہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو؟

## آیات ۸۱ تا ۹۱

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۖ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۗ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۗ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا ۚ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۗ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۗ وَمَنْ يَبْتَغِ



غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَتَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۗ خَلِدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُونَ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۗ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزَادُوا كُفْرًا لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ ۗ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَى بِهِ ۗ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۙ

۹  
۱۲

**آیت ۸۱** ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ اللہ نے تمام انبیاء سے ایک عہد لیا تھا کہ“  
﴿لَمَّا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ  
وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ ”جو کچھ بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس آئے کوئی اور رسول  
جو تصدیق کرتا ہو اُس کی جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے تو تمہیں لازماً اُس پر ایمان لانا ہوگا اور  
اُس کی مدد کرنی ہوگی۔“

انبیاء و رسل کا یہ سلسلہ ایسے ہی چل رہا تھا کہ ہر نبی نے آئندہ آنے والے نبی کی پیشین گوئی کی اور اپنی  
امت کو اُس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی۔ اس لحاظ سے یہ آیت بھی ختم نبوت کے بارے میں بہت بڑی دلیل  
ہے۔ یعنی حضور ﷺ سے پہلے تو ہر نبی سے یہ عہد لیا گیا لیکن آپ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا گیا اور نہ ہی آپ نے  
اپنی امت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی بلکہ اس کے برعکس  
قرآن میں صراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے بھی  
واضح فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارت دے  
کر گئے تھے اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں بھی ایسی بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برنباس کا تو کوئی صفحہ خالی نہیں ہے  
جس میں آنحضور ﷺ کی آمد کی بشارت نہ ہو لیکن باقی انجیلوں میں سے یہ بشارتیں نکال دی گئی ہیں۔

﴿قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي﴾ ”اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا ہے اور

اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری قبول کر لی ہے؟“

﴿قَالُوا أَقْرَرْنَا﴾ ”انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔“

انبیاء و رسل سے یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا۔ جس طرح تمام ارواح انسانیہ سے ”عہد الست“ لیا گیا تھا  
﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں  
نہیں!“ اسی طرح جنہیں نبوت سے سرفراز ہونا تھا ان کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے یہ اضافی عہد لیا کہ میں تمہیں



نبی بنا کر بھیجوں گا، تم اپنی امت کو یہ ہدایت کر کے جانا کہ تمہارے بعد جو نبی بھی آئے اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد اور نصرت کرنا۔

﴿قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ﴿۸۱﴾ ”اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا اب تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“

آیت ۸۲ ﴿فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ﴿۸۲﴾ ”تو جس نے بھی منہ موڑ لیا اس کے بعد تو یقیناً وہی لوگ سرکش (اور ناہنجار) ہیں۔“

آیت ۸۳ ﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ﴾ ”تو کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟“  
﴿وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ ﴿۸۴﴾ ”جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے، چاہے خوشی سے اور چاہے مجبوراً اور اسی کی طرف ان سب کو لوٹا دیا جائے گا۔“

آیت ۸۴ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا﴾ ”کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر“  
یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔  
﴿وَمَا اُنزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَباطِ﴾ ”اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر“

﴿وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”اور جو بھی موسیٰ، عیسیٰ اور تمام انبیاء کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے۔“

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ﴿۸۴﴾ ”ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔“

آیت ۸۵ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔“

﴿وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ﴿۸۵﴾ ”اور پھر آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔“

آیت ۸۶ ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ ”کیسے ہدایت دے گا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟“

یعنی ان کے دل ایمان لے آئے تھے ان پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی، لیکن دنیوی مصلحتیں آڑے آگئیں اور زبان سے انکار کر دیا۔ جیسے سورۃ النمل میں ہم پڑھیں گے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (آیت ۱۴) ”انہوں نے ظلم اور تکبر کے مارے ان معجزات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کے قائل



ہو چکے تھے۔

﴿وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ﴾ ”اور انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول حق ہیں“

اہل کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخر الزمان (ﷺ) ہیں اور ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشینگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابو حارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آ رہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ”تَعِسَ الْأَبْعَدُ“ (ہلاک ہو جائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جا رہے ہیں)۔ اس کا اشارہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابو حارثہ نے کہا ”بَلْ تَعِسَتْ أُمَّكَ“ (بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابو حارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً وہ وہی نبی امی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابو حارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام و مرتبہ عطا کر رکھا ہے، اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ یہ لوگ سلطنتِ روما کے تحت تھے اور انہیں مصر کی حکومت کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں، انہیں مال و دولت اور عزت و وجاہت حاصل تھی۔ ابھی یہ لوگ محمد عربی ﷺ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے تو یہ حال تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کئی روز گزارنے کے بعد مباہلہ سے راہ فرار اختیار کر کے واپس جاتے ہوئے انہیں کس قدر یقین حاصل ہو گیا ہوگا کہ یہی وہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے وہ منتظر تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی کیفیت کا ذکر ہے کہ ان کے دل گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق (ﷺ) ہیں۔

﴿وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ”اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔“

﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

**آیت ۸۷** ﴿أُولَئِكَ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔“

**آیت ۸۸** ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اسی (لعنت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ ”ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی

جائے گی اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ملے گی۔“

یہ الفاظ بھی سورۃ البقرۃ (آیات ۱۶۱-۱۶۲) میں آچکے ہیں۔

**آیت ۸۹** ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾ ”سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ

کر لیں اور اصلاح کر لیں“

یعنی سچے دل سے ایمان لا کر عمل صالح کی روش پر گامزن ہو جائیں۔



﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ﴿۸۹﴾ ”تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے۔

**آیت ۹۰** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوا كُفْرًا﴾ ”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

اپنے ایمان کے بعد پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے“

یعنی حق کو پہچان لینے کے بعد چاہے زبان سے مانا ہو یا نہ مانا ہو پھر اگر وہ کفر کرتے ہیں یا زبان سے ماننے

کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں اور پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

﴿لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ ”ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔“

﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ ﴿۹۰﴾ ”اور وہ تو یقیناً گمراہوں میں سے ہیں۔“

**آیت ۹۱** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اسی

حال میں کہ وہ کافر تھے“

﴿فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ﴾ ”تو ان میں سے کسی سے

زمین کی مقدار کے برابر سونا بھی فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ پیش کر سکے۔“

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے، ناممکن ہے، لیکن یہ بات سمجھانے کے لیے کہ وہاں پر کوئی فدیہ نہیں ہے فرمایا کہ اگر

ان میں سے کوئی زمین کے حجم کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہے گا تو نہیں چھوٹ سکے گا۔ یہ وہی بات ہے جو

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸ اور آیت ۱۲۳ میں فرمائی گئی کہ اُس دن کسی سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

﴿وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہے“

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ﴾ ﴿۹۱﴾ ”اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے۔“

## آیات ۹۲ تا ۱۰۱

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَبْتُمْ ۗ وَمَا يُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۗ كُلُّ  
الطَّعَامِ كَانَ حِلاَّبِيْنِي اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ  
التَّوْرَةُ ۗ قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالتَّوْرَةِ فَاَتَلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۗ فَمِنْ اَقْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ  
الْكٰذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ  
حَنِيفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۗ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبْرَكًا  
وَهَدٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۗ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۗ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى  
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفِيْرٌ عَنِ



الْعَلِيِّنَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ أَمِنَ تَبَعُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

**آیت ۹۲** ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۗ﴾ ”تم ہرگز نہیں پہنچ سکتے نیکی کے مقام کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہے۔“

آیۃ البر (البقرہ: ۱۷۷) کے ضمن میں اس آیت کا حوالہ بھی آیا تھا کہ نیکی کے مظاہر میں سب سے بڑی اور سب سے مقدم شے انسانی ہمدردی ہے اور انسانی ہمدردی میں اپنا وہ مال خرچ کرنا مطلوب ہے جو خود اپنے آپ کو محبوب ہو۔ ایسا مال جو رڈی ہو دل سے اتر گیا ہو بوسیدہ ہو گیا ہو اگر وہ کسی کو دے کر سمجھا جائے کہ ہم نے حاتم طائی کی قبر پر لات مار دی ہے تو یہ بجائے خود حماقت ہے۔

﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۙ﴾ ”اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔“

**آیت ۹۳** ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ ”کھانے کی ساری چیزیں (جو شریعت محمدیٰ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں“

﴿إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۗ﴾ ”سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حرام ٹھہرا لیا تھا اپنی جان پر اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔“ یہودی شریعت محمدیٰ پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں جو شریعت موسویٰ میں حرام تھیں۔ مثلاً ان کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام تھا، لیکن شریعت محمدیٰ میں یہ حرام نہیں ہے۔ اگر یہ بھی آسمانی شریعت ہے تو یہ تغیر کیسے ہو گیا؟ یہاں اس کی حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے طبعی کراہت یا کسی مرض کے باعث بعض چیزیں اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوا رواج کی دلجوئی کی خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۗ﴾ (التحریم: ۱) ”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کیوں حرام ٹھہرا رہے ہیں (اپنے اوپر) وہ شے جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے؟ آپ چاہتے ہیں اپنی بیویوں کی رضا جوئی!“ حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے بعد میں ان چیزوں کو حرام سمجھ لیا، چنانچہ یہ چیز ان کے ہاں رواج کے طور پر حرام چلی آ رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چیزوں



کی حرمت تورات میں نازل نہیں ہوئی۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو اسلام نے حلال کی ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں سوائے اُن چیزوں کے کہ جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذاتی ناپسند کے باعث اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا اور یہ بات تورات کے نزول سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ میں اور نزول تورات میں چار پانچ سو سال کا فصل ہے۔

﴿قُلْ فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾﴾ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے) کہیے لاؤ

تورات اور اس کو پڑھو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔“

تورات کے اندر تو کہیں بھی اونٹ کے گوشت کی حرمت مذکور نہیں ہے۔

آیت ۹۳ ﴿فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۳﴾﴾ ”پس جو

لوگ اس کے بعد بھی اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہیں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔“

آیت ۹۵ ﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ﴿۹۵﴾﴾ ”کہہ دیجیے اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے“

﴿فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴿۹۶﴾﴾ ”پس پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی جو یکسو تھی (یا یکسو ہو کر!)“

”حَنِيفًا“ ابراہیم کا حال ہے۔ اگر اسے ”اتَّبِعُوا“ کا حال (بمعنی حَنِيفِيْنَ) مانا جائے تو دوسرا ترجمہ

یوں ہوگا کہ یکسو ہو کر بعد کی تمام تقسیمات سے بلند تر ہو کر ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو!

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾﴾ ”اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔“

آیت ۹۶ ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ﴿۹۶﴾﴾ ”یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ

کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے“

”بَكَّةَ“ اور ”مَكَّةَ“ درحقیقت ایک ہی لفظ کے لیے دو تلفظ (pronunciations) ہیں۔

﴿مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾﴾ ”برکت والا ہے اور ہدایت کا مرکز ہے تمام جہان والوں

کے لیے۔“

آیت ۹۷ ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ﴿۹۷﴾﴾ ”اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں جیسے مقامِ ابراہیم۔“

سورۃ البقرۃ کے نصفِ اول کے آخری چار رکوعوں (۱۶، ۱۷، ۱۸) میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور

خانہ کعبہ کا ذکر ہے پھر باقی گفتگو ہے۔ یہاں سورۃ آل عمران کے نصفِ اول کے تیسرے حصے میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا تذکرہ آخر میں آیا ہے۔ گویا مضامین وہی ہیں ترتیب بدل گئی ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ﴿۹۷﴾﴾ ”اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آ جاتا ہے۔“

جاہلیت کے بدترین دور میں بھی بیت اللہ امن کا گہوارہ تھا۔ پورے عرب کے اندر خونریزی ہوتی تھی، لیکن

حرم کعبہ میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ حرم کی یہ روایات ہمیشہ سے

رہی ہیں اور آج تک یہ اللہ کے فضل و کرم سے دارالامن ہے کہ وہاں پر امن ہی امن ہے۔



﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط﴾ ” اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔“

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾﴾ ” اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔“

نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ”کفر“ آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ گویا کفر کرتا ہے۔

اگلی آیات میں اہل کتاب کو بڑے تیکھے اور جھنجھوڑنے کے انداز میں مخاطب کیا جا رہا ہے جیسے کسی پرنگا ہیں گاڑ کر اس سے بات کی جائے۔

**آیت ۹۸** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ﴿۹۸﴾﴾ ” کہہ دیجیے اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہو؟“

﴿وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾﴾ ” جبکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

**آیت ۹۹** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ آمَنَ ﴿۹۹﴾﴾ ” کہہ دیجیے اے کتاب والو! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستے سے اُس کو جو ایمان لے آتا ہے“

﴿تَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾ ” تم اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو“

تم چاہتے ہو کہ جو اہل ایمان ہیں وہ بھی ٹیڑھے راستے پر چلیں۔ چنانچہ تم سازشیں کرتے ہو کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں بھی وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔

﴿وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ط﴾ ” حالانکہ تم خود گواہ ہو!“

تم راہِ راست کو پہچانتے ہو اور جو کچھ کر رہے ہو جانتے ہو جھتے کر رہے ہو۔

﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾﴾ ” اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔“

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے:

**آیت ۱۰۰** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ” اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لو گے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی حالت میں لوٹا کر لے جائیں گے۔“

**آیت ۱۰۱** ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ط﴾ ” اور (ذرا سوچو

تو سہی) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اُس کا رسول موجود ہے۔“

تمہارے درمیان جناب محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہیں اور تمہیں اللہ



تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ میں علماء یہود کا کتنا اثر تھا۔ اوس اور خزرج کے لوگ ان سے مرعوب تھے کیونکہ یہ ان پڑھ لوگ تھے ان کے پاس کوئی کتاب، کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں تھا، جبکہ یہود صاحب کتاب اور صاحب شریعت تھے ان کے ہاں علماء تھے۔ لہذا اوس اور خزرج کے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہود کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس قسم کے خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی گئی:

﴿وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اُس کو تو ہدایت ہوگئی صراطِ مستقیم کی طرف۔“

جو کوئی اللہ کی پناہ میں آجائے اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے اُسے تو ضرور صراطِ مستقیم کی ہدایت ملے گی اور وہ ضلالت و گمراہی کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ جیسے شیر خوار بچے کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ دوڑ کر آئے گا اور اپنی ماں کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مضبوط قلعہ میں آ گیا ہوں، اب مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ نہیں جانتا کہ ماں بے چاری تمام خطرات سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اسے کیا پتا کہ کب کوئی درندہ صفت انسان اسے ماں کی گود سے کھینچ کر اچھالے اور کسی بلم یا نیزے کی آنی میں پرو دے۔ بہر حال بچہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں ماں کی گود میں آ گیا ہوں تو محفوظ پناہ میں آ گیا ہوں۔ بہر حال اللہ کا دامن واقعتاً محفوظ پناہ گاہ ہے اور جو کوئی اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے وہ گمراہی کی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جادہ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ!!

## آیات ۱۰۲ تا ۱۰۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيَاتِنَا أَنْ تَبْيَضُّ وُجُوهَكُمْ فَمَا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ أبيضتْ وُجُوهُهُمْ فَقَدْ رَحِمَهُ اللَّهُ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾



اب سورہ آل عمران کا نصف ثانی شروع ہو رہا ہے جس کا پہلا حصہ دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ مشابہت بھی نوٹ کر لی ہوگی کہ سورہ البقرہ کے نصف اول میں بھی ایک مرتبہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے خطاب تھا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾ اسی طرح سورہ آل عمران کے نصف اول میں بھی ایک آیت آچکی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿۱۰۲﴾﴾ لیکن مسلمانوں سے اصل خطاب گیارہویں رکوع سے شروع ہو رہا ہے اور یہاں پر اصل میں اُمت کو ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمت اب قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ قیامت تک اس نے ہر طرح کے نشیب و فراز سے گزرنا ہے۔ اس میں زوال بھی آئے گا اور اللہ تعالیٰ اولوالعزم اور باہمت لوگوں کو بھی پیدا کرے گا جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مجددین اُمت ہر صدی کے اندر اٹھتے رہے۔ لیکن جب بھی تجدید دین کا کوئی کام ہو دین کو از سر نو تروتازہ کرنے کی کوشش ہو دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہو تو اُس کا ایک لائحہ عمل ہوگا۔ وہ لائحہ عمل سورہ آل عمران کی ان تین آیات (۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴) میں نہایت جامعیت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ایسی ہی تین جامع آیات سورہ العصر کی بھی ہیں۔ ان آیات کے مضامین پر میری ایک کتاب بھی موجود ہے ”اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل“ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس لائحہ عمل کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو سب سے پہلے افراد کی شخصیت سازی، کردار سازی کرنا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:

**آیت ۱۰۲** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا

کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے“

﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی

حالت میں۔“

قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہؓ گھبرا گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورہ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (آیت ۱۶) ”اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو“ تب ان کی جان میں جان آئی۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ”مت مرنا مگر حالت فرمانبرداری میں“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتا نہیں کس لمحے موت آجائے لہذا تمہارا کوئی لمحہ نا فرمانی میں نہ گزرنے پائے مبادا موت کا ہاتھ اُسی وقت آکر تمہیں دبوچ لے۔ واضح رہے کہ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے مرحلے کے طور پر یہاں افراد کی کردار سازی پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعی اختیار کرو۔

**آیت ۱۰۳** ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو لہلہ جل



کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

یاد رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۰ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے: ﴿وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (۱) اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے چمٹ جائے (اللہ کی حفاظت میں آجائے) اُس کو تو ہدایت ہوگئی صراطِ مستقیم کی طرف۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَأَعْتَصِمُوا بِاللَّهِ﴾ اور اللہ سے چمٹ جاؤ! اب غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی حفاظت میں کیسے آیا جائے؟ اور یہ کہ اللہ سے چمٹنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت ان الفاظ میں ہے: ﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ﴾ کہ اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسی کون سی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ”قرآن“ ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو اور دوسری طرف قرآن کے نظریات اور قرآن کی حکمت کا فہم۔ ظاہر ہے انسانوں میں اجتماعیت جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں ہو سکتی کہ بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ ہے اور ایک چرواہا ایک لکڑی لے کر سب کو ہانک رہا ہے۔ انسانوں کو جمع کرنا ہے تو ان کے ذہن ایک جیسے بنانے ہوں گے ان کی سوچ ایک بنانی ہوگی۔ انسان حیوانِ عاقل ہے شعور رکھتا ہے۔ چنانچہ مختلف انسانوں کی اجتماعیت تبھی ممکن ہے جب ان کی سوچ ایک ہو ان کے نظریات اور مقاصد ایک ہوں۔ اس کے لیے وہ چیز چاہیے جو ان میں یک رنگی خیال، یک رنگی نظر اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کر دے اور وہ چیز قرآن ہے جو ”حبل اللہ“ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينِ)) (۱) ”اور وہ اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللَّهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)) (۲) ”اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا) یہی وہ مضبوط رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تہی ہوئی ہے۔“ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((أَبْشِرُوا وَأَبْشِرُوا..... فَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ، طَرَفُهُ بِيَدِ اللَّهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ)) (۳) ”خوش ہو جاؤ خوشیاں مناؤ..... یہ قرآن ایک واسطہ ہے جس کا ایک سر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سر تمہارے ہاتھ میں ہے۔“ چنانچہ قرآن تقرب الی اللہ کا وسیلہ بھی ہے اور مسلمانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری (تنظیم اسلامی کی) دعوت و تحریک کی فکر کا منبع و سرچشمہ اور مبنی و مدار قرآن ہے بلکہ ہماری دعوت کا تو عنوان ہی ”دعوت رجوع الی القرآن“ ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی الحمد للہ اسی کام میں کھپائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کا سلسلہ قائم ہوا۔ ان اکیڈمیز میں ”ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس“ برہا برس سے جاری ہے۔ اس کورس میں جدید

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(۲) سنن الترمذی، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب اهل بیت النبی ﷺ۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب فضائل القرآن، باب فی التمسک بالقرآن۔



تعلیم یافتہ لوگ داخلہ لیتے ہیں جو ایم اے ایم ایس سی ہوتے ہیں، بعض پی ایچ ڈی کر چکے ہوتے ہیں ڈاکٹر اور انجینئر بھی آتے ہیں۔ اس کورس میں ایک سال لگا کر یہ لوگ بنیادی طور پر عربی سیکھتے ہیں تاکہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے جب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوگی تو تبھی آپ دین کے درست رخ پر آگے چل سکیں گے۔ تو ان آیات میں دوسرا نکتہ یہ بتایا گیا کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً﴾ ”اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم

ایک دوسرے کے دشمن تھے“

﴿فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ﴾ ”تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر اُلفت پیدا کر دی“

﴿فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ ”پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔“

یہاں اولین مخاطب انصار ہیں۔ ان کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج وہ آپس میں لڑتے آرہے تھے۔ سو برس سے خاندانی دشمنیاں چلی آرہی تھیں اور قتل کے بعد قتل کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب اسلام آگیا اللہ کی کتاب آگئی، محمد رسول اللہ ﷺ آگئے اور دلوں میں ایمان آگیا تو اب وہ شیر و شکر ہو گئے، ان کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی وجہ سے پورے عرب کے اندر غارت گری کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ نے اسے دارالامن بنا دیا۔

﴿وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ”اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے“

(بس اس میں گرنے ہی والے تھے)

﴿فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ ”تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔“

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات

واضح کر رہا ہے تاکہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔“

گزشتہ دو آیات میں اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے دو نکتے بیان ہوئے ہیں، یعنی سب سے پہلے افراد کے کردار کی تعمیر کرنا، انہیں تقویٰ اور فرمانبرداری جیسے اوصاف سے متصف کرنا — اور پھر ان کو ایک جمعیت، تنظیم یا جماعت کی صورت میں قرآن کے معنوی محور کے گرد منظم کرنا، جو جبل اللہ ہے۔ بقول علامہ اقبال: مع اعتصامش کن کہ جبل اللہ اوست! (اس کو مضبوطی سے تھامو کہ یہی جبل اللہ ہے!) ایسی جماعت سازی کا فطری طریقہ ہم اسی سورت کی آیت ۵۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ داعی بن کر کھڑا ہو اور ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ کی آواز لگائے کہ میں تو اللہ کے راستے پر چل رہا ہوں اب کون ہے جو میرے ساتھ اس راستے پر آتا ہے اور اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟ ایسی جمعیت جب وجود میں آئے گی تو وہ کیا کرے گی؟ اس ضمن میں راہنمائی اگلی آیت میں فراہم کی گئی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ



«الْمُنْكَرِ ط» اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔“

اس آیت میں اس جماعت کے کرنے کے تین کام بتائے گئے ہیں، جن میں اولین دعوت الی الخیر ہے اور اس ضمن میں یہ نکتہ واضح رہے کہ سب سے بڑا خیر خود یہ قرآن ہے۔

یہاں لفظ ”مِنْكُمْ“ بڑا معنی خیز ہے کہ تم میں سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہیے۔ گویا ایک تو بڑی اُمت ہے اُمتِ مسلمہ، وہ تو کروڑوں نفوس پر مشتمل ہے، ان میں سے اکثر خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں، اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں اور دین سے دور ہیں۔ لہذا اس اُمت کے اندر ایک چھوٹی اُمت یعنی ایک جماعت وجود میں آئے جو ”جاگو اور جگاؤ“ کا فریضہ سرانجام دے۔ یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جاگنے کی توفیق دے دی ہے، وہ اب اوروں کو جگائیں، ایک منظم جماعت بنائیں اور غلبہ دین کی تحریک کے لیے طاقت فراہم کریں۔

﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۳﴾﴾ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

یعنی وہ بڑی اُمت جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے وہ اگر یہ کام نہیں کرتی اور اس کے باوجود فلاح اور نجات کی اُمید رکھتی ہے تو یہ ایک اُمید موہوم ہے۔ فلاح پانے والے صرف یہ لوگ ہوں گے جو یہ تین کام کریں گے: (i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف (iii) نہی عن المنکر۔ میں نے ”منہج انقلابِ نبوی“ کے مراحل و مدارج کے ضمن میں بھی یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام بھی ”نہی عن المنکر بالید“ کی صورت میں ہوگا۔ اس کی سند اس حدیث سے ملتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أضعفُ الإیمان)) (۱)

”تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ اسے زور بازو سے روک دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے۔ پھر اگر اس کی بھی ہمت نہیں ہے تو دل میں برائی سے نفرت ضرور رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

اگر دل میں نفرت بھی ختم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ متاعِ ایمان رخصت ہوگئی ہے۔ بقولِ اقبال:۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

لیکن اگر دل میں نفرت موجود ہے تو پھر اگلا قدم بھی اٹھاؤ۔ یعنی زبان سے کہنا شروع کرو کہ بھائی یہ چیز غلط ہے، اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے، یہ کام مت کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک منظم جماعت بنانے کی کوشش کرتے رہو۔ افرادی قوت کو مجتمع کرو اور جب خاطر خواہ حد تک طاقت جمع ہو جائے تو پھر کھڑے ہو جاؤ کہ اب ہم یہ غلط کام

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان



نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ہے ”نہی عن المنکر بالید“ کی ممکنہ صورت یعنی طاقت کے ساتھ برائی کو روکنے کا ایک طریقہ۔ اور یہ ہوگا انقلاب کی جدوجہد کا آخری مرحلہ۔

تو ان تین آیات کے اندر اسلامی انقلاب کا پورا لائحہ عمل موجود ہے، بلکہ اسی میں منہج انقلاب نبویؐ کا جو آخری اقدامی عمل ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔

**آیت ۱۰۵** ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف پیدا کر لیے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آگئی تھیں۔“

﴿وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور ان ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

**آیت ۱۰۶** ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ ”(قیامت کے دن) جس دن بعض چہرے بڑے روشن اور تابناک ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔“

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ﴾ ”تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا

جائے گا)“

﴿أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ”کیا تم اپنے ایمان کے بعد کفر میں لوٹ گئے تھے؟“

ہدایت کے آنے کے بعد تم لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور تم نے جبل اللہ کو چھوڑ دیا تھا؟

﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ ”تو اب عذاب کا مزہ چکھو اس کفر کے باعث جو

تم کرتے رہے تھے۔“

**آیت ۱۰۷** ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ ”اور جن کے چہرے روشن اور

تابناک ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔“

﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

**آیت ۱۰۸** ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا

رہے ہیں حق کے ساتھ۔“

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ تو جہان والوں کے لیے ظلم کا ارادہ

نہیں رکھتا۔“

لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں، خود غلط راستے پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی سزا انہیں دنیا اور آخرت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

**آیت ۱۰۹** ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں



ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ تَرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے

جائیں گے۔“

قرآن حکیم میں اہم مباحث کے بعد اکثر اس طرح کی آیات آتی ہیں۔ یہ گویا concluding remarks

ہوتے ہیں۔

## آیات ۱۱۰ تا ۱۲۰

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ  
 بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۗ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝  
 لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۗ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُؤَلُّوكمُ الْأَدْبَارَ ۗ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ  
 الدِّيلَةَ أَيُّهَا تَقْفُوا إِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَبِأَعْوَابِ غَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ  
 عَلَيْهِمُ السَّكَنَةَ ۗ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ۗ ذَلِكَ  
 بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسَ أَسْوَأَ ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ  
 آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ  
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۗ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ  
 يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا  
 أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي  
 هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتَهُ ۗ  
 وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ  
 دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمُ خَبْرًا ۗ وَذُومًا مَا عِنْتُمْ ۗ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَقْوَامِهِمْ ۗ وَمَا تُخْفِي  
 صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَآئِنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا  
 يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۗ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا ۗ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ  
 الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۗ قُلْ مُؤْتُوا بَعْضِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنْ تَمَسَّكُمْ  
 حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ ۗ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۗ وَإِنْ تُصِبرُوا وَتَتَّقُوا لَا يُضْرَكُمْ كَيْدُهُمْ  
 شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝



**آیت ۱۱۱** ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ”تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے“

یہاں اُمت مسلمہ کی غرض تائیس بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ پوری اُمت مسلمہ اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔ لیکن بد قسمتی سے آج اُمت مسلمہ اپنا مقصد حیات بھول چکی ہے۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ امت میں سے جو لوگ جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگا کر ”اُمت کے اندر ایک اُمت“ (Ummah within Ummah) بنانے اور مذکورہ بالا تین کام سرانجام دینے کی کوشش کریں۔

قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۳ میں اُمت مسلمہ کا فرض منہی بایں الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط﴾ ”اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔“ سورۃ آل عمران کی آیت زیر مطالعہ اسی کے ہم وزن اور ہم پلہ آیت ہے۔ فرمایا: ”تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔“ دنیا کی دیگر قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اپنی ترقی، اپنی بہتری، اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت و عظمت ہوتی ہے، لیکن تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے:۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

گویا ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے اور جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔ تو اے مسلمانو! تمہیں جینا ہے لوگوں کے لیے جبکہ لوگ جیتے ہیں اپنے لیے۔

﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”تم حکم کرتے ہو نیکی کا“

﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور تم روکتے ہو بدی سے“

﴿وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط﴾ ”اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔“

ظاہر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو پوری اُمت مسلمہ کی یہ کیفیت تھی۔ چنانچہ امت میں سے ایک جماعت وجود میں لانے کا حکم (آیت ۱۰۴) اُس وقت کے لیے ہے جب اُمت اپنے مقصد وجود کو بھول گئی ہو۔ یعنی ایسے حالات میں جن کو ہوش آجائے وہ دوسروں کو جگائیں اور اس طرح ایک جمعیت فراہم کریں۔

﴿وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ط﴾ ”اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان

کے حق میں بہتر تھا۔“

﴿مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں“

اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اُس وقت تک ایمان لا چکے تھے اور وہ بھی جن کے اندر بالقوہ (potentially) ایمان موجود تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔



﴿وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ﴿۱۱۰﴾ ”لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔“

ایسا ہی معاملہ آج امت مسلمہ کا بھی ہو چکا ہے۔ آج امت کی اکثریت کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

**آیت ۱۱۱** ﴿لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى﴾ ﴿۱۱۱﴾ ”(اے مسلمانو!) یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے تھوڑی سی کوفت کے۔“

یہ تمہارے خلاف تھوڑی بہت زبان درازی ضرور کرتے رہیں گے اور اس طرح تمہارے لیے کوفت کا سب بنتے رہیں گے، لیکن بالفعل تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

﴿وَأَنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ﴾ ﴿۱۱۲﴾ ”اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا دیں گے۔“

اب ان میں تمہارے مقابلے کی جرأت نہیں ہے یہ بزدل ہیں، تمہارے مقابلے میں آئیں گے بھی تو ٹھہر نہیں پائیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا يَنْصَرُونَ﴾ ﴿۱۱۳﴾ ”پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔“

یہ ایسے بے بس ہوں گے کہ ان کو ہمیں سے مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

**آیت ۱۱۲** ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَفُؤُوا﴾ ﴿۱۱۲﴾ ”ان کے اوپر ذلت تھوپ دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں“

﴿إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ﴾ ﴿۱۱۳﴾ ”سوائے یہ کہ (انہیں کسی وقت) اللہ کا کوئی سہارا

حاصل ہو جائے یا لوگوں کی طرف سے کوئی سہارا مل جائے“

جیسے آج پوری عیسائی دنیا یہودیوں کا سہارا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل اپنے بل پر نہیں، بلکہ عیسائی دنیا کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ساری جنگ ہم نے اسرائیل کے تحفظ کے لیے لڑی ہے۔ گویا اس قدر خونریزی سے صرف اسرائیل کا تحفظ پیش نظر تھا۔

﴿وَبَاءٌ وَبِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ﴾ ﴿۱۱۴﴾ ”اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے“

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ ﴿۱۱۵﴾ ”اور ان کے اوپر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔“

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ ﴿۱۱۶﴾ ”یہ اس لیے ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار

کرتے رہے“

﴿وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ﴾ ﴿۱۱۷﴾ ”اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے۔“

﴿ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ ﴿۱۱۸﴾ ”اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش

اختیار کی اور حدود سے تجاوز کرتے رہے۔“

یاد رہے کہ یہ آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ (آیت ۶۱)

**آیت ۱۱۳** ﴿لَيْسُوا سَوَاءً﴾ ﴿۱۱۳﴾ ”یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔“



ان میں اچھے بھی ہیں برے بھی ہیں۔

﴿مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ (آیت ۱۱۳) ”اہل

کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خاص طور پر عیسائی راہبوں کی ایک کثیر تعداد اس کردار کی حامل تھی۔ ان ہی میں سے ایک بحیرہ راہب بھی تھا جس نے آنحضرت ﷺ کو بچپن میں ہی پہچان لیا تھا۔ دوسری طرف یہود میں اُس وقت صرف اکاڈ کا لوگ اس طرح کے باقی تھے جبکہ مجموعی طور پر ان میں یہ کردار ختم ہو چکا تھا۔

﴿يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخر پر“

﴿وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے

روکتے ہیں“

﴿وَيَسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾ ”اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

﴿وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور یقیناً یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔“

﴿وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ﴾ ”جو خیر بھی یہ کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی

جائے گی۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ ”اور اللہ ایسے متقی لوگوں سے خوب واقف ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ ”(اس کے

برعکس) جو لوگ کفر پر اڑ گئے ان کے کام نہیں آسکیں گے نہ ان کے اموال نہ ان کی اولاد اللہ سے بچانے میں کچھ بھی۔“

﴿وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ ”یہی لوگ جہنمی ہیں۔“

﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ

کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے“

قریش مکہ اہل ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو اس کے لیے وہ مال بھی خرچ کرتے تھے۔ ظاہر ہے اگر فوج تیار کرنی ہے تو اس کے لیے سواریاں بھی درکار ہوں گی اور سامانِ حرب و ضرب کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور اس سب کچھ کی فراہمی کے لیے مال خرچ کرنا ہوگا۔ یہ کفار و مشرکین کے اس انفاقِ مال کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ دنیا کی زندگی میں یا تو اسلام کی مخالفت کے لیے یا اپنے جی کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے خرچ



کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔ تو ان کے اس انفاق کی مثال ایسی ہے:

﴿كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ﴾ ”کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا ہو“

﴿أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكْتَهُ﴾ ”وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آ پڑے جس

نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دے۔“

یعنی ان کی یہ نیکیاں یہ انفاق یہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کا سب بالکل ضائع ہو جانے والا ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ

اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔“

**آیت ۱۱۸** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ﴾ ”اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو

اپنا رازدار نہ بناؤ“

یعنی جس شخص کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ صاحبِ ایمان ہے، مسلمان ہے، اس کے علاوہ کسی اور شخص

کو اپنا بھیدی اور محرمِ راز نہ بناؤ۔ یہودی ایک عرصے سے مدینہ میں رہتے تھے اور اس و خزرج کے لوگوں کی ان

سے دوستیاں تھیں پرانے تعلقات اور روابط تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات سادہ لوح مسلمان اپنی سادگی میں

راز کی باتیں بھی انہیں بتا دیتے تھے۔ اس سے انہیں روکا گیا۔

﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾ ”وہ تمہارے لیے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔“

﴿وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ﴾ ”انہیں پسند ہے وہ چیز جو تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈالے۔“

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ ”ان کی دشمنی ان کے منہ سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔“

ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ اپنی زبانوں

سے آتش برساتے رہتے ہیں۔

﴿وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ ”اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی

بڑھ کر ہے۔“

جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے، ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ

بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر دیا

ہے اگر تم عقل سے کام لو۔“

یعنی اپنے طرزِ عمل پر غور کرو اور اس سے باز آ جاؤ!

**آیت ۱۱۹** ﴿هَآئِنَّمْ أَوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ﴾ ”یہ تم ہی ہو کہ ان کو دوست رکھتے ہو“

یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا



چاہتے ہو۔

﴿وَلَا يُحِبُّونَكُمْ﴾ ”لیکن (جان لو کہ) وہ تو تم سے محبت نہیں کرتے“

وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

﴿وَتَوْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ﴾ ”حالانکہ (تمہاری شان یہ ہے کہ) تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔“

تم تورات کو بھی مانتے ہو، انجیل کو بھی مانتے ہو۔ سورۃ النساء میں تورات اور انجیل کے لیے نَصِيًّا مِّنَ الْكِتَابِ کے الفاظ آئے ہیں: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا نَصِيًّا مِّنَ الْكِتَابِ.....﴾ (آیت ۴۴) ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا.....“ چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کی اس قدیم کتاب ”اُمُّ الْكِتَابِ“ ہی کے حصے ہیں۔ اسی ”اُمُّ الْكِتَابِ“ میں سے پہلے تورات آئی، پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآن مجید آیا ہے جو ہدایت کاملہ پر مشتمل ہے۔ تو اے مسلمانو! تم تو پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو۔

﴿وَإِذَا لَقُّوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا﴾ ”اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مومن ہیں۔“

﴿وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَيْكُمْ إِلَّا نَمِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ ”اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو تم پر

غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔“

جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں اور اسلام کا معاملہ مسلسل آگے سے آگے بڑھتا

جا رہا ہے تو وہ غصے میں بیچ و تاب کھاتے ہیں اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

﴿قُلْ مَوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ ”ان سے کہو مر جاؤ اپنے اس غم و غصہ میں۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمحل ہے اس سے

بھی واقف ہے۔“

**آیت ۱۲۰** ﴿إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ ”(اے مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو وہ

ان کو بری لگتی ہے۔“

اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہو جائے، کہیں فتح نصیب ہو جائے تو اس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔

﴿وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا﴾ ”اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔“

اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے، کہیں عارضی طور پر شکست ہو جائے، جیسے اُحد میں ہو گئی تھی، تو وہ بڑے خوش

ہوتے ہیں، شادیاں بجاتے ہیں۔

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ ”لیکن اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی

روش اختیار کیے رہو تو ان کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔“

سورۃ البقرۃ میں صبر اور صلوة سے مدد لینے کی تلقین کی گئی تھی، یہاں صلوة کی جگہ لفظ تقویٰ آ گیا ہے کہ اگر تم

یہ کرتے رہو گے تو پھر بالآخر ان کی ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔



﴿ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴾ ﴿۱۳۰﴾ ”جو کچھ یہ کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کیے

ہوئے ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے دائرے سے اور اس کی طے کردہ حد سے آگے نہیں نکل سکتے۔ ان کی ساری اُچھل کود اور سازشیں اسی حد کے اندر رہیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ضمانت دے رہا ہے کہ یہ لوگ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

## آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَبَّتْ  
طَائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّهَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ  
نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ  
يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَ اللَّهُ بِكُمُ الرِّبَا ثَلَاثَةَ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۗ بَلَىٰ ۗ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا  
وَيَأْتوكُمْ مِنَ قُدْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّلْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۴﴾ وَمَا  
جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ  
الْحَكِيمِ ﴿۱۲۵﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْتَسِبُهُمْ فَيُنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۲۶﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ  
الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۷﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي  
الْأَرْضِ ۗ يَغْفِر لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾

۱۳

یہاں سے سورہ آل عمران کے نصف ثانی کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے جو چھ رکوعات پر محیط ہے۔ یہ چھ رکوع مسلسل غزوہ احد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل ہیں۔ غزوہ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے رمضان ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آچکا تھا جس کا تذکرہ ہم سورہ الانفال میں پڑھیں گے۔ اس لیے کہ ترتیب مصحف نہ تو ترتیب زمانی کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی ترتیب نزولی کے مطابق۔ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت زبردست فتح عطا فرمائی تھی جبکہ کفار مکہ کو اس غزوہ میں بڑی زک پہنچی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) سربر آوردہ لوگ مارے گئے تھے جن میں قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ بلکہ مکہ کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی فرد غزوہ بدر میں نہ مارا گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اہل مکہ کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور ان کے انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر انہوں نے پوری تیاری کی اور تمام ساز و سامان جو وہ جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ ابو جہل غزوہ بدر میں مارا جا چکا تھا اور اب قریش کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان تھے۔ (ابوسفیان چونکہ بعد میں



ایمان لے آئے تھے اور صحابیت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے تھے لہذا ہم ان کا نام احترام سے لیتے ہیں۔) ابوسفیان تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اہل مکہ اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے اس دفعہ اپنے بچوں اور خاص طور پر خواتین کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی غیرت اس احساس سے بیدار رہے کہ اگر کہیں میدان سے ان کے قدم اکھڑ گئے تو ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ (وہ بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں۔) غزوہ بدر میں ہندہ کا باپ بھائی اور چچا مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکے تھے لہذا اُس کے سینے کے اندر بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا رجحان اس طرف تھا کہ اس صورت حال میں ہم اگر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں تو بہتر رہے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن وہ لوگ جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے اور وہ جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں کی طرف سے خصوصی جوش و خروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں میدان میں نکل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے، ہمیں تو شہادت درکار ہے، ہمیں آخر موت سے کیا ڈر ہے؟

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن  
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرمادیا کہ دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل احد کی جانب کوچ فرمایا، لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں جو کھوں میں کیوں ڈالیں؟ تین سو منافقین کے چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر میں صرف سات سو افراد باقی رہ گئے تھے جن میں کمزور ایمان والے بھی تھے۔ چنانچہ دامن احد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈگمگائے اور انہوں نے واپس لوٹنا چاہا، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا اور ان کے قدم جمادیے۔

اس کے بعد جنگ ہوئی تو اللہ کی طرف سے مدد آئی۔ اللہ نے لشکر اسلام کو فتح دے دی اور مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا تھا اور اس کے دامن میں صف بندی کی تھی۔ سامنے دشمن کا لشکر تھا۔ پہاڑ میں ایک درّہ تھا اور حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ اگر اس درّے سے دشمن نے حملہ کر دیا تو ہم دو طرف سے گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جائیں گے۔ لہذا آپ ﷺ نے اس درّہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پچاس تیر انداز تعینات فرمادیے تھے اور انہیں تاکید فرمائی تھی یہاں سے مت ہلنا۔ چاہے تم دیکھو کہ ہم سب مارے گئے ہیں اور ہمارا گوشت چیلیں اور کوئے نوح رہے ہیں تب بھی یہ جگہ مت چھوڑنا! لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو درّے پر مامور حضرات میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ رسول



اللہ ﷺ نے ہمیں جو اتنی تاکید فرمائی تھی وہ تو شکست کی صورت میں تھی اب تو فتح ہو گئی ہے لہذا اب ہمیں بھی چل کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں باقی سب لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ وہاں کے لوکل کمانڈر تھے وہ انہیں منع کرتے رہے کہ یہاں سے ہرگز مت ہٹو رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد رکھو۔ لیکن وہ تو حضور ﷺ کے حکم کی تاویل کر چکے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ۳۵ افراد درزہ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف ۱۵ باقی رہ گئے۔ خالد بن ولید (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مشرکین کی گھڑ سوار فوج (cavalry) کے کمانڈر تھے۔ ان کی عقابی نگاہ نے دیکھ لیا کہ مسلمان لشکر کے عقب میں درہ خالی ہے۔ ان کی پیدل فوج (infantry) شکست کھا چکی تھی اور میدان میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے دو سو گھڑ سواروں کے دستے کے ساتھ اُحد پہاڑ کا چکر کاٹ کر اس درے کے راستے مسلمانوں کی پشت سے ان پر حملہ آور ہو گئے۔ درے میں مسلمانوں کے صرف پندرہ تیر انداز باقی تھے ان کے لیے دو سو گھڑ سواروں کی یلغار کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مزاحمت کرتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملے سے یلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ چنانچہ جنگ کے اس مرحلے میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی زخمی ہو گئے۔ خود کی کڑیاں آپ کے رخسار میں گھس گئیں اور دو دندان مبارک بھی شہید ہو گئے۔ خون اتنا بہا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اسی اثناء میں یہ بھی مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن بعد میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پکارا تو لوگ ہمت کر کے جمع ہوئے۔ تب آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت پہاڑ پر چڑھ کر بچاؤ کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ تمام مسلمانوں کو لے کر وہ اُحد پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور خالد بن ولید کے مابین اختلاف رائے ہو گیا۔ خالد بن ولید کا کہنا تھا کہ ہمیں ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنا چاہیے اور انہیں ختم کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان بڑے حقیقت پسند اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، مسلمان اونچائی پر ہیں وہ اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور تیر برسائیں گے تو ہمارے لیے شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے یہی بہت ہے۔ اس لیے اب ہمیں واپسی کی راہ لینی چاہیے۔ چنانچہ مشرکین وہاں سے واپس چلے گئے۔ ان آیات کے مطالعہ سے قبل غزوہ اُحد کے سلسلہ واقعات کا یہ اجمالی خاکہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

**آیت ۱۲۱** ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یاد

کیجیے جبکہ صبح کو آپ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کر رہے تھے۔“ یہ غزوہ اُحد کی صبح حضور ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے باہر تشریف لانے اور جنگ کے میدان میں پہنچ کر مسلمانوں کی صف بندی کرنے کا ذکر ہے کہ آپ ایک ایک مورچے پر خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور کر رہے تھے۔

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”جبکہ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

**آیت ۱۲۲** ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۗ﴾ ”جبکہ تم میں سے دو گروہ بزوری دکھانے پر آمادہ



ہو گئے تھے“

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ ”حالانکہ اللہ ان کا پشت پناہ تھا۔“

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔“

جنگ کے آغاز سے پہلے انصار کے دو گھرانوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم وقتی طور پر ڈمگائے گئے تھے بر بنائے طبع بشری ان کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات عطا فرمایا اور ان کے قدموں کو جمادیا۔ پھر ان کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا۔ وہ لوگ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿مِنْكُمْ﴾ اور ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ کے الفاظ میں کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تین سو منافقین جو میدان جنگ سے چلے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں تھے کہ ان کا براہ راست ذکر کیا جاتا۔ البتہ ان آیات کے آخر میں ان کا ذکر بالواسطہ طور پر (indirectly) آئے گا۔

**آیت ۱۲۳** ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ ”اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔“

غزوہ بدر میں ایک ہزار مشرکین کے مقابلے میں اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے جبکہ ان سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں، بلکہ پورے لشکر میں کل آٹھ تلواریں تھیں۔ کفار مکہ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ لے کر آئے تھے اور ادھر صرف دو گھوڑے تھے۔ ادھر سات سواونٹ تھے اور ادھر ستر اونٹ تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود اللہ کی مدد سے مسلمان ان پر غالب آ گئے۔

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ﴾ ”تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم اللہ کا (صحیح معنی میں)

شکر ادا کر سکو۔“

**آیت ۱۲۴** ﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمَدِّدَ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

مُنزِلِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) جب آپ کہہ رہے تھے اہل ایمان سے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں

ہے کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اترنے والے ہوں گے؟“

یعنی اے مسلمانو! اگر مقابلے میں تین ہزار کا لشکر آ گیا ہے تو کیا غم ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو آسمان سے تین ہزار فرشتے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اس خوشخبری کو جو ایک طرح سے گویا استدعا بھی تھی فوری طور پر شرف قبولیت عطا فرمایا اور اس کی منظوری کا اعلان فرما دیا۔

**آیت ۱۲۵** ﴿بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا﴾ ”کیوں نہیں (اے مسلمانو!) اگر

تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر رہو گے اور اگر وہ فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں“

﴿يُمَدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ ”تو تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا



پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔“

**آیت ۱۳۶** ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ﴾ ”اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت“

﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ﴾ ”اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔“

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ ”ورنہ مدد تو ہونی ہی اللہ کی طرف سے

ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔“

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے طور پر تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تمہیں بتا دیا گیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے، وہ ”کُنْ فَيَكُونُ“ کی شان رکھتا ہے۔ تمہیں یہ بشارت تمہاری طبع بشری کے حوالے سے دی گئی ہے کہ اگر تین ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہو تو تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے اتر آئیں گے، اور اگر وہ فوری طور پر حملہ آور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے بھیج دے گا۔

**آیت ۱۳۷** ﴿لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کافروں

کا ایک بازو کاٹ دے“

﴿أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ﴾ ”یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائیں۔“

ان آیات کے مطالعہ کے دوران یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں غزوہ اُحد کے حالات و واقعات کا ذکر اور ان پر تبصرہ زمانی ترتیب سے نہیں ہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا اپنے گھر سے نکل کر میدان جنگ میں مورچہ بندی کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے پہلے کے حالات کے بارے میں بتایا گیا کہ جب خبریں پہنچی ہوں گی کہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی خوشخبری دی ہوگی۔ اب اس جنگ کے دوران مسلمانوں سے جو کچھ خطائیں اور غلطیاں ہوئیں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ خود آنحضرت ﷺ سے بھی خطا کا ایک معاملہ ہوا، اس پر بھی گرفت ہے، بلکہ سب سے پہلے اسی معاملے کو لیا جا رہا ہے۔ جب آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر جب ہوش آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

((كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالْدَمِ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ))<sup>(۱)</sup>

”یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف

بلارہا تھا!“

تلوار کا وارز آنحضرت ﷺ کے رخسار کی ہڈی پر پڑا تھا اور اس سے آپ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ زخم سے یکدم خون کا فوارہ چھوٹ پڑا جس سے آپ ﷺ کا پورا چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا اور خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ ہوش میں آئے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، ومسند احمد: ۱۲۷۲۵۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔



ادا ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ.....﴾ اے نبی ﷺ اس معاملے میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، آپ کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کے فیصلے ہم کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا انداز دیکھئے کہ جس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ ہزیمت اٹھانا پڑی، یعنی خالد ابن ولید اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کی زبان مبارک سے اسے ”سَيْفٌ مِنْ سَيْوفِ اللَّهِ“ (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا خطاب دلوادیا۔

**آیت ۱۲۸** ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (اے نبی ﷺ!) اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں

﴿أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ﴾ ”اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے“

یہ اللہ کے اختیار میں ہے، وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا، وہ ایمان لے آئیں گے، یا اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا۔

﴿فَانَّهُمْ ظَلْمُونَ﴾ ”اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔“

ان کے ظالم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لہذا وہ سزا کے حق دار تو ہو چکے ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ دیکھئے یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ چند سال پہلے طائف میں رسول اللہ ﷺ سے جس طرح بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا وہ آپ کی زندگی کا شدید ترین دن تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یہ ملک الجبال حاضر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے، آپ فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین واوی کے اندر یہ شہر طائف آباد ہے، تاکہ یہ سب پس جائیں، ان کا سرمہ بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بر بنائے طبع بشری زبان مبارک سے وہ جملہ نکل گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ ظاہر ہے:۔

الْعَبْدُ عَبْدٌ وَإِنْ تَرَفَّى وَالرَّبُّ رَبٌّ وَإِنْ تَنَزَّلُ

”بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے، اور رب رب ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرمائے!“

**آیت ۱۲۹** ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔“

﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

عذاب دیتا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”اور اللہ غفور و رحیم ہے۔“

## آیات ۱۳۰ تا ۱۳۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبٰوَا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝



وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۗ  
 وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ ۙ أُعِدَّتْ  
 لِلْمُتَّقِينَ ۗ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِبِينَ الْغِيظِ وَالْعَافِينَ عَنِ  
 النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْحَسَنِينَ ۗ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا  
 اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَن يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا  
 وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۗ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتِ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۗ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي  
 الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۗ هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى  
 وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۗ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنْتُم مُّؤْمِنِينَ ۗ إِن  
 يَمَسُّكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوِلَهَا بَيْنَ النَّاسِ ۗ  
 وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمُ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۗ  
 وَلِيَمَجِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ الْكَافِرِينَ ۗ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا  
 يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُم وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۗ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن  
 قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۗ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۗ

۴  
۵

**آیت ۱۳۰** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ﴾ ”اے اہل ایمان! سود مت

کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا“

یہاں پر سود مرکب (compound interest) کا ذکر آیا ہے جو بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ واضح رہے کہ شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے سورۃ الروم (مکی سورت) میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت اور شناعیت کو واضح کر دیا گیا: ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبَا لِيَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (۳۹) ”اور جو کچھ تم دیتے ہو سود پر تا کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں تو اللہ کے ہاں اس میں کوئی بڑھوتری نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اور اس سے) اللہ کی رضا چاہتے ہو تو یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے ہاں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں“۔ جیسے کہ شراب اور جوئے کی خرابی کو ابتدائی طور پر سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں بیان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آیت زیر مطالعہ میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے روک دیا گیا۔ ہمارے ہاں آج کل بھی ایسے سود خور موجود ہیں جو بہت زیادہ شرح سود پر لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور ان کا خون چوس جاتے ہیں۔ تو یہاں اس سود کی مذمت آئی ہے۔ واضح رہے کہ سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ھ میں نازل ہوا، لیکن ترتیب مصحف میں وہ حکم سورۃ البقرۃ کے رکوع



۳۸ میں ہے۔ وہاں پر سود کو دو ٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سود خوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوہٴ احد کے حالات و واقعات کے درمیان سود خوری کی مذمت کیوں بیان ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دڑے پر مامور پچاس تیر اندازوں میں سے جو پینتیس لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کے تحت الشعور میں مالِ غنیمت کی کوئی طلب تھی، جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس حوالے سے سود خوری کی مذمت بیان کی گئی کہ یہ بھی انسان کے اندر مال و دولت سے ایسی محبت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کے کردار میں بڑے بڑے خلا پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ﴿۱۳۰﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

**آیت ۱۳۱** ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ ﴿۱۳۱﴾ ”اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

**آیت ۱۳۲** ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ﴿۱۳۲﴾ ”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

**آیت ۱۳۳** ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ ”اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کے حصول کے لیے اور اس جنت کو حاصل کرنے کے لیے جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین جتنا ہے“

﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ﴿۱۳۳﴾ ”وہ تیار کی گئی ہے (اور سنواری گئی ہے) اہل تقویٰ کے لیے۔“

**آیت ۱۳۴** ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ ”وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں کشادگی میں بھی اور تنگی میں بھی“

یہاں بھی تقابل ملاحظہ کیجیے کہ سود کے مقابلے میں انفاق کا ذکر ہوا ہے۔

﴿وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ ”اور وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔“

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿۱۳۴﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔“

یہ درجہ احسان ہے جو اسلام اور ایمان کے بعد کا درجہ ہے۔

**آیت ۱۳۵** ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ﴾ ”اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آجاتا ہے“



﴿فَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِهِمْ﴾ ”پس وہ اُس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔“  
 سورۃ النساء آیت ۷۱ میں اس حوالے سے خصوصی بشارت کا ذکر ہے کہ کسی مسلمان شخص سے اگر کوئی خطا ہو جائے اور وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ وہ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔  
 ﴿وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ”اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟“  
 ﴿وَلَكُمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾“ ”اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔“

یعنی ایسا نہیں کہ وہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں کہ موت آنے پر توبہ کر لیں گے۔ اُس وقت کی توبہ توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ توبہ تو یہ ہے کہ ایک مسلمان سے اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ ہوش آنے پر فوری اللہ کے حضور گڑ گڑائے، عزم مصمم کرے کہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا اور پوری پشیمانی کے ساتھ صمیم قلب سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسی توبہ کو قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔  
**آیت ۱۳۶** ﴿أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ﴾ ”یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کا بدلہ ہے ان کے رب کی طرف سے مغفرت“

﴿وَجَنَّتْ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اور وہ باغات کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“  
 ﴿وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ﴿۱۳۷﴾﴾ ”اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔“  
**آیت ۱۳۷** ﴿قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾ ”تم سے پہلے بھی بہت سے حالات و واقعات گزر چکے ہیں“

﴿فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”تو زمین میں گھومو پھرو“  
 ﴿فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ”اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!“  
 قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے تو وہ ان علاقوں سے ہو کر گزرتے تھے جہاں کبھی قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں آباد تھیں۔ اس حوالے سے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان قوموں کی آبادیوں کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔  
**آیت ۱۳۸** ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ”یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے حق میں۔“

**آیت ۱۳۹** ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ ”اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ“  
 ﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ”اور تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔“  
 اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب و سر بلند ہو گے



آخری فتح تمہاری ہوگی، بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔ یہ آیت ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ آج دنیا میں جو ہم ذلیل ہیں، غالب و سر بلند نہیں ہیں، تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے، ہم حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ ہم جس ایمان کے مدعی ہیں وہ محض ایک موروثی عقیدہ ہے، یقین قلبی اور conviction والا ایمان نہیں ہے۔ بہر حال اس آیت کی رو سے یہ ممکن نہیں کہ اُمت کے اندر حقیقی ایمان موجود ہو اور پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو۔

**آیت ۱۴۰** ﴿إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ﴾ ”اگر تمہیں اب چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ایسا ہی چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔“

غزوہٴ اُحد میں ستر صحابہؓ شہید ہو گئے تھے۔ ان میں حضرت حمزہؓ اور مصعب بن عمیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ بلکہ انصار کا تو کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کا کوئی فرد شہید نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان جب مدینہ واپس آئے تو ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس وقت تک میت پر بین کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ عورتیں مریضے کہہ رہی تھیں، بین کر رہی تھیں، ماتم کر رہی تھیں۔ صورت حال اس قدر رقت آمیز تھی کہ خود آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے: لِكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَّأَكِي لَهَا! (۱) ”ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والیاں بھی نہیں ہیں!“ ظاہر ہے حضرت حمزہؓ تو مہاجر تھے، مدینہ میں ان کی کوئی رشتہ دار خواتین نہیں تھیں۔ انصار کے گھرانوں کی تمام خواتین اپنے اپنے مقتولوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے مذکورہ الفاظ سننے کے بعد انصار نے اپنے گھروں سے خواتین کو بھیجا کہ وہ جا کر حضرت حمزہؓ کی ہمیشہ حضرت صفیہؓ کے ساتھ تعزیت کریں۔ بہر حال دکھ تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی بہت پہنچا تھا۔ آخر آپ کے سینے کے اندر ایک حساس دل تھا، پتھر کا کوئی ٹکڑا تو نہیں تھا۔ اس پس منظر میں یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرما رہا ہے کہ تم لوگ اس دکھ پر اتنے غمگین اور دل گرفتہ نہ ہو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو اس جیسا چرکا اس سے پہلے تمہارے دشمن کو بھی لگ چکا ہے۔ ایک سال پہلے ان کے بھی ستر افراد مارے گئے تھے۔

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ”یہ تو دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں الٹ پھیر کرتے

رہتے ہیں۔“

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کو ہم ایک سی کیفیت میں نہیں رکھتے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون لوگ حقیقتاً مؤمن ہیں“

اگر امتحان اور آزمائش نہ آئے، تکلیف نہ آئے، قربانی نہ دینی پڑے، کوئی زک نہ پہنچے تو کیسے پتا چلے کہ حقیقی مؤمن کون ہے؟ امتحان و آزمائش ہی سے تو پتا چلتا ہے کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی البكاء علی المیت۔ ومسند احمد: ۵۵ و ۵۶۳۳۔ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔



آزمائش و ابتلاء کے ذریعے ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس نے اپنا سب کچھ لگا دیا؟ کس نے صبر کیا؟ کون ثابت قدم رہا اور کون الٹے پاؤں پھر گیا؟

﴿وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ﴾ ”اور وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو مقام شہادت عطا کرے۔“

انہیں اپنی گواہی کے لیے قبول کر لے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کفار کی مدد کی ہے اور ان کو پسند کیا ہے (معاذ اللہ!)

**آیت ۱۴۱** ﴿وَلِيَمِّحَّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ﴾ ”اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ اللہ اہل

ایمان کو بالکل پاک صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔“

اس موقع پر دراصل مسلمانوں میں سے خاص طور پر ان لوگوں کی آزمائش مطلوب تھی جو ابھی تازہ تازہ

ایمان لائے تھے ان میں کچھ پختہ ایمان والے تھے کچھ کمزور ایمان والے تھے اور کچھ منافق بھی تھے۔ اللہ نے

چاہا کہ کمزور ایمان والے بھی پوری طرح پختہ ہو جائیں اور اگر کوئی منافق ہے تو وہ اہل ایمان سے کٹ جائے

تاکہ بحیثیت مجموعی جماعتی قوت کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس جنگ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہاری صفوں میں

گڈ مڈ ہو جانے والے لوگوں کی تمحیص کر دی ہے یعنی ان سب کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے عبد اللہ

بن ابی اور اس کے تین سوسا تھیوں کے نفاق کا پردہ اسی آزمائش سے چاک ہوا ہے ورنہ ان کی اصلیت مسلمانوں

پر کیسے ظاہر ہوتی؟ ”بحث و تمحیص“ کی ترکیب ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحث کا معنی ہے کریدنا اور

تمحیص بمعنی الگ الگ کرنا۔

**آیت ۱۴۲** ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ ”کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے“

﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ﴾ ”حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا

ہی نہیں ہے کہ تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر و استقامت کا

مظاہرہ کرنے والے ہیں۔“

گویا ع ”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں!“ ابھی تو تمہارے لیے اس راستے میں کڑی سے کڑی منزلیں

آنے والی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مضمون ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ

زیر مطالعہ آیت کا نمبر ۱۴۲ ہے یعنی ہند سے وہی ہیں صرف ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

**آیت ۱۴۳** ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ﴾ ”اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے

اس سے پہلے کہ اُس سے ملاقات ہوتی۔“

﴿فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ”سو اب تم نے اسے دیکھ لیا ہے اپنی آنکھوں سے۔“

یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو نئے نئے ایمان لائے تھے اور ان میں سے خاص طور پر



نوجوانوں نے کہا تھا کہ ہمیں تو شہادت چاہیے اور یہ کہ ہم کھلے میدان میں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ ان کے جذبات پر تھوڑا سا تبصرہ ہو رہا ہے کہ اُس وقت تو جوشِ قتال اور ذوقِ شہادت کا اظہار ہو رہا تھا اب تم نے موت دیکھ لی ہے نا! تو یہ ہے موت جسے انسان اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔

## آیات ۱۴۲ تا ۱۴۸

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّوَجَّلًا ۝ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۝ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۝ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَأَيُّنَ مِمَّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِيثُونَ كَثِيرٌ ۝ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۝ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۝ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْحَسِنِينَ ۝

**آیت ۱۴۲** ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ ”محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔“ غزوہٴ احد کے دوران جب یہ افواہ اڑ گئی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو بعض لوگ بہت دل گرفتہ ہو گئے کہ اب ہم کس لیے جنگ کریں؟ یہ کیفیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی طاری ہو گئی۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر تلوار پھینک دی اور دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گئے کہ اب ہم نے جنگ کر کے کیا لینا ہے! یہاں اس طرزِ عمل پر گرفت ہو رہی ہے کہ تمہارا یہ رویہ غلط تھا۔ محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں وہ معبود تو نہیں ہیں۔ تم ان کے لیے جہاد نہیں کر رہے بلکہ تم اللہ کے لیے لڑ رہے ہو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنے جان و مال قربان کر رہے ہو۔ محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ”ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔“

﴿أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ ”تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ قتل

کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟“

کیا اس صورت میں تم اُلٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے؟ کیا یہی تمہارے دین اور ایمان کی

حقیقت ہے؟

﴿وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا﴾ ”اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ

جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔“



﴿وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ”ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ جذباتی انسان تھے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ گئے۔ اس سے ملتی جلتی کیفیت آپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت بھی طاری ہو گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر سن کر آپ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو کہے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے میں اُس کا سر اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ”ثانی اسلام و عار و بدر و قبر“ اُس وقت مدینہ کے مضافات میں تھے۔ خبر سن کر آپ آئے اور سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر چادر تھی آپ نے چادر ہٹائی اور جھک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو دیے۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی اب دوبارہ آپ پر موت وارد نہیں ہوگی اب تو آپ کو حیات جاودانی حاصل ہو چکی ہے۔ اس کے بعد آپ باہر آئے اور لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ آپ کو سامنے پا کر حضرت عمر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ”جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی۔“ اس کے بعد آپ نے سورہ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔ ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔“ اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ آیت سن کر لوگوں کو ایسے محسوس ہوا جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔ (۱)

**آیت ۱۳۵** ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر سکے مگر اللہ کے حکم سے“

﴿كِتَابًا مُّوجَّلاً ۗ﴾ ”(ہر ایک کی موت کا) وقت مقرر رکھا ہوا ہے۔“

اجل معین کے ساتھ ہر ایک کا وقت طے ہے۔ لہذا انسان کی بہترین محافظ خود اس کی موت ہے۔ چنانچہ کسی انسان کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی اس کے لیے موت نہیں لاسکتا۔

﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۗ﴾ ”جو کوئی دنیا کا اجر و ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، و کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد

الموت اذا ادرج فی کفنه، و کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذاً خلیلاً۔



سے دے دیتے ہیں۔“

﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ ”اور جو واقعاً آخرت کا اجر چاہتا ہے ہم اسے اس میں

سے دیں گے۔“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۰-۲۰۲ میں احکام حج کے حوالے سے آچکا ہے۔

﴿وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ﴾ ”اور شکر کرنے والوں کو ہم بھرپور جزا دیں گے۔“

**آیت ۱۳۶** ﴿وَكَايِنٍ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ﴾ ”کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے

ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔“

اے مسلمانو! تمہارے ساتھ جو یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ کوئی پہلا واقعہ تو نہیں ہے۔ اللہ کے بہت سے نبی

ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سارے اللہ والوں نے اللہ کے ماننے اور چاہنے والوں نے اللہ کے

دیوانوں اور متوالوں نے اللہ کے غلاموں اور عاشقوں نے اللہ کے دشمنوں سے جنگیں کی ہیں۔ ”رَبِّي“ اور

”رَبَائِي“ کا لفظ آج بھی یہودیوں کے ہاں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”تو اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیفیں ان پر آئیں اس

پر انہوں نے ہمت نہیں ہاری“

﴿وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا﴾ ”اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی (باطل کے آگے)

سرنگوں ہوئے۔“

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے۔“

تو اے مسلمانو! تم بھی ایسا ہی کردار اپناؤ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

**آیت ۱۳۷** ﴿وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا﴾ ”اور ان کا تو

ہر مرحلے پر یہی قول ہوتا تھا کہ وہ دعا کرتے تھے کہ اے رب ہمارے! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور

اگر ہم سے اپنے کسی معاملے میں حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اسے معاف فرمادے“

﴿وَوَثِّبْتَ أقدامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور ہمارے قدموں کو جمادے اور

ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔“

حضرت طاہوت کے ساتھیوں کی بھی یہی دعا تھی اور سورۃ البقرۃ کے اختتام پر آنے والی دعا کے الفاظ بھی

یہی ہیں: ﴿فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾۔

**آیت ۱۳۸** ﴿فَاتِلَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ ”تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا

کا ثواب بھی عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کا بھی بہت ہی عمدہ حصہ عطا کیا۔“



انہیں دنیا کی سر بلندی اور فتوحات سے بھی نوازا اور آخرت کا بہترین اجر بھی عطا فرمایا۔  
 ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند کرتا ہے۔“

## آیات ۱۴۹ تا ۱۵۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرَدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِسِرِينَ ﴿١٤٩﴾  
 بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا  
 بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ ۖ وَمَا بِهِمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ  
 اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسَبُونَهُم بِأَذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمُورِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّن بَعْدَ  
 مَا آرَأَيْتُمْ مَا تَحِبُّونَ ۖ مِّنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ  
 عَنْهُمْ لِيَنبِتْلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٢﴾ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا  
 تَكُونُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا  
 فَاتَكُمْ وَلَا مَا آصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً  
 نَّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ  
 الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۖ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۖ يُخْفُونَ فِي  
 أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۖ مَا قُتِلْنَا هَهُنَا ۖ قُلْ لَوْ  
 كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي  
 صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا  
 مِنْكُمْ يَوْمَ التَّغْيِ الْجَمْعِ ۖ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ  
 عَنْهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

۱۶  
ع

**آیت ۱۴۹** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرَدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ ”اے اہل  
 ایمان! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے  
 بل واپس لے جائیں گے“

﴿فَتَنْقَلِبُوا خِسِرِينَ﴾ ”پھر تم بالکل نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔“

**آیت ۱۵۰** ﴿بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔“



تمہیں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تمہارا مولیٰ مددگار پشت پناہ ساتھی اور حمایتی اللہ ہے۔

﴿وَهُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ﴾ (۱۵) ”اور وہی ہے جو سب سے اچھا مددگار ہے۔“

**آیت ۱۵** ﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ”ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے“

﴿بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ ”اس سبب سے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں اُس نے کوئی سند نہیں اتاری۔“

﴿وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَيُسَّ مَثْوَى الظَّالِمِينَ﴾ (۱۶) ”اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ان ظالموں کے لیے۔“

اس آیت میں دراصل توجیہ بیان ہو رہی ہے کہ غزوہٴ احد میں واضح برتری حاصل کر لینے کے بعد مشرکین واپس کیوں چلے گئے تھے۔ خصوصاً ایسی صورت حال میں جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لینا پڑی تھی۔ اُس وقت خالد بن ولید بضد تھے کہ ہمیں مسلمانوں کا تعاقب کرنا چاہیے اور انہیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن ہوا یوں کہ اُس وقت ابوسفیان کے دل میں اللہ نے رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ لشکر کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ورنہ مسلمانوں کے لیے اُس وقت صورتِ حال واقعتاً بہت مخدوش ہو چکی تھی۔

**آیت ۱۵۲** ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُونَهُمْ بِأَذْنِهِ﴾ ”اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔“

غزوہٴ احد میں مسلمانوں کو جو زک پہنچی تھی اس کی وجہ سے ان کے دل شدید زخمی تھے۔ اس ضمن میں اب یہ آیت ایک قولِ فیصل کے انداز میں آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے، ہم نے تم سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہو گیا تھا جب تم انہیں ہمارے حکم سے گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ رہے تھے۔ اس وقت تمہیں مکمل فتح حاصل ہو گئی تھی۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا فَسِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ”یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا۔“

فَسِلْتُمْ کا ترجمہ بعض مترجمین نے کچھ اور بھی کیا ہے، لیکن میرے نزدیک یہاں اس سے مراد نظم (ڈسپلن) کو ڈھیلا کرنا ہے۔ اسلامی نظم جماعت میں سمع و طاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، لیکن ظاہر ہے کہ سمع و طاعت کے نظام میں صرف ایک امیر کی اطاعت ہی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اوپر سے لے کر نیچے تک سپہ سالار سے لے کر لوکل کمانڈر تک درجہ بدرجہ نظامِ سمع و طاعت کی پابندی ضروری ہے۔ جیسے فوج کا ایک سپہ سالار ہے پھر اس کے تحت میسرہ، میمنہ، قلب، ہراول دستہ، غرض ہر یونٹ کا ایک کمانڈر ہے۔ اب اگر ان کمانڈروں کے ماتحت لوگ ان کے



احکام سے سرتابی کریں گے تو ایسی فوج کا کیا انجام ہوگا؟ چنانچہ ایک جماعت کے اندر درجہ بدرجہ جو بھی نظامِ سمیع و طاعت ہے اس جماعت کے ارکان کے لیے اُس کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔ اس لیے درے میں متعین تیر اندازوں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض تھی اور آپ ﷺ کے مقرر کردہ امیر (کمانڈر) کی اطاعت بھی فرض تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي)) (۱)

”جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے نامزد کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔“

یہاں پر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ درہ چھوڑنے والے تیر اندازوں نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ان کے خیال کے مطابق حضور ﷺ کا یہ حکم شکست کی صورت میں تھا کہ اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوئے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا۔ چنانچہ جب فتح ہو گئی تو انہوں نے نیک نیتی سے یہ سمجھا کہ اب وہاں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے جانتے بوجھتے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے مقامی امیر (لوکل کمانڈر) کے حکم کی بہر حال خلاف ورزی کی تھی اور میرے نزدیک یہاں ”عَصَيْتُمْ“ سے یہی حکم عدولی مراد ہے۔

﴿وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا آرَأَكُمْ مَّا تُحِبُّونَ﴾ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھی جو تمہیں محبوب ہے۔“

﴿عَصَيْتُمْ﴾ کے بارے میں اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں بلکہ لوکل کمانڈر کی نافرمانی ہے۔ ﴿مِّنْ بَعْدِ مَا آرَأَكُمْ مَّا تُحِبُّونَ﴾ سے اکثر مفسرین نے مالِ غنیمت مراد لیا ہے کہ درے پر مامور حضرات مالِ غنیمت کی طلب میں اپنی جگہ چھوڑ آئے تھے، لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون تو غزوہ بدر کے بعد سورۃ الانفال میں نازل ہو چکا تھا۔ اس قانون کی رو سے اگر کوئی شخص کچھ بھی جمع نہ کرتا تب بھی اسے اس کے حصے کا مالِ غنیمت مل جاتا۔ چنانچہ یہاں ﴿مِّنْ بَعْدِ مَا آرَأَكُمْ مَّا تُحِبُّونَ﴾ سے مراد دراصل ”فتح“ ہے اور اس کے لیے ”القرآن یفسر بعضہ بعضًا“ کی رو سے سورۃ الصف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَإِخْوَارِی تُحِبُّونَهَا نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحًا قَرِيبًا﴾ (آیت ۱۳) ”اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت پسند ہے۔ اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح۔“ ظاہر ہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیۃ.....



بندہ مؤمن کو دنیا میں فتح و نصرت محبوب تو ہوتی ہے، لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا چاہیے، بلکہ دنیا میں اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا فیصلہ اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا﴾ ”تم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں“

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا میں فتح و نصرت اور کامیابی حاصل ہو جائے، ہمارا بول بالا ہو جائے، ہماری حکومت قائم ہو جائے۔

﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ ”اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں۔“

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ ”پھر اللہ نے تمہارا رخ پھیر دیا اُن کی طرف سے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔“

پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے اب معاملہ الٹا ہو گیا۔ اب تم پسپا ہو گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے ادھر ادھر جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تمہاری یہ پسپائی تمہارے لیے آزمائش تھی۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ ”اور اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔“

اس دوران تم میں سے جس کسی سے جو بھی خطا ہوئی اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

﴿وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل

والا ہے۔“

**آیت ۱۵۳** ﴿إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَى أَحَدٍ﴾ ”یاد کرو جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے (جان بچانے کے لیے) اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے“

﴿وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ﴾ ”اور رسول (ﷺ) تمہیں پکار رہے تھے تمہارے

پیچھے سے“

غزوہٴ احد میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے ایک دم بھگدڑی مچ گئی تھی۔ اس صورت حال میں بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھال بنا کر آنحضور ﷺ کی حفاظت کی۔ بہت سے لوگ اُس وقت سرا سیمہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے۔

﴿فَاتَابَكُمْ غَمًّا بِغَمِّ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ تم پر غم کے بعد غم مسلسل ڈالتا رہا“

﴿لَكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ﴾ ”تاکہ (آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق

ملے کہ) تم غمگین نہ ہو اور اُس موقع پر کہ جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر کہ جو تم

پر آ پڑے۔“



یعنی مع ”رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج!“ آدمی کو اگر کبھی کبھار رنج و غم کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن جب پے در پے رنج و غم اٹھانے پڑیں تو غم کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دامن احد میں مسلمانوں کو پے در پے تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ اس دوران سب سے بڑا رنج جو پیش آیا وہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر تھی، جس پر کسی کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا کہ خود اس کو کیا زخم لگا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس وقت مسلمانوں کو پے در پے رنج و غم سے دوچار کر کے ان کی تکلیف میں ایک طرح سے تخفیف کی کیفیت پیدا کر دی۔

﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ، بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ”اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کر رہے تھے۔“

**آیت ۱۵۳** ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً﴾ ”پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اطمینان نازل فرمایا“

﴿نُعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنْكُمْ﴾ ”یعنی وہ نیند جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہو گئی“

نیند انسان کے لیے اطمینانِ قلب کا مظہر ہوتی ہے نیند کی حالت میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر عین حالت جنگ میں نیند کی کیفیت پیدا کر دی جو اللہ کی رحمت خاص کا مظہر تھی۔

﴿وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ ”اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی“

﴿يُظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ”وہ اللہ کے بارے میں ناحق جہالت والے گمان کر رہے تھے۔“

عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سوسا تھی تو راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی جماعت میں کچھ منافقین باقی رہ گئے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ اُس وقت انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ایسی کیفیت میں انہیں اونگھ کیسے آتی؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کے دلوں میں وسوسے آرہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ وعدہ پورا نہیں ہوا، اللہ کی بات سچی ثابت نہیں ہوئی۔ اس طرح ان کے دل و دماغ میں خلاف حقیقت جاہلانہ گمان پیدا ہو رہے تھے۔

﴿يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی اختیار میں کوئی

حصہ ہے یا نہیں؟“

یہ غالباً وہ لوگ تھے جنہوں نے مشورہ دیا تھا (جیسے حضور ﷺ کی اپنی رائے بھی تھی) کہ مدینے کے اندر محصور رہ کر جنگ کی جائے۔ جب ان کے مشورے پر عمل نہ ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان معاملات میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے یا ساری بات محمد (ﷺ) ہی کی چلے گی؟ یہ وہ مسئلہ ہے جو وہ جماعتی زندگی کے اندر بار بار سراٹھاتا ہے۔ جماعت کے اندر دراصل ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات بھی مانی جائے، میری رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ آخر ہم اپنے امیر ہی کی رائے کیوں مانتے چلے جائیں؟ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں؟



﴿قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ ”کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔“  
 ﴿يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا  
 رہے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔“

ان کے دل میں کیا ہے؟ اب اللہ کھول کر بتا رہا ہے۔  
 ﴿يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَهُنَا﴾ ”یہ (اپنے دل میں) کہتے ہیں کہ اگر  
 اختیار میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔“

کہ اگر ہماری رائے مانی جاتی، ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو ہمارے اتنے لوگ یہاں پر قتل نہ ہوتے۔  
 ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ ”ان سے کہیے کہ اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں بھی ہوتے“  
 ﴿لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ﴾ ”تب بھی جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر تھا  
 وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔“

اللہ کی مشیت میں جن کے لیے طے تھا کہ انہیں شہادت کی خلعتِ فاخرہ پہنائی جائے گی وہ خود بخود اپنے  
 گھروں سے نکل آتے اور کشاں کشاں ان جگہوں پر پہنچ جاتے جہاں انہوں نے خلعتِ شہادت زیب تن کرنی  
 تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں تمہاری تدبیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَلِيَتْلَى اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ﴾ ”اور یہ (معاملہ جو پیش آیا) اس لیے تھا کہ اللہ اسے  
 آزمالے جو کچھ تمہارے سینوں میں تھا“

﴿وَلِيَمْحَصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ ”اور تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے جو کچھ تمہارے دلوں  
 میں ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔“  
**آیت ۱۵۵** ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ﴾ ”تم میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ  
 سے چلے گئے اُس دن جب دو گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے“

یہ ایسے مخلص حضرات کا تذکرہ ہے جو اچانک حملے کے بعد جنگ کی شدت سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے  
 لیے وقتی طور پر پیٹھ پھیر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کوہِ احد پر چڑھ گئے تھے اور کچھ اس سے ذرا آگے بڑھ کر  
 میدان ہی سے باہر چلے گئے تھے۔ ان میں بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی آتا ہے۔ دراصل یہ بھگدڑ مچ جانے  
 کے بعد ایسی اضطراری کیفیت تھی کہ اُس میں کسی سے بھی کسی ضعف اور کمزوری کا اظہار ہو جانا بالکل قرین قیاس  
 بات ہے۔

﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ ”اصل میں شیطان نے ان کے پاؤں پھسلا  
 دیے تھے ان کے بعض افعال کی وجہ سے۔“



چھوٹی موٹی تقصیر یا کوتاہی کا ہو جانا تو مخلص مسلمانوں سے بھی بعید نہیں۔ ایسا معاملہ ہر کسی کو پیش آ سکتا ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ بہر حال انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ کسی وقت وہ اڑنکا لگا کر کسی شخص کو پھسلادے خواہ وہ کتنا ہی نیک اور کتنا ہی صاحبِ رتبہ ہو۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ط﴾ ”اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض گمراہ فرقے اس بات کو اچھالتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا اعلان کر چکا ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کی موجودگی میں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس حوالے سے کسی صحابی پر زبانِ طعن دراز کرے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵۵﴾﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بردبار ہے۔“

## آیات ۱۵۶ تا ۱۸۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ  
كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ط وَاللَّهُ  
يُحْيِي وَيُمِيتُ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ  
اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ  
مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ  
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمْ مِّنْ  
بَعْدِهِ ط وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلَ ط وَمَنْ يُغْلِلْ يَأْتِ بِمَا  
غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمِنَ اتَّبَعِ رِضْوَانَ اللَّهِ  
كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهْ جَهَنَّمَ ط وَيُسَّ الْمِصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ  
بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا  
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۴﴾  
أَوَلَمْ آصَابِكُمْ مَّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا ۚ قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنفُسِكُمْ ط  
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّحِيٍّ الْجَمْعِ فِي إِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ  
الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا



قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمِيذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ  
 بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ الَّذِينَ قَالُوا لِأَخْوَانِهِمْ  
 وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَتَلُوا قُلُوبًا فَادْرَعُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ  
 وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ  
 فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ  
 إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا  
 يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ  
 لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ  
 جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ  
 رَبِّهِمْ إِلَى دِيَارِهِمْ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الْيَاقِينَ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ إِنَّمَا  
 ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَلَا  
 يَحْزَنكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ  
 حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا  
 اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُكَلِّمُهُمْ خَيْرٌ لَأَنْفُسِهِمْ  
 إِنَّمَا نُكَلِّمُهُمْ لِيُزِدُوا إِيمَانًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا  
 أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ  
 اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ  
 عَظِيمٌ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ  
 لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ خَيْرٌ

آیت ۱۵۶ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”اے اہل ایمان! تم ان لوگوں کی

مانند نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا“

﴿وَقَالُوا لِأَخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا



﴿قَاتِلُوا﴾ اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہو گیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔“ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شخص کی موت کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین ہے۔ لہذا وہ اگر ان کی گود میں بھی بیٹھے ہوتے تب بھی موت انہیں آ لیتی۔ موت تو بہت مضبوط پہرے والے قلعوں میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ تو انہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ تو کافروں کے انداز کی باتیں ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے اور جنگ میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) (۱) ”کاش کالفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔“ یعنی یہ کہنا کہ کاش ایسے ہو جاتا تو یوں ہو جاتا اس کلمہ ہی سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جو ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ہونا منظور تھا اس کی حکمتیں اسے معلوم ہیں ہم اس کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

﴿لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ﴾ ”(یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے۔“ اس قسم کی باتوں سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے۔ یہ بھی گویا ان کے کفر کی سزا ہے۔

﴿وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ”اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔“  
 ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“  
**آیت ۱۵۷** ﴿وَلَيْنُ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ﴾ ”اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے ہی تمہیں موت آ جائے“

﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت اور رحمت تمہیں ملے گی وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔“  
 اگر تم دنیا میں دس پندرہ سال اور جی لیتے تو کیا کچھ جمع کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہادت کی موت دے دی تمہارے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی!

**آیت ۱۵۸** ﴿وَلَيْنُ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ﴾ ”اور چاہے تم مرو یا قتل ہو بہر حال اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

چاہے تمہیں اپنے بستروں پر موت آئے اور چاہے تم میدان جنگ میں جام شہادت نوش کرو بہر حال تمہیں اللہ کی جناب میں حاضر کر دیا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل تو وہی ہے۔

**آیت ۱۵۹** ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان

(۱) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوة وترك العجز والاستعانة باللہ۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔



کے حق میں بہت نرم ہیں۔“

اس سورہ مبارکہ کی یہ آیت جماعتی نظم کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ جماعتی زندگی میں جو لوگ صاحبِ امر ہوں جن کے پاس ذمہ داریاں ہوں انہیں یہ خیال رہنا چاہیے کہ ان کے یہ سب ساتھی آخر انسان ہیں وہ جذبات اور احساسات بھی رکھتے ہیں ان کی عزت نفس بھی ہے اور یہ کہ وہ ملازم نہیں بلکہ رضا کار (volunteers) ہیں اور دینی جذبے کے تحت اکٹھے ہوئے ہیں لہذا امراء کو اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جماعتی زندگی کے اس پہلو کی اہمیت کو یہاں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے حوالے سے واضح کیا جا رہا ہے کہ اے نبی یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَفُضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ”اور اگر آپ تندخو اور سخت دل

ہوتے تو یہ آپ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔“

کسی امیر کمانڈر یا لیڈر کی تندخوئی اور سخت گیری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کا نقشہ علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

کوئی کارواں سے ٹوٹا ، کوئی بدگماں حرم سے

کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ”پس آپ ان سے درگزر کریں“

اے نبی ﷺ! اس جنگ میں آپ کے بعض ساتھیوں سے اگرچہ بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے آپ لوگوں کو بہت بڑا چرکا لگا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ اپنے ان ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں میل مت آنے دیجیے۔ ان کی غلطی اور کوتاہی کو اللہ نے معاف کر دیا ہے تو آپ بھی انہیں معاف کر دیں اور عام حالات میں بھی آپ انہیں معاف کرتے رہا کریں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ”اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں“

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کیا کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ”اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔“

ایسا طرز عمل اختیار نہ کریں کہ آئندہ ان کی کوئی بات نہیں سنی، بلکہ ان کو بھی مشورے میں شامل رکھیے۔ واضح رہے کہ مشاورت کے عمل سے جماعت کے اندر باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے لوگ اطمینان محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا امیر ہم سے مشورہ کرتا ہے، ہماری بات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ مشاورت کے عمل کا تسلسل اجتماعی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ ”پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔“

مشورے کے بعد جب آپ کا دل کسی رائے پر مطمئن ہو جائے اور اس رائے کے مطابق آپ فیصلہ کر لیں تو اس کے بعد کسی شخص کی بات کی پروا نہ کریں، بلکہ فقط اللہ کی ذات پر توکل کریں۔ غزوہ اُحد سے پہلے



جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تھا، تو اُس وقت اکثر لوگوں کی رائے وہی تھی جو آنحضور ﷺ کی رائے تھی، یعنی یہ کہ مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا ہم تو کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے ہیں، ہمیں تو شہادت کی موت چاہیے۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کی رعایت کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ تیار ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرے سے باہر تشریف لائے تو خلاف معمول آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ سخت معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ متعلقہ لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں، جو آپ کی رائے ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اب یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے۔ چنانچہ یہ آیت گویا نبی اکرم ﷺ کے اس طرز عمل کی توثیق میں نازل ہوئی کہ جب آپ ایک فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس پر استقامت اختیار کریں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ ﴿۱۵۹﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

**آیت ۱۶۰** ﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ ﴿۱۶۰﴾ ”(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔“

﴿وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ ﴿۱۶۱﴾ ”اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری

مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟“

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ﴿۱۶۰﴾ ”اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔“

**آیت ۱۶۱** ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ﴾ ﴿۱۶۱﴾ ”اور کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔“

غُلٌّ يَغُلُّ غُلُولًا کے معنی ہیں خیانت کرنا، جبکہ غُلٌّ يَغُلُّ غُلًّا کے معنی دل میں کینہ ہونا کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ پر منافقوں نے الزام لگایا تھا کہ آپ نے مالِ غنیمت میں کوئی خیانت کی ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!) یہ اس الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ البتہ مولانا اصلاحی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کی رائے میں یہ دراصل منافقین کے ان الزامات کی تردید ہے جو انہوں نے اُحد کی شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ پر لگائے تھے کہ ہم نے تو ان پر اعتماد کیا، ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اپنے نیک و بد کا ان کو مالک بنایا، لیکن یہ ہمارے اس اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے جان و مال کو اپنے ذاتی حوصلوں اور اُمنگوں کے لیے تباہ کر رہے ہیں۔ ان کا منصوبہ پورے عرب کو زیر نگین کرنے کا ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ہماری جانوں کو تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ قرآن نے منافقین کے ان الزامات کی تردید فرمائی کہ تمہارے یہ الزامات بالکل جھوٹ ہیں، کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ کبھی بے وفائی اور بدعہدی نہیں کرتا۔ نبی جو قدم بھی اٹھاتا ہے رضائے الہی کی طلب میں اور اس کے احکام کے تحت اٹھاتا ہے۔



﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی

چیز سمیت حاضر ہوگا قیامت کے دن۔“

اللہ تعالیٰ کے قانون جزا و سزا سے ایک نبی سے بڑھ کر بھلا کون باخبر ہوگا؟

﴿ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ”پھر ہر جان کو پورا پورا دے دیا

جائے گا جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔“

آیت ۵۵ کے حوالے سے نوٹ کیجئے لفظ ”تَوَفَّى“ یہاں بھی پورا پورا دیے جانے کے معنی میں آیا ہے۔

**آیت ۱۶۲** ﴿أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ﴾ ”تو کیا بھلا وہ شخص جس نے

اللہ کی رضا کی پیروی کی اُس کی مانند ہو جائے گا جو اللہ کے غضب اور غصے کو کما کر لوٹا؟“

﴿وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ﴾ ”اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

﴿وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ ”اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔“

**آیت ۱۶۳** ﴿هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”ان کی درجہ بندیاں ہیں اللہ کے ہاں۔“

جیسے اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکو کاروں کے درجے ہیں اسی طرح وہاں بدکاروں کے بھی درجے ہیں۔ سب

بدکار برابر نہیں اور سب نیکو کار برابر نہیں۔

﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

اگلی آیت کا مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ آچکا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ البقرۃ کے پندرہویں

رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ مضمون باس الفاظ آیا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ

رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (آیت ۱۲۹) پھر اٹھارہویں

رکوع کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ اب یہ مضمون تیسری مرتبہ یہاں

آ رہا ہے:

**آیت ۱۶۴** ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”درحقیقت اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے اہل ایمان پر“

﴿إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ”جب اُن میں اٹھایا ایک رسول اُن ہی میں سے“

یعنی ان کی اپنی قوم میں سے۔

﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ ”جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات“

﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ ”اور انہیں پاک کرتا ہے“

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی۔“

یہ انقلابِ نبوی کے منہاج کے چار بنیادی عناصر ہیں جنہیں قرآن اسی ترتیب سے بیان کرتا ہے:



تلاوت آیات تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت۔ یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا میں جو ترتیب تھی (اس دعا میں ”تزکیہ“ کا ذکر آخر میں تھا) اللہ نے اس ترتیب کو تبدیل کیا ہے۔ اس نکتے پر سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱ کے ذیل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

﴿وَأِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۴﴾﴾ اور یقیناً اس سے پہلے (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل) تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

**آیت ۱۶۵** ﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلِهَا قُلْتُمْ أَنَّا هَذَا ﴿۱۶۵﴾﴾ اور کیا جب تم پر ایک مصیبت آئی، جبکہ تم اس سے دگنی مصیبت ان کو پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟“

یعنی یہ کیوں ہو گیا؟ اللہ نے پہلے مدد کی تھی اب کیوں نہیں کی؟

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ﴿۱۶۶﴾﴾ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے نفسوں کی شرارت کی وجہ سے ہوا ہے۔“

غلطی تم نے کی تھی، امیر کے حکم کی خلاف ورزی تم نے کی تھی، جس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۷﴾﴾ ”یقیناً اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

گویا اسی مضمون کو یہاں دہرا کر لایا گیا ہے جو پیچھے آیت ۱۵۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تو اپنا وعدہ پورا کر چکا تھا اور تم دشمن پر غالب بھی آچکے تھے، مگر تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سزا نہ دیتا، بغیر سزا دیے معاف کر دیتا، لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے کہ ابھی تو تمہاری اس تحریک کو بڑے بڑے مراحل سے گزرنا ہے۔ اگر تم اسی طرح نظم کو توڑتے رہے اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو پھر تم ایک منظم جماعت کے بجائے ایک انبوہ اور ”ہجومِ مؤمنین“ بن کر رہ جاؤ گے، جبکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ایک انتہائی منظم جماعت (حزب اللہ) درکار ہے۔

**آیت ۱۶۶** ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجَمْعِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ ﴿۱۶۶﴾﴾ ”اور جو بھی مصیبت تم پر آئی ہے اُس دن جب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے تھے وہ اللہ کے اذن سے آئی ہے“

ظاہر ہے اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ تکلیف نہیں آ سکتی تھی۔

﴿وَلْيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۷﴾﴾ ”اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ظاہر کر دے ایمان والوں کو۔“

تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے حقیقی مؤمنین کون ہیں۔

**آیت ۱۶۸** ﴿وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ﴿۱۶۸﴾﴾ ”اور تا کہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔“

”لِيَعْلَمَ“ کا معنی ہے ”تا کہ جان لے“۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے لہذا ایسے مقامات پر عموماً یوں ترجمہ کیا جاتا ہے: ”تا کہ اللہ ظاہر کر دے“۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعاً ظاہر کر دیا کہ کون مؤمن ہے



اور کون منافق! عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو ان کا نفاق سب پر ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے لیے ان پر اعتبار کرنے اور ان کی چکنی چڑی باتیں کان لگا کر سننے کا جواز ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش کے ذریعے واضح کر دیا کہ: Who is who & what is what۔

﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا﴾ ”اور ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع کرو۔“

عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو اس وقت ان سے کچھ لوگوں نے کہا ہوگا کہ بیوقوفو! کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت تو قریش کا لشکر سامنے ہے۔ اگر ایک ہزار میں سے تین سو آدمی نکل جائیں گے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوری پیدا ہوگی۔ اگر تم میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مدینہ کے دفاع کے لیے تو کمر بستہ ہو جاؤ۔ اگر مدینہ پر حملہ ہو تو کیا ہوگا؟ اگر یہاں پر یہ لشکر شکست کھا گیا تو کیا دشمن تمہاری بہو بیٹیوں کو اپنی باندیاں بنا کر نہیں لے جائیں گے؟

﴿قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اگر ہم سمجھتے کہ جنگ ہونی ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔“

یعنی یہ تو درحقیقت نورا کشتی ہو رہی ہے یہ حقیقت میں جنگ ہے ہی نہیں۔ یہ جو مکہ سے محمد (ﷺ) کے ساتھی (مہاجرین) آئے ہیں اور اب یہ جو مکہ ہی سے لشکر ہم پر چڑھائی کر کے آیا ہے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ہمارا ان سے کوئی سروکار نہیں۔

﴿هُمُ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ ”یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے قریب تر تھے۔“

﴿يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ ”یہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔“

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ ”اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔“

**آیت ۱۶۸** ﴿الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے (شہید ہو جانے والے) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ آگئے ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔“

﴿قُلْ فَادْرَأْ وَاعْنُ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ) ان سے کہیے کہ اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا کر دکھا دو۔“

کیا تم کوشش کر کے اپنے آپ سے موت کو ٹال لو گے؟ اور کیا تمہارے گھروں میں تمہیں موت نہیں آئے گی؟

**آیت ۱۶۹** ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا﴾ ”اور ہرگز نہ سمجھنا ان لوگوں کو جو



اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔“

یہ مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں بھی آچکا ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ”اور مت کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں (وہ مردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ”بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں۔“

**آیت ۱۷۱** ﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”شاداں و فرحاں ہیں اُس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے“

﴿وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ ”اور بشارت حاصل کر رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے“

﴿أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ”کہ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔“

**آیت ۱۷۱** ﴿يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ﴾ ”وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے اور اس کے فضل کی بنا پر“

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ”اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

اب آگے جو آیات آرہی ہیں ان کے بارے میں تاریخ و سیرت کی کتابوں میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی فوج کے واپس چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعض ضروری امور نمٹائے اور شہداء کی تدفین کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اچانک خیال آیا کہ کفار چلے تو گئے ہیں، لیکن ہو سکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو کہ انہوں نے مسلمانوں کو بالکل ختم کیوں نہیں کر دیا اور اس احساس کی وجہ سے وہ کہیں دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے ہمت نہیں ہار دی۔ اُس وقت مسلمان شدید صدمے سے دوچار تھے، ان کے جسم زخموں سے چور چور تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضور ﷺ کے اس حکم پر لبیک کہا۔ چنانچہ حضور ﷺ جان نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ کفار کے تعاقب میں حراء الاسد تک گئے جو کہ مکہ کے راستہ پر مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر ابوسفیان کو واقعتاً اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ مقام رحاء پر اپنی فوج کی از سر نو تنظیم میں مصروف تھا تاکہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہو سکے۔ اُس نے مدینہ کی طرف جانے والے ایک تاجر کو مسلمانوں کے لیے یہ پیغام بھی دیا کہ میں بہت بڑا شکر لے کر دوبارہ آ رہا ہوں۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے



ارادہ بدل کر لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ روایات میں یوں آتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے مسلمانوں سے یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہوگا۔ یعنی ایک سال پہلے بدر میں جنگ ہوئی تھی اب اُحد میں میدان لگا۔ اس کے بعد اگلے سال ہمارے اور تمہارے درمیان تیسرا مقابلہ پھر بدر میں ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام جنی اللہ کو لے کر بدر تک گئے۔ یہ مہم ”بدرِ صغریٰ“ کہلاتی ہے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ اس مرتبہ بھی کچھ لوگوں نے اہل ایمان میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی کہ لوگو! کیا کر رہے ہو؟ قریش تو بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں، تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے! بہر حال اس پروپیگنڈا کے جواب میں مسلمانوں نے صبر و توکل کا مظاہرہ کیا اور وہ کلمات کہے جو آگے (آیت ۱۷۳ میں) آ رہے ہیں۔ تو یہ آیات مذکورہ دونوں واقعات پر منطبق ہو سکتی ہیں۔

**آیت ۱۷۲** ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط﴾ ”جن لوگوں نے

لبیک کہی اللہ اور رسول کی پکار پر اس کے بعد کہ ان کو چرکا لگ چکا تھا۔“

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں آئی ہے۔ یعنی اس اجرِ عظیم کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے جن کے عزم و ایمان میں اُحد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی کوئی کمی نہ آئی اور جو نبی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے انہیں ایک تازہ مہم کے لیے پکارا گیا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

**﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۳﴾﴾** ”ان میں سے جو بھی محسنین اور متقین ہیں ان

کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

**آیت ۱۷۳** ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن

سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہو گئی ہیں، پس ان سے ڈرو!“

**﴿فَزَادَهُمْ إِيمَانًا﴾** ”تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا“

**﴿وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۷۴﴾﴾** ”اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی

بہترین کارساز ہے۔“

اُسی کا سہارا ہمارے لیے سب سے اچھا سہارا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بے خوف ہو کر مقابلے کے لیے نکلے۔

**آیت ۱۷۴** ﴿فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ﴾ ”پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور اُس کے فضل

کے ساتھ“

ابوسفیان کو جب پتا چلا کہ محمد ﷺ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ مکہ کی راہ لی جائے۔ اسی طرح یہ آیات ”بدرِ صغریٰ“ سے متعلق روایات پر بھی منطبق ہوتی ہیں کہ ابوسفیان نے جو نبی سنا کہ مسلمان ان کے مقابلے کے لیے بدر میں پہنچ چکے ہیں تو وہ لشکر کو لے کر واپس چلا گیا اور مقابلہ میں نہ آیا۔



چنانچہ لشکر قریش کے واپس چلے جانے کے بعد مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور سرخرو ہو کر خیریت سے اپنے گھروں کو لوٹے۔

﴿لَمْ يَمَسَّهُمْ سُوءٌ﴾ ”ان کو کسی قسم کا بھی ضرر نہ پہنچا“

انہیں اس مہم میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ پورے اترے۔

﴿وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ﴾ ”اور انہوں نے تو اللہ کی رضا کی پیروی کی۔“

انہیں اللہ کی رضا و خوشنودی پر چلنے کا شرف حاصل ہو گیا۔

﴿وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

**آیت ۱۴۵** ﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ ”(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے“

وہ تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھیوں یعنی حزب الشیطان کا خوف تم پر طاری کر دے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی شیطان کی اس تخویف کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں جبکہ اولیاء اللہ پر شیطان کی طرف سے اس قسم کی وسوسہ اندازی کا اثر نہیں ہوتا۔

﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا﴾ ”تو تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو“

﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم مومن صادق ہو۔“

**آیت ۱۴۶** ﴿وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ غم نہ بنیں جو کفر کے معاملے میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔“

مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین ہر وقت مسلمانوں کے خلاف ساز باز میں مصروف رہتے تھے۔ کبھی یہودیوں کا کوئی وفد سردارانِ مکہ کے پاس جا کر کہتا کہ تم مسلمانوں پر چڑھائی کرو ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ کبھی قریش اسی طرح کی کسی پیشکش کے ساتھ یہودیوں سے رابطہ کرتے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں ان کے مابین یہ Diplomatic Activity مسلسل جاری رہتی تھی۔ ان حالات میں یہاں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی وساطت سے اہل ایمان کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ لوگ ان کی سرگرمیوں سے رنجیدہ نہ ہوں، ان کی ساری ریشہ دوانیوں کی حیثیت محض سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ کی سی ہے۔

﴿إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ ”وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔“

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ﴾ ”اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی

حصہ نہ رکھے۔“

یہ گویا اللہ کے اس فیصلے کا ظہور ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔“



**آیت ۱۷۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے ایمان ہاتھ سے دے کر کفر خرید لیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

**آیت ۱۷۸** ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ مَا نُمَلِّئُ لَهُمْ خَيْرًا لَّا نَفْسِهِمْ﴾ ”اور مت سمجھیں یہ

کافر کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔“

کافروں کو مہلت اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے کفر میں اور بڑھ جائیں تاکہ اپنے آپ کو بُرے سے بُرے عذاب کا مستحق بنا لیں۔ چنانچہ اگر اللہ ان کو ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اس پر خوش نہ ہوں۔

﴿إِنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ لِيَزِدُوا إِثْمًا﴾ ”ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ

میں اور اضافہ کر لیں۔“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔“

**آیت ۱۷۹** ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ ”اللہ وہ نہیں کہ چھوڑے رکھے

مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر تم ہو“

﴿حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ”یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے ممیز کر دے۔“

یہ آیت بھی فلسفہ آزمائش کے ضمن میں بہت اہم ہے۔ اس میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو تکالیف میں کیوں ڈالتا ہے، حالانکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے، وہ آن واحد میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بات اللہ کی حکمت کے مطابق نہیں ہے کہ وہ تمہیں اسی حال میں چھوڑے رکھے جس پر تم ہو۔ ابھی تمہاری صفوں میں کمزور اور پختہ ایمان والے گڈ مڈ ہیں، بلکہ ابھی تو منافق اور مؤمن بھی گڈ مڈ ہیں۔ تو جب تک تمہاری اجتماعیت سے یہ تمام ناپاک عناصر نکال نہ دیے جائیں اُس وقت تک تم آئندہ پیش آنے والے مشکل اور کٹھن حالات کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو تم اپنی قوم کے لوگوں سے نبرد آزما ہو۔ مستقبل میں تمہیں سلطنتِ کسریٰ سے ٹکر لینی ہے، سلطنتِ روما کے مقابلے کے لیے نکلنا ہے۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اجتماعیت کی تطہیر (purge) ہوتی رہے، یہاں تک کہ منافقین اور صادق الایمان لوگ بالکل نکھر کر علیحدہ ہو جائیں۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی

خبریں بتائے“

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”لیکن (اس کام کے لیے) اللہ منتخب کر لیتا ہے

اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔“

وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کے حالات بھی بتاتا ہے۔ رسولوں کو غیب از خود معلوم نہیں



ہوتا اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان آزمائشوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں تمہارے لیے کیا خیر یہاں ہے ہر چیز ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی، البتہ ہم اپنے رسولوں کو غیب کی خبریں بتاتے رہتے ہیں۔

﴿فَامِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”پس ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔“

﴿وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور اگر تم (یہ دو شرطیں پوری کر دو گے) ایمان

میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ پر کاربند رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

**آیت ۱۸۰** ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ”اور نہ

خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اُس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔“

ظاہر بات ہے جب جنگ اُحد کے لیے تیاری ہو رہی ہوگی تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو انفاقِ مال کی دعوت دی ہوگی تاکہ اسبابِ جنگ فراہم کیے جاسکیں۔ اُس وقت جن لوگوں نے دولت مند ہونے کے باوجود بخل کیا یہ اشارہ ان کی طرف ہے کہ انہوں نے بخل کر کے جو اپنا مال بچا لیا وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ یہ مال اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تھا، اس میں بخل سے کام لے کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔

﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ ”بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔“

﴿سَيَطُوفُونَ مَا بِخَلُّوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے

جائیں گے جس میں انہوں نے بخل کیا تھا، قیامت کے دن۔“

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے

لیے ہے۔“

دنیا کا مال و اسباب آج تمہارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا اور بالآخر سب کچھ اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ ظاہر ہے آسمانوں اور زمین کی میراث کا حقیقی وارث تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ”اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔“

یہاں وہ چھ رکوع مکمل ہو گئے ہیں جو غزوة اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل تھے۔ اس

سورہ مبارکہ کے آخری دو رکوعوں کے کلام کی نوعیت ”حاصل کلام“ (concluding remarks) کی ہے۔

## آیات ۱۸۱ تا ۱۸۹

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ  
الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ  
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۗ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ إِلَيْنَا آلا نُوْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا



يَقْرَبَانِ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ  
 قَتَلْتَهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧٩﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا  
 بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٨٠﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ  
 الْغُرُورِ ﴿١٨٢﴾ لَتَبْلُونَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ  
 قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا ﴿١٨٣﴾ وَإِنْ تَصِيرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ  
 الْأُمُورِ ﴿١٨٤﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ  
 فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴿١٨٥﴾ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ  
 الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ  
 الْعَذَابِ ﴿١٨٧﴾ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴿١٨٩﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ﴿١٩٠﴾

**آیت ۱۸۱** ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ ”اللہ نے سن لیا ہے  
 قول ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔“

یہ بات کہنے والوں میں منافقین بھی شامل تھے اور یہودی بھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو انفاق  
 مال کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اللہ کو قرض حسد دو تو یہودی اور ان کے زیر اثر منافقین اس کا مذاق اڑاتے  
 ہوئے کہتے کہ ہاں اللہ فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگ رہا ہے جبکہ ہم غنی ہیں ہمارے پاس دولت ہے۔

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا﴾ ”ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے“

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی جھلکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فوراً تو گرفت نہیں کرتا لیکن ایک وقت آئے  
 گا جس دن انہیں اپنے اس قول کی پوری پوری سزا مل جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں:

﴿وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ”اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی (ہم لکھ رکھیں گے)“

یہ یہودیوں کا ذکر ہے کہ اس سے پہلے یہ لوگ جو اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں ان کا یہ جرم بھی ان  
 کے نامہ اعمال میں ثبت ہے۔

﴿وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ”اور ہم کہیں گے اب چکھو مزہ اس جلا دینے والی آگ

کے عذاب کا۔“

**آیت ۱۸۲** ﴿ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ﴾ ”یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے“

﴿وَاِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ ”اور اللہ تو اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔“



آیت ۱۸۳ ﴿الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا﴾ ”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے ایک عہد لے لیا تھا“

﴿اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰتِيَنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ﴾ ”کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔“

یہاں روئے سخن پھر یہود کی طرف ہو گیا ہے۔ نوع انسانی جب عہد طفولیت میں تھی تو خرقِ عادت و اوقات بہت ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ معمول بھی تھا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے حضور کوئی جانور ذبح کر کے پیش کرتا تو آسمان سے ایک آگ اترتی جو اسے بھسم کر دیتی تھی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی قبول ہوگئی۔ جیسے ہابیل اور قابیل کے قصے میں آیا ہے کہ: ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبٰنًا فَتَقَبَّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَكَمْ يَتَقَبَّلُ مِنَ الْاٰخِرِ﴾ (المائدة: ۲۷) ”جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔“ گویا آسمان سے اترنے والی آگ کی وجہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا تھا کہ کس کی قربانی قبول ہوئی ہے اور کس کی نہیں ہوئی۔ قربانی کی قبولیت سے متعلق یہ حسی علامت بنی اسرائیل کے ابتدائی دور میں بھی موجود تھی۔ اس لیے مدینہ کے یہود نے کٹ جتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے تو اللہ نے یہ عہد لے لیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ یہ معجزہ نہ دکھائے۔ تو اگر محمد (ﷺ) واقعی رسول ہیں تو یہ معجزہ دکھائیں۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے:

﴿قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں واضح معجزوں کے ساتھ“

﴿وَبِالَّذِي قُلْتُمْ﴾ ”اور وہ چیز بھی لے کر آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو“

انہوں نے سوختنی قربانی کا معجزہ بھی دکھایا جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔

﴿فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ”پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟“

آیت ۱۸۴ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ ”پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں“

تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ معاملہ صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔

﴿فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ”تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے“

یہ تو اس راستے کا ایک عام تجربہ ہے جس سے آپ کو بھی گزرنا پڑے گا۔

﴿جَاءَ وَبِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾ ”جو آئے تھے واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن

کتاب لے کر۔“

آیت ۱۸۵ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذٰئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ”ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“

موت تو ایک دن آکر رہتی ہے۔



﴿وَأَنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط﴾ ” اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا۔“

﴿فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط﴾ ” تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔“

اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ : اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمانا!  
﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ١٨٥﴾ ” اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔“

**آیت ۱۸۶** ﴿تَبْلُونَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ق﴾ ” (مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزما یا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔“

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع میں گزر چکا ہے: ﴿وَلَتَبْلُونَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط﴾ (آیت ۱۵۵) ” اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔“ یہاں مجہول کا صیغہ ہے کہ تمہیں لازماً آزما یا جائے گا، تمہاری آزمائش کی جائے گی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ کان کھول کر سن لو کہ یہ ایمان کا راستہ پھولوں کی بیج نہیں ہے، یہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے بغیر تکلیفیں اٹھائے تمہیں جنت مل جائے گی۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۴) میں ہم یہ تشبیہ بھی پڑھ چکے ہیں: ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے.....“

﴿وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ط﴾ ” اور تمہیں لازماً سننی پڑیں گی ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا بڑی تکلیف دہ باتیں۔“

اے مسلمانو! تم لوگ یہ سب کچھ سنو اور صبر کرو۔ ابتدائی مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کو بھی ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں: ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ١٠﴾ (المزمل) ” اور ان باتوں پر صبر کیجیے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور وضع داری کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے۔“ ذرا تصور کیجیے آپ ﷺ کو کیا کچھ نہیں سننا پڑا۔ کسی نے کہہ دیا مجنون ہے، کسی نے کہہ دیا شاعر ہے، کسی نے کہا ساحر ہے، کسی نے کہا مسحور ہے۔ سورۃ الحجر کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ٩٤﴾ ” (اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ (شرکین) جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنجتا ہے۔“ ان کی زبانوں سے جو کچھ آپ کو سننا پڑ رہا ہے اس سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے، لیکن صبر کیجیے! وہی بات یہاں مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے۔“



﴿وَإِنْ تَصَبَرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ ﴿۱۸۶﴾ ”اور اگر تم صبر کرتے رہو گے (ثابت قدم رہو گے) اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھو گے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

**آیت ۱۸۷** ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ اللہ نے ان لوگوں سے ایک قول و قرار لیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی“

﴿لَتُبَيِّنَنَّاهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ ”کہ تم لازماً اُسے لوگوں کے سامنے واضح کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں“

﴿فَبَدَّوهُ وَرَأَى ظُهُورَهُمْ﴾ ”تو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا“

﴿وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”اور اس کی بڑی حقیر سی قیمت وصول کر لی۔“

﴿فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ ﴿۱۸۷﴾ ”تو بہت ہی بری شے ہے جو وہ (اس کے بدلے میں) حاصل کر رہے ہیں۔“

**آیت ۱۸۸** ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا﴾ ”آپ ان کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں“

اگر کبھی بھلائی کا کوئی کام کر لیتے ہیں کسی کو کچھ دے دیتے ہیں تو اس پر بہت اتراتے ہیں اکڑتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ کر لیا ہے۔

﴿وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ ”اور (اس سے بھی بڑھ کر) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے کیے ہی نہیں“

آج کل اس کی سب سے بڑی مثال سپاس نامے ہیں جو تقریبات میں مدعو شخصیات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سپاس ناموں میں ان حضرات کے ایسے ایسے کارہائے نمایاں بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی پشتوں میں سے بھی کسی نے نہ کیے ہوں۔ اس طرح ان کی خوشامد اور چا پلوسی کی جاتی ہے اور وہ اسے پسند کرتے ہیں۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ﴾ ”تو آپ ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ﴿۱۸۸﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

**آیت ۱۸۹** ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ﴿۱۸۹﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“



## آیات ۱۹۰ تا ۲۰۰

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَأَعْلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۗ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ ۗ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْوَعْدَ ۗ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرُوا أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغْرِبُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَيَسَّ السَّيِّئَاتِ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نَزَّلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْآبِرَارِ ۗ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ ۗ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

سورۃ آل عمران کا آخری رکوع قرآن مجید کے عظیم ترین مقامات میں سے ہے۔ اس کی پہلی چھ آیات کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جس شب میں یہ نازل ہوئیں، اُس پوری رات حضور ﷺ پر رقت طاری رہی اور آپ ﷺ کھڑے بیٹھے لیٹے ہوئے روتے رہے۔ نماز تہجد کے دوران بھی آپ پر رقت طاری رہی۔ پھر آپ نے بہت طویل سجدہ کیا، اس میں بھی گریہ طاری رہا اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپ کچھ دیر لیٹے رہے لیکن وہ کیفیت برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے اور آپ کو اس کیفیت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! میں کیوں نہ روؤں، آج کی شب میرے رب نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں“۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی (اس روایت کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے) یعنی گریہ اور رقت کی وہ کیفیت شکر کے جذبے کے تحت تھی۔



یہاں یہ نکتہ بھی نوٹ کیجیے کہ سورہ آل عمران کے بیسویں رکوع اور سورہ البقرہ کے بیسویں رکوع کا آغاز ایک جیسی آیات اور ایک جیسے الفاظ سے ہوتا ہے۔ سورہ البقرہ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ یہ ہیں: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۳﴾ اسی ”آیت الآیات“ کا خلاصہ یہاں آ گیا ہے:

**آیت ۱۶۰** ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ”یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں“

﴿لَآيَاتٍ لِّلأُولَى الْأَلْبَابِ ﴿۱۶۰﴾﴾ ”ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

سورہ البقرہ کی آیت ۱۶۲ ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۳﴾﴾ ”ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“ یہاں ان لوگوں کو ”أولوا الالباب“ کا نام دیا گیا۔ یہ ہدایت کا پہلا قدم ہے کہ کائنات کو دیکھو، مظاہر فطرت کا مشاہدہ کرو۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ  
شرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یہ سب آیات الہیہ ہیں، ان کو دیکھو اور اللہ کو پہچانو۔ اگلا قدم یہ ہے کہ جب اللہ کو پہچان لو تو اب اُسے یاد رکھو۔ یعنی

فکر قرآن اختلاط ذکر و فکر  
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

**آیت ۱۶۱** ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ ”جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی“

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اور مزید غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔“

اس غور و فکر سے وہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور پکاراٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے۔“

ظاہر ہے ایسے غور و فکر کے بعد لازماً انسان کا ذہن اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ کیا میری زندگی بس یہی ہے کہ کھاؤ پیو، اولاد پیدا کرو اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ؟ اس طرح جب انسان اپنی زندگی اور دنیا کے نظام پر غور کرتا ہے تو وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انسان کی دنیوی



زندگی ادھوری اور نامکمل ہے اس لیے کہ اس دنیا میں نہ تو انسانی اعمال کے نتائج سامنے آتے ہیں اور نہ ہی انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں تو اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نیکو کار فاقوں سے رہتے ہیں اور بدکار عیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہونی چاہیے اس دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہونی چاہیے جس میں انسان کو اچھے برے اعمال کا بھرپور بدلہ ملے اور مکافات عمل ہو۔ لہذا صاحب شعور لوگ (اولوالالباب) زمین و آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَكَ فِیْنَا عَذَابِ النَّارِ (۱۹۱)﴾ ”تُوپاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے)“ پس تُو

ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے!“

تُو نے یقیناً ایک دوسری دنیا تیار کر رکھی ہے جس میں جزا و سزا کے لیے جنت بھی ہے اور جہنم بھی!

آیت ۱۹۲ ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ ط﴾ ”اے ہمارے رب! جس کو تُو نے داخل

کر دیا آگ میں بے شک اس کو تُو نے رسوا کر دیا۔“

﴿وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (۱۹۲)﴾ ”اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔“

آیت ۱۹۳ ﴿رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِیًا ط﴾ ”اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا“

﴿یُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ط﴾ ”جو ایمان کی ندادے رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے

رب پر تو ہم ایمان لے آئے۔“

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اس اقرار کے بعد ایسے لوگوں کے کانوں میں جو نہی کسی نبی یا رسول کی پکار آتی ہے تو وہ بلا تامل فوراً لبیک کہتے ہیں جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی اس لیے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک تو وہ خود اپنی عقل اور فکر کے ذریعے پہنچ چکے تھے۔ یہاں سورۃ الفاتحہ کے مضامین کو بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ایسے اولوالالباب لوگ اپنی سلامتی طبع سلامتی فطرت اور سلامتی عقل کی رہنمائی میں جب اللہ کو پہچان لیتے ہیں آخرت کو پہچان لیتے ہیں اور یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی بندگی ہی کا راستہ اختیار کرنا ہے تو اس کے بعد وہ نبوت و رسالت کی راہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دست سوال دراز کرتے ہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ کہ اے اللہ! اب تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ یہاں بھی یہی مضمون ہے کہ اب ایسے شخص کے سامنے اگر کسی نبی کی دعوت آئے گی تو اس کا رد عمل کیا ہوگا۔ اب آگے ایک بڑی پیاری دُعا آ رہی ہے۔ یہ اُس دُعا سے جو سورۃ البقرہ کے آخر میں آئی تھی بعض پہلوؤں سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔

﴿رَبَّنَا فَاعْفُرْ لَنَا ذُنُوبَنَا ط﴾ ”اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے!“

﴿وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا ط﴾ ”اور ہماری برائیاں ہم سے دُور کر دے!“

ہمارے نامہ اعمال کے دھبے بھی دھو دے اور ہمارے دامن کردار پر جو داغ ہیں وہ بھی صاف کر دے۔



﴿وَتَوْفَقْنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾ ” اور ہمیں وفات دیجیو اپنے نیکو کار (اور وفادار) بندوں کے ساتھ۔“

**آیت ۱۹۳** ﴿رَبَّنَا وَإِنَّا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ﴾ ” اے ہمارے رب، ہمیں عطا فرما وہ سب کچھ

جس کا تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے“

﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ﴾ ” اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن۔“

﴿إِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ” یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔“

ہمیں شک ہے تو اس بات میں کہ آیا ہم تیرے ان وعدوں کے مصداق ثابت ہو سکیں گے یا نہیں۔ لہذا تو اپنی شانِ غفاری سے ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں وہ سب کچھ عطا کر دینا جس کے بارے میں تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے۔

**آیت ۱۹۵** ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ ” تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی“

یہ ہے دعا کی قبولیت کی انتہا کہ اس دعا کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا اعلان ہو رہا ہے۔

﴿إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ﴾ ” کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے

والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔“

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ﴾ ” تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔“

ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی اور ایک ہی ماں کے رحم میں بیٹا بھی پلا ہے اور

بیٹی بھی۔

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ﴾ ” سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے

نکال دیے گئے“

﴿وَأُذُوا فِي سَبِيلِي﴾ ” اور جنہیں میری راہ میں ایذا میں پہنچائی گئیں“

﴿وَقَتَلُوا وَقُتِلُوا﴾ ” اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں“

﴿لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سِيَّاتِهِمْ﴾ ” میں لازماً ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دوں گا“

ان کے نامہ اعمال میں اگر کوئی دھبہ ہوں گے تو انہیں دھو دوں گا۔

﴿وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ﴾ ” اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات

میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“

﴿ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ﴾ ” اور یہ بدلہ ہوگا اللہ کے پاس سے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص خزانہ فضل سے۔

﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾ ” اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

اب ہم اس سورت کی آخری پانچ آیات کا مطالعہ کریں گے۔ ان آیات کی حیثیت اس سورہ مبارکہ کے



تمام مباحث پر ”خاتمہ کلام“ کی ہے۔ یاد رہے کہ اس سورت میں اہل کتاب کا عمومی ذکر بھی ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کا الگ الگ بھی۔ پھر اس میں اہل ایمان کا ذکر بھی ہے اور مشرکین کا بھی۔ اب فرمایا:

**آیت ۱۹۶** ﴿لَا يَغُرَّتْكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴾ (اے نبی ﷺ!) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کافروں کی چلت پھرت شہروں کے اندر۔“

یہ کافر جو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے سازشیں کر رہے ہیں، جمعیتیں فراہم کر رہے ہیں، اس سے آپ کسی دھوکے میں نہ آئیں، کسی مغالطے کا شکار نہ ہوں، ان کی طاقت کے بارے میں کہیں آپ مرعوب نہ ہو جائیں۔

**آیت ۱۹۷** ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ﴾ ”یہ تو بس تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے“

یہ تو محض چند روزہ زندگی کے لیے ہم نے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا ہے۔

﴿ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ”پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔“

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ”اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“

**آیت ۱۹۸** ﴿لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ ”اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا“  
﴿لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے“

﴿نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”یہ (ان کے لیے) ابتدائی مہمان نوازی ہوگی اللہ کی طرف سے۔“

﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ﴾ ”اور مزید جو اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے نیکو کاروں

کے لیے۔“

جنت کی اصل نعمتیں تو بیان میں آ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث یاد رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ

عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ﴾ (۱)

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ تو

کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی گزرا۔“

چنانچہ قرآن و حدیث میں جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ ہے ان کی حیثیت اہل جنت کے لیے نُزُل (ابتدائی مہمان نوازی) کی ہوگی۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وانها مخلوقة، و کتاب تفسیر القرآن، باب

قوله فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين۔ و صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها و اهلها۔



**آیت ۱۹۹** ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ ”اور بے شک اہل کتاب میں وہ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر“

﴿وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ﴾ ”اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کیا گیا“

﴿خُشِعِينَ لِلَّهِ﴾ ”وہ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں“

ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے وہ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں۔

﴿لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”وہ اللہ کی آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہیں کرتے۔“

﴿أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”ایسے ہی لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ”یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔“

وہ حساب لینے میں دیر نہیں لگاتا۔ آخری آیت پھر بہت جامع ہے:

**آیت ۲۰۰** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا﴾ ”اے اہل ایمان! صبر کرو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ“

مصابرت باب مفاعلہ سے ہے اور اس باب میں مقابلے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ صبر کے معنی ہیں برداشت کرنا اور ثابت قدم رہنا جبکہ مصابرت کے معنی صبر و استقامت میں دشمن سے بڑھ جانے کے ہیں۔ یعنی اے مسلمانو! صبر تو تمہارے دشمن بھی کر رہے ہیں۔ تمہیں آج چرکا لگا ہے تو انہیں ایک سال پہلے ایسا ہی چرکا لگا تھا۔ اتنے بڑے چرکے کے بعد جب وہ ایک سال کے اندر پھر چڑھائی کر کے آگئے ہیں تو تم اپنا دل غمگین کر کے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ تمہیں تو ان سے بڑھ کر صبر کرنا ہے ان سے بڑھ کر قربانیاں دینی ہیں تبھی تو تم اللہ کے سچے وفادار ثابت ہو گے۔

﴿وَرَابِطُوا﴾ ”اور مربوط رہو۔“

مربوطہ پہرے کو بھی کہتے ہیں اور نظم و ضبط (discipline) کی پابندی کرتے ہوئے باہم جڑے رہنے کو بھی۔ غزوہٴ احد میں مسلمانوں کو شکست نظم کے ڈھیلے پن اور سمج و طاعت میں کوتاہی کے باعث ہوئی تھی۔ لہذا یہاں صبر و مصابرت کے ساتھ ساتھ نظم کی پابندی اور باہم مربوط رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

یہ آخری اور اہم ترین چیز ہے۔ یہ سب کچھ کرو گے تو فلاح ملے گی۔ ایسے ہی گھر بیٹھے تم فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں ہو سکو گے۔



بِإِنِّ الْقُرْآنِ

سُورَةُ النِّسَاءِ

(٤)



# سُورَةُ النِّسَاءِ

## تمہیدی کلمات

قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپ ہیں ان میں سے پہلا گروپ پانچ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس گروپ میں مکی سورۃ صرف سورۃ الفاتحہ ہے جو حجم میں بہت چھوٹی مگر معنی و مفہوم اور عظمت و فضیلت میں بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد چار سورتیں مدنی ہیں: البقرۃ، النساء، آل عمران اور المائدۃ۔ یہ چار سورتیں دو دو سورتوں کے دو جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ پہلا جوڑا سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کا ہے اور انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے ایک مشترک نام دیا ہے ”الزُّهُورِ اَوَّيْنِ“۔ ان دو سورتوں میں باہم جو مناسبتیں اور مشابہتیں ہیں وہ ان کے مطالعہ کے دوران تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی رہی ہیں۔

اب ہم مدنی سورتوں کے دوسرے جوڑے یعنی سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔ ان دو جوڑوں میں ایک نمایاں فرق (contrast) یہ نظر آئے گا کہ سابقہ دونوں سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے اور اس کے فوراً بعد دونوں میں قرآن مجید اور کتب سماویہ کی عظمت کا بیان ہے جبکہ زیر مطالعہ دونوں سورتوں میں اس طرح کی کوئی تمہیدی گفتگو نہیں ہے بلکہ ان میں براہ راست خطاب ہو رہا ہے۔ البتہ نسبت زوجیت کے اعتبار سے زیر مطالعہ سورتوں کے بارے میں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ سورۃ النساء کے آغاز میں صیغہ خطاب ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ (اے لوگو) ہے یعنی خطاب عام ہے جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے صیغے سے ہوتا ہے یعنی سورۃ المائدہ میں خطاب خاص طور پر انسانوں میں سے اُن لوگوں سے ہے جو ایمان کے دعوے دار ہیں۔ باقی جس طرح سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران نصفین میں منقسم ہیں اس طرح کا معاملہ ان دونوں سورتوں کا نہیں ہے۔

اپنے اسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مشابہ ہیں۔ یعنی ان میں بھی مختلف مضامین کی لڑیاں ایک ساتھ چل رہی ہیں، لیکن یہ لڑیاں ایک رسی کی طرح آپس میں اس طرح بٹی ہوئی اور گتھی ہوئی ہیں کہ دیکھنے والے کو مسلسل نہیں بلکہ کٹواں نظر آتی ہیں۔ ظاہر ہے اگر آپ چار مختلف رنگوں کی لڑیوں کو آپس میں بٹ کر رسی کی شکل دے دیں تو ان میں سے کوئی سارنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا بلکہ باری باری چاروں رنگ نظر آتے رہیں گے۔ لیکن اگر آپ اس رسی کو کھول دیں گے تو ہر ایک لڑی الگ الگ ہو جائے گی اور چاروں رنگ الگ الگ نظر آئیں گے۔ سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مضامین کے بارے میں قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ یہ مضامین مختلف رنگوں کی چار لڑیوں کی طرح ہیں جن میں دو کا تعلق شریعت سے



ہے اور دوکا جہاد فی سبیل اللہ سے۔ شریعت کی دو لڑیوں میں سے ایک لڑی عبادات کی اور دوسری معاملات کی ہے جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کی لڑیوں میں سے ایک لڑی جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی اور دوسری جہاد بالنفس کی آخری شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کی ہے۔

سورۃ النساء کے مضامین بھی مختلف رنگوں کی باہم گتھی ہوئی تین لڑیوں کی مانند ہیں۔ مضامین کی یہ تین لڑیاں خطاب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک لڑی تو وہ ہے جس میں خطاب اہل ایمان سے ہے اور سورۃ البقرۃ کی طرح اس کے ذیل میں وہی چار چیزیں آرہی ہیں: قتال، انفاق، احکام شریعت اور عبادات۔ دوسری لڑی اہل کتاب سے خطاب کی ہے اور اس میں نصاریٰ اور یہود دونوں شامل ہیں۔ پہلی دو سورتوں (سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران) میں یہود و نصاریٰ کا معاملہ علیحدہ علیحدہ تھا جبکہ اس سورۃ میں اہل کتاب کے عنوان سے ان دونوں سے ایک ساتھ خطاب ہوتا ہے۔ مضمون کی تیسری لڑی اس سورۃ مبارکہ کا وہ سب سے بڑا حصہ ہے جو منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے، لیکن اکثر و بیشتر لوگ اس اندازِ خطاب کو سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں منافقین کو بھی ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے صیغے سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ پورے قرآن میں کہیں بھی ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ نَافَقُوا“ کے الفاظ نہیں آئے۔ قرآن مجید میں صیغہ خطاب ”يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ“ بھی ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا“ بھی ہے اور ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ بھی، لیکن ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ نَافَقُوا“ کہیں نہیں ہے۔ اس لیے کہ منافقین بھی قانوناً تو مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ یہ پہچاننے کے لیے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے الفاظ میں کس مقام پر روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے اور کس مقام پر منافقین کی طرف۔ اگر یہ فرق ملحوظ نہ رکھا جائے تو بعض مقامات پر بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً سورۃ التوبہ کا یہ مقام ملاحظہ کیجیے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتِلُمُ إِلَى الْأَرْضِ﴾ (آیت ۳۸) ”اے اہل ایمان! تمہیں کیا ہو جاتا ہے جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین میں دھسے جاتے ہو؟“ اس اندازِ مخاطب سے ایک سوء ظن پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید یہ عام مسلمانوں کا حال تھا۔ حالانکہ اس طرزِ عمل کا مظاہرہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ منافقین کی طرف سے ہوتا تھا، چنانچہ یہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف نہیں منافقین کی طرف ہے۔ مؤمنین صادقین میں سے تو ہر کوئی ہر وقت اپنے مال و جان کو ہتھیلی پر رکھے اس شعر کی عملی تصویر نظر آتا تھا:۔

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا

تہا نہیں لوٹی کبھی آواز جس کی!

منافقین سے خطاب کے اعتبار سے یہ سورۃ مبارکہ بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ سورۃ البقرۃ میں تو لفظ نفاق کہیں آیا ہی نہیں۔ اس حوالے سے حکمت خداوندی شاید یہی تھی کہ اس مرض کو پہلے چھپا کر رکھا جائے اور ابتدا میں اس کی صرف علامات بیان کر دی جائیں تاکہ جو کوئی بھی اپنے اندر ان علامات کو دیکھے وہ متنبہ ہو جائے اور اپنے علاج کی فکر کرے۔ لیکن جو لوگ اس طرح متوجہ نہیں ہوئے انہیں تدریجاً نمایاں کیا گیا۔ چنانچہ



سورہ آل عمران میں ایک دو جگہ نفاق کا لفظ آ گیا۔ لیکن اب یہاں سورہ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس سورت کی ۱۷۶ آیات میں سے ۵۵ آیات میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے، ۳۷ آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مشترک طور پر خطاب ہے جبکہ ۸۲ آیات میں خطاب منافقین سے ہے۔ لیکن یاد رہے کہ انہیں جہاں بھی مخاطب کیا گیا ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے صیغے میں کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ بھی تھے۔ منافق وہی تو ہوتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں ایمان سے تہی دامن ہوتا ہے، چاہے وہ شعوری طور پر منافق ہو چاہے غیر شعوری طور پر۔

سورہ النساء اور سورہ المائدہ کے مابین مضامین کی تقسیم کا یہ پہلو بھی مد نظر رہے کہ انسانی تمدن اور معاشرت کی بنیادی سطح کے معاملات کے بارے میں زیادہ تر احکام سورہ النساء میں آئے ہیں جبکہ اعلیٰ ترین (ریاستی اور حکومتی) سطح کے مسائل سے متعلق ہدایات سورہ المائدہ میں دی گئی ہیں۔ انسانی تمدن کی بنیاد معاشرے پر ہے اور معاشرے کی بنیادی اکائی (unit) خاندان ہے جو ایک عورت اور ایک مرد کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ گویا انسانی تمدن و معاشرت کے زیادہ تر بنیادی مسائل گھریلو زندگی سے متعلق ہیں۔ یہ مسائل و معاملات سورہ البقرہ میں بہت تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں جبکہ سورہ النساء میں اس موضوع سے متعلق کچھ مزید احکام وارد ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سورت میں معاشرے کے کمزور اور دبے ہوئے افراد کے حقوق کے تحفظ اور جنسی نظم و ضبط (sex-discipline) کی ترویج جیسے بنیادی اہمیت کے حامل معاملات کے بارے میں بھی اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ دوسری طرف سورہ المائدہ میں ریاستی معاملات کے خدو خال عدالتی نظام کے قواعد و ضوابط اور چوری و راہزنی جیسے جرائم سے متعلق حدود و تعزیرات کا ذکر ملتا ہے۔

پہلے گروپ کی ان چار مدنی سورتوں کے مضامین کا یہ عمومی نقشہ ایک مرتبہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ان سورتوں میں دو مضمون متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے جس کے بارے میں ابتدائی خاکہ سورہ البقرہ میں دیا گیا ہے اور کچھ مزید احکام سورہ النساء میں آئے ہیں۔ جبکہ شریعت کے تکمیلی احکام سورہ المائدہ میں بیان ہوئے ہیں۔ سورہ آل عمران اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں شریعت کے احکام نہیں ہیں سوائے سورہ کے بارے میں اس ایک حکم کے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ (آیت ۱۳۰)۔

ان سورتوں کا دوسرا اہم مضمون اہل کتاب سے خطاب ہے اور وہ بھی تدریجاً آگے بڑھتے ہوئے سورہ المائدہ میں اپنی تکمیلی صورت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب سے آخری اور فیصلہ کن باتیں سورہ المائدہ میں ملتی ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اس سورہ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

## آیات ۱۰ تا ۱۰

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ  
مِنْهَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ وَأْتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَيْرَ بِالْطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا  
أَمْوَالَهُم إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا  
مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنِّي وَتِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَفَتْ ۚ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا  
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ وَأْتُوا النِّسَاءَ صِدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ  
لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ۝ وَلَا تُوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ  
اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ  
إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشَدًا فَأَدْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْكُلُوهَا  
إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ  
بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝  
لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ  
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْبَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ  
وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ فَارزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَلَا يَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا  
مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۚ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ  
الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۚ وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۝

**آیت ۱۰** ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ ”اے لوگو اپنے اس رب کا

تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا“

دیکھئے معاشرتی مسائل کے ضمن میں گفتگو اس بنیادی بات سے شروع کی گئی ہے کہ اپنے خالق و مالک کا

تقویٰ اختیار کرو۔

﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ”اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا“



نوٹ کیجیے کہ یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ”اُس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا اور اسی (آدم) سے اس کا جوڑا بنایا“، بلکہ ”نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“ (ایک جان) کا لفظ ہے۔ گویا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عین آدم ہی سے ان کا جوڑا بنایا گیا ہو جیسا کہ بعض روایات سے بھی اشارہ ملتا ہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آدم کی نوع سے ان کا جوڑا بنایا گیا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اس لیے کہ نوع ایک ہے جنسیں دو ہیں۔ انسان (Human beings) نوع (species) ایک ہے لیکن اس کے اندر ہی سے جو جنسی تفریق (sexual differentiation) ہوئی ہے اس کے حوالے سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔

﴿وَبَنَّا مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ ”اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) کثیر تعداد

میں مرد اور عورتیں۔“

”مِنْهُمَا“ سے مراد یقیناً آدم و حوا ہیں۔ یعنی اگر آپ اس تمدن انسانی کا سراغ لگانے کے لیے پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو آغاز میں ایک انسانی جوڑا (آدم و حوا) پائیں گے۔ اس رشتہ سے پوری نوع انسانی اس سطح پر جا کر رشتہ اخوت میں منسلک ہو جاتی ہے۔ ایک تو سگے بہن بھائی ہیں۔ دادا دادی پر جا کر cousins کا حلقہ بن جاتا ہے۔ اس سے اوپر پڑا پڑا دادی پر جا کر ایک اور وسیع حلقہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح چلتے جائیے تو معلوم ہوگا کہ پوری نوع انسانی بالآخر ایک جوڑے (آدم و حوا) کی اولاد ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ ”اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک

دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔“

تقویٰ کی تاکید ملاحظہ کیجیے کہ ایک ہی آیت میں دوسری مرتبہ پھر تقویٰ کا حکم ہے۔ فرمایا کہ اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ فقیر بھی مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے اللہ کے واسطے مانگتا ہے اور اکثر و بیشتر جو تمدنی معاملات ہوتے ہیں ان میں بھی اللہ کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں کو جب نمٹایا جاتا ہے تو آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کا نام مانو اور اپنی اس ضد سے باز آ جاؤ! تو جہاں آخری اپیل اللہ ہی کے حوالے سے کرنی ہے تو اگر اُس کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ جھگڑے ہوں گے ہی نہیں۔ اُس نے اس معاشرے کے مختلف طبقات کے حقوق معین کر دیے ہیں مثلاً مرد اور عورت کے حقوق رب المال اور عامل کے حقوق فرد اور اجتماعیت کے حقوق وغیرہ۔ اگر اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس کے عائد کردہ حقوق و فرائض کی پابندی کی جائے تو جھگڑا نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو! جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ رحمی رشتوں کا اولین دائرہ بہن بھائی ہیں جو اپنے والدین کی اولاد ہیں۔ پھر دادا دادی پر جا کر ایک بڑی تعداد پر مشتمل دوسرا دائرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ رحمی رشتے ہیں۔ انہی رحمی رشتوں کو پھیلاتے جائیے تو کل بنی آدم اور کل بنات حوا سب ایک ہی نسل سے ہیں ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔“



یہ تقویٰ کی روح ہے۔ اگر ہر وقت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، میرا ہر عمل اُس کی نگاہ میں ہے، کوئی عمل اُس سے چھپا ہوا نہیں ہے تو انسان کا دل اللہ کے تقویٰ سے معمور ہو جائے گا۔ اگر یہ استحضار رہے کہ چاہے میں نے سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں اور پردے گرا دیے ہیں لیکن ایک آنکھ سے میں نہیں چھپ سکتا تو یہی تقویٰ ہے۔ اور اگر تقویٰ ہوگا تو پھر اللہ کے ہر حکم کی پابندی کی جائے گی۔

یہ حکمتِ نبوت ہے کہ اس آیت کو نبی اکرم ﷺ نے خطبہ نکاح میں شامل فرمایا۔ نکاح کے ذریعے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہوتا ہے۔ اس موقع پر آدم کا ایک بیٹا اور حوا کی ایک بیٹی پھر اسی رشتے میں منسلک ہونے کا عہد کرتے ہیں جس میں آدم اور حوا منسلک ہوئے تھے۔ جس طرح اُن دونوں سے نسل پھیلی ہے اسی طرح اب ان دونوں سے نسل آگے بڑھے گی۔ لیکن اس پورے معاشرتی معاملے میں، خاندانی معاملات میں عائلی معاملات میں اللہ کا تقویٰ انتہائی اہم ہے۔ جیسے ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے حوالے سے بار بار ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس لیے کہ اگر تقویٰ نہیں ہوگا تو پھر خالی قانون موثر نہیں ہوگا۔ قانون کو تو تختہ مشق بھی بنایا جاسکتا ہے کہ بظاہر قانون کا تقاضا پورا ہو رہا ہو لیکن اس کی روح بالکل ختم ہو کر رہ جائے۔ سورۃ البقرۃ میں اسی طرزِ عمل کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ (آیت ۲۳۱) ”اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بنا لو۔“

**آیت ۲** ﴿وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ﴾ ”اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کر دو“

یتامیٰ کا طبقہ معاشرے کے دبے ہوئے طبقات میں سے تھا۔ دورِ جاہلیت میں ان کے کوئی حقوق نہیں تھے ان کے مال ہڑپ کر لیے جاتے تھے۔ وہ بہت کمزور تھے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ بِالْطَّيِّبِ﴾ ”اور (اپنے) برے مال کو (ان کے) اچھے مال سے نہ بدل لو“  
ایسا ہرگز نہ ہو کہ یتیموں کے مال میں سے اچھا اچھالے لیا اور اپنا روٹی مال اس میں شامل کر دیا۔  
﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمُ الٰی أَمْوَالِكُمْ﴾ ”اور ان کے مال اپنے مالوں میں شامل کر کے ہڑپ نہ کرو۔“  
﴿إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾ ”یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

یتیموں کے بعض سرپرست جو تقویٰ اور خوفِ خدا سے تہی دامن ہوتے ہیں، اول تو ان کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو ان کا اچھا مال خورد برد کر کے اپنا روٹی اور بے کار مال اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اس طرح تعداد پوری کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ اسے باسانی ہڑپ کر سکیں۔ ان کو ایسے سب ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔

**آیت ۳** ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ ”اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے“

﴿فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعَ﴾ ”تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ

بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار تک۔“



اس آیت میں ”یتامی“ سے مراد یتیم بچیاں اور خواتین ہیں۔ یتیم لڑکے تو عمر کی ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے زندگی گزار لیتے تھے، لیکن یتیم لڑکیوں کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے ولی اور سرپرست ان کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے۔ اس طرح یتیم لڑکیوں کے مال بھی ان کے قبضے میں آجاتے تھے اور یتیم لڑکیوں کے پیچھے ان کے حقوق کے معاملے میں ان سے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اگر ماں باپ ہوتے تو ظاہر ہے کہ وہ بچی کے حقوق کے بارے میں بھی کوئی بات کرتے۔ لہذا ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ان یتیم بچیوں سے نکاح مت کرو بلکہ دوسری عورتیں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ اگر ضرورت ہو تو دو دو تین تین چار چار کی حد تک نکاح کر سکتے ہو اس کی تمہیں اجازت ہے۔ لیکن تم یتیم بچیوں کے ولی بن کر ان کی شادیاں کہیں اور کرو تا کہ تم ان کے حقوق کے پاسان بن کر کھڑے ہو سکو۔ ورنہ اگر تم نے ان کو اپنے گھروں میں ڈال لیا تو پھر کون ہوگا جو ان کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پرس کر سکے؟ — منکرینِ سنت اور منکرینِ حدیث نے اس آیت کی مختلف تعبیرات کی ہیں جن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں۔ بہر حال اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو سلف سے چلا آ رہا ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ مزید برآں تعددِ ازدواج کے بارے میں یہی ایک آیت قرآن مجید میں ہے۔ اس آیت کی رو سے تعددِ ازدواج کو محدود کیا گیا ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ ”لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو

گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو“

یہ جو ہم نے اجازت دی ہے کہ دو دو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح کر لو اس کی شرط لازم یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس شرط کو پورا نہیں کر سکو گے اور ان میں برابری نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو اس سے زائد نہیں۔ بیویوں کے مابین عدل و انصاف میں ہر اس چیز کا اعتبار ہوگا جو شمار میں آ سکتی ہے۔ مثلاً ہر بیوی کے پاس جو وقت گزارا جائے اس میں مساوات ہونی چاہیے۔ نان نفقہ زیورات کپڑے اور دیگر مال و اسباب غرضیکہ تمام مادی چیزیں جو دیکھی بھالی جاسکتی ہیں ان میں انصاف اور عدل لازم ہے۔ البتہ دلی میلان اور رجحان جس پر انسان کو قابو نہیں ہوتا اس میں گرفت نہیں ہے۔

﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ”یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمن ہوں۔“

یعنی وہ عورتیں جو جنگوں میں گرفتار ہو کر آئیں اور حکومت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ان کی تعداد پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ ”یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔“

کہ بس ایک ہی بیوی کی طرف میلان ہے اور جیسا کہ آگے آیت ۱۲۹ میں آئے گا دوسری معلق ہو کر رہ گئی ہیں کہ نہ وہ شوہر والیاں ہیں اور نہ آزاد ہیں کہ کہیں اور نکاح کر لیں۔



**آیت ۴** ﴿وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط﴾ ”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی کے ساتھ دیا کرو۔“  
عورتوں کے مہر تاوان سمجھ کر نہ دیا کرو بلکہ فرض جانتے ہوئے ادا کیا کرو۔ صَدُقَاتُ صِدَاقِ کی جمع ہے جبکہ صَدَقَةٌ کی جمع صَدَقَاتُ آتی ہے۔

﴿فَإِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ ”پھر اگر وہ خود اپنی رضامندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں“  
تم نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ انہیں ادا کر دیا اب وہ تمہیں اس میں سے کوئی چیز ہدیہ کر رہی ہیں، تمہدے رہی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

﴿فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾ ”تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگوار سے۔“  
تم اسے بے کھٹکے استعمال میں لا سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو ان کی مرضی سے زبردستی اور جبر کر کے نہ لے لیا جائے۔

**آیت ۵** ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا﴾ ”اور مت پکڑا دونا سمجھوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے گزران کا ذریعہ بنایا ہے“  
معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو نادانوں اور نا سمجھ لوگوں (سُفَهَاء) پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں بچے بھی شامل ہیں جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے۔ ایسے بچے اگر یتیم ہو جائیں تو وہ وراثت میں ملنے والے مال کو اللوں تللوں میں اڑا سکتے ہیں۔ لہذا یہاں ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے مال کے بے جا استعمال کی معاشرتی سطح پر روک تھام ہونی چاہیے۔ یہ تصور ناقابل قبول ہے کہ میرا مال ہے، میں جیسے چاہوں خرچ کروں! چنانچہ اس مال کو ”أَمْوَالِكُمْ“ کہا گیا کہ یہ اصل میں معاشرے کی مشترک بہبود کے لیے ہے۔ اگرچہ انفرادی ملکیت ہے، لیکن پھر بھی اسے معاشرے کی مشترک بہبود میں خرچ ہونا چاہیے۔

﴿وَأَرْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ﴾ ”ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو“

﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ ”اور ان سے بات کیا کرو اچھے انداز میں۔“

اسی اصول کے تحت برطانوی دور کے ہندوستان میں Court of wards مقرر کر دیے جاتے تھے۔ اگر کوئی بڑا جاگیردار یا نواب فوت ہو جاتا اور یہ اندیشہ محسوس ہوتا کہ اس کا بیٹا آوارہ ہے اور وہ سب کچھ اڑا دے گا، ختم کر دے گا تو حکومت اس میراث کو اپنی حفاظت میں لے لیتی اور وراثت کے لیے اس میں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیتی۔ باقی سب مال و اسباب جمع رہتا تھا تا کہ یہ ان کی آئندہ نسل کے کام آسکے۔

**آیت ۶** ﴿وَابْتَلُوا الَّتِي حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ ”اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔“

﴿فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشَدًا﴾ ”پھر اگر تم ان کے اندر سو جھ بوجھ پاؤ“



تم محسوس کرو کہ اب یہ باشعور ہو گئے ہیں، سمجھ دار ہو گئے ہیں۔

﴿فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ ”تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔“

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّ بَدَارًا اَنْ يَّكْبُرُوْا ط﴾ ”اور تم اسے ہڑپ نہ کر جاؤ اسراف اور

جلد بازی کر کے (اس ڈر سے) کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔“

ایسا نہ ہو کہ تم یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلد بازی میں خرچ کرنے لگو، اس خیال سے کہ بچے جوان

ہو جائیں گے تو یہ مال ان کے حوالے کرنا ہے، لہذا اس سے پہلے پہلے ہم اس میں سے جتنا ہڑپ کر سکیں کر جائیں۔

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ ”اور جو کوئی غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ پرہیز کرے۔“

یتیم کا ولی اگر خود غنی ہے، اللہ نے اس کو دے رکھا ہے، اس کے پاس کشائش ہے تو اسے یتیم کے مال میں

سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں ہے۔ پھر اسے یتیم کے مال سے بچتے رہنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط﴾ ”اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے دستور کے مطابق۔“

اگر کوئی خود تنگ دست ہے، محتاج ہے اور وہ یتیم کی نگہداشت بھی کر رہا ہے، اس کا کچھ وقت بھی اس پر

صرف ہو رہا ہے تو معروف طریقے سے اگر وہ یتیم کے مال میں سے کچھ کھا بھی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسلام

کی تعلیم بڑی فطری ہے، اس میں غیر فطری بندشیں نہیں ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔

﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ ط﴾ ”پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو

تو اس پر گواہ ٹھہرا لو۔“

ان کا مال و متاع گواہوں کی موجودگی میں ان کے حوالے کیا جائے کہ ان کی یہ یہ چیزیں آج تک میری

تحویل میں تھیں، اب میں نے ان کے حوالے کر دیں۔

﴿وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶﴾ ”اور اللہ کافی ہے حساب لینے کے لیے۔“

یہ دنیا کا معاملہ ہے کہ اس کے لیے لکھت پڑھت اور شہادت ہے۔ باقی اصل حساب تو تمہیں اللہ کے ہاں

جا کر دینا ہے۔

**آیت ۷** ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۝۷﴾ ”مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس

میں سے جو ترکہ چھوڑا ہو والدین نے اور رشتہ داروں نے“

﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۝۸﴾ ”اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے

جو ترکہ ہے والدین اور رشتہ داروں کا“

یہاں اب پہلی مرتبہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا جا رہا ہے، ورنہ قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کا

کوئی حق وراثت نہیں تھا۔

﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرُ ۝۹﴾ ”چاہے وہ وراثت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔“



اللہ تعالیٰ کا قانون اس پر ہر صورت میں پوری طرح نافذ ہونا چاہیے۔

﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ ﴿۷﴾ ”یہ حصہ ہے (اللہ کی طرف سے) فرض کیا گیا۔“

آگے آپ دیکھیں گے کہ اس قانون وراثت کی کس طرح بار بار تاکید آ رہی ہے۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی دیکھتے رہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کس طرح دھجیاں بکھرتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شمالی علاقے میں ویسے تو نماز روزہ کا بہت اہتمام ہوتا ہے، لیکن وہاں کے لوگ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کو کسی صورت تیار نہیں ہوتے، بلکہ اپنے رواج کی پیروی کرتے ہیں۔

**آیت ۸** ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ﴾ ”اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج“

جب وراثت کی تقسیم ہو رہی ہو تو اب اگر وہاں کچھ قرابت دار، کچھ یتیم اور کچھ محتاج بھی آ جائیں۔  
﴿فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ ﴿۸﴾ ”تو انہیں بھی کچھ دے دلا دو اس میں سے اور ان سے معقول انداز میں بات کرو۔“

وہ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ بالکل محتاج ہیں، تو ان کے احساسِ محرومیت کا جو بھی مداوا ہو سکتا ہے کرو اور ان سے بڑے اچھے انداز میں بات کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں کہ ہماری وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور یہاں تم کون آگئے ہو؟

**آیت ۹** ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً ضُعَفَاءَ خَافُوا عَلَيْهِمْ﴾ ”اور ڈرتے رہنا چاہیے ان لوگوں کو کہ اگر انہوں نے بھی چھوڑے ہوتے اپنے پیچھے ناتواں بچے تو ان کے بارے میں انہیں کیسے اندیشے ہوتے۔“

﴿فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾ ”تو انہیں چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں“  
انہیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ یتیم جو اس وقت آگئے ہیں یہ بھی کسی کے بچے ہیں، جن کے سر پر باپ کا سایہ نہیں رہا۔ لہذا وہ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔

﴿وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ ﴿۹﴾ ”اور سیدھی سیدھی (حق پر مبنی) بات کریں۔“

**آیت ۱۰** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں ناحق“  
﴿إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ ”وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔“  
﴿وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ ﴿۱۰﴾ ”اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔“

اندر کی آگ تو وہ خود اپنے پیٹوں میں ڈال رہے ہیں اور وہ خود بھی سمونچے دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ گویا ایک آگ ان کے اندر ہوگی اور ایک وسیع و عریض آگ ان کے باہر ہوگی۔ یہ دس آیتیں بڑی جامع ہیں، جن میں اس معاشرے کے پسماندہ طبقات میں سے ایک ایک کا خیال کر کے نہایت باریک بینی اور حکمت کے ساتھ احکام دیے گئے ہیں۔



## آیات ۱۳ تا ۱۴

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَكَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَكَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبِيهِ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ لِأَبَائِكُمْ وَلِأُمَّاتِكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُم أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلِكُم نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لهنَّ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكَم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَكَانَ أَخًا أَوْ أُخْتًا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ غَيْرِ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يَدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

۱۳

سورۃ النساء کا دوسرا رکوع بڑا مختصر ہے۔ اس رکوع میں صرف چار آیات ہیں، لیکن معنوی طور پر ان میں ایک قیامت مضمون ہے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ چار آیتوں کے اندر اسلام کا پورا قانون وراثت بیان کر دیا گیا ہے جس کی تشریح میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گویا جامعیت کی انتہا ہے۔

**آیت ۱۳** ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے

بارے میں“

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ ”کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر۔“

﴿فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ ”پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے

زیادہ تو ان کے لیے تر کے کا دو تہائی ہے۔“

﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ”اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔“

ظاہر ہے اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ پورے تر کے کا وارث ہو جائے گا۔ لہذا جب بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا ہے تو



اگر ایک ہی بیٹی ہے تو اسے آدھی وراثت ملے گی، آدھی دوسرے لوگوں کو جائے گی۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔  
 ﴿وَلَا بَوَّيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ”اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے جو اس نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔“

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو اس کی وراثت میں سے ان کا بھی معین حصہ ہے۔ اگر وفات پانے والا شخص صاحب اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے وراثت میں چھٹا حصہ ہے۔ یعنی میت کے ترکے میں سے ایک تہائی والدین کو چلا جائے گا اور دو تہائی اولاد میں تقسیم ہوگا۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ ”اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔“  
 اگر کوئی شخص لا ولد فوت ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے اس کی ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ یعنی باپ کا حصہ ماں سے دوگنا ہو جائے گا۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ”پھر اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔“

اگر مرنے والا بے اولاد ہو لیکن اس کے بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ مزید کم ہو کر ایک تہائی کے بجائے چھٹا حصہ رہ جائے گا اور باقی باپ کو ملے گا، لیکن بہن بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ باپ کی طرف سے وراثت کے حق دار ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی فرما دیا:  
 ﴿مَنْ بَعْدَ وَحَيْثُ يُوْصَىٰ بِهَا أَوْ دِينٍ﴾ ”بعد اس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائے یا بعد ادا کے۔“

وراثت کی تقسیم سے پہلے دو کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس شخص کے ذمے کوئی قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اس نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے۔ پھر وراثت تقسیم ہوگی۔  
 ﴿أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ”تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نافع ہے۔“

﴿فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔“  
 تم اپنی عقلوں کو چھوڑو اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وراثت تقسیم کرو۔ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ میرے بوڑھے والدین ہیں، میری وراثت میں خواہ مخواہ ان کے لیے حصہ کیوں رکھ دیا گیا ہے؟ یہ تو کھاپی چکے زندگی گزار چکے، وراثت تو اب میری اولاد ہی کو ملنی چاہیے، تو یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ تمہیں بس اللہ کا حکم ماننا ہے۔



﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔“

اس کا کوئی حکم علم اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۝﴾ ”اور تمہارا حصہ تمہاری

بیویوں کے ترکے میں سے آدھا ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔“

بیوی فوت ہوگئی ہے اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے تو جو وہ چھوڑ گئی ہے اس میں سے نصف شوہر کا ہو جائے گا۔ باقی جو نصف ہے وہ مرحومہ کے والدین اور بہن بھائیوں میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ ۝﴾ ”اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے لیے

چوتھائی ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا“

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝﴾ ”بعد اُس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائیں یا بعد

ادائے قرض کے۔“

اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے ادائے دین و انفاذ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور باقی تین چوتھائی دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۝﴾ ”اور ان کے لیے چوتھائی ہے تمہارے

ترکے کا اگر تمہارے اولاد نہیں ہے۔“

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ ۝﴾ ”اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لیے

آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے میں سے“

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝﴾ ”اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض

ادا کرنے کے بعد۔“

اگر مرنے والے نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو ادائے دین و انفاذ وصیت کے بعد اس کی بیوی کو اُس کے ترکے کا چوتھائی ملے گا اور اگر اُس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو اس صورت میں بعد ادائے دین و وصیت کے

بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ حصہ سب بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً ۝﴾ ”اور اگر کوئی شخص جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے

کلالہ ہو یا عورت ہو ایسی ہی“

”کلالہ“ وہ مرد یا عورت ہے جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

﴿وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۝﴾ ”اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو

ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔“

﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۝﴾ ”اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ



سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے“

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں کلالہ کی میراث کے حکم میں بھائی اور بہنوں سے مراد اخیانی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں۔ رہے عینی اور علاقائی بھائی بہن تو ان کا حکم اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ عربوں میں دراصل تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ ایک ”عینی“ جن کا باپ بھی مشترک ہو اور ماں بھی جنہیں ہمارے ہاں ”حقیقی“ کہتے ہیں۔ دوسرے ”علاقائی“ بہن بھائی جن کا باپ ایک اور ماںیں جدا ہوں۔ اہل عرب کے ہاں یہ بھی حقیقی بہن بھائی ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو ”عینی“ بہن بھائیوں کا ہے۔ وہ انہیں ”سوتیلا“ نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں سوتیلا وہ کہلاتا ہے جو ایک ماں سے ہو لیکن اس کا باپ دوسرا ہو۔ یہ ”اخیانی“ بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ ایک شخص کی اولاد تھی وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔ تو اب اس دوسرے خاوند سے جو اولاد ہے وہ پہلے خاوند کی اولاد کے اخیانی بہن بھائی ہیں۔ تو کلالہ کی میراث کے حکم میں یہاں اخیانی بھائی بہن مراد ہیں۔

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ ”اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو کی گئی یا ادائے قرض

کے بعد“

یہ دو شرطیں بہر صورت باقی رہیں گی۔ مرنے والے کے ذمے اگر کوئی قرض ہے تو پہلے وہ ادا کیا جائے گا پھر اس کی وصیت کی تعمیل کی جائے گی اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔

﴿غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ ”بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔“

یہ سارا کام ایسے ہونا چاہیے کہ کسی کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ﴾ ”یہ تاکید ہے اللہ کی طرف سے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا کمالِ حلم والا ہے۔“

اُس کے حلم اور بردباری پر دھوکہ نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں پکڑ نہیں رہا ہے۔ ”نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی!“ اُس کی پکڑ جب آئے گی تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہوگا: ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ (البروج) ”یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

آیت ۱۳ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ ”یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔“

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”اور جو اللہ اور اُس کے

رسول کی اطاعت کرے گا وہ داخل کرے گا اسے ان باغات میں جس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی“

﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

﴿وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔“

آیت ۱۴ ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ﴾ ”اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے



رسول کی اور تجاوز کرے گا اُس کی حدود سے“

﴿يُدْخِلُهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا﴾ ”وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔“

﴿وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”اور اس کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔“

## آیات ۲۲ تا ۲۵

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا  
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا  
مِنْكُمْ فَاذْذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۝ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ إِنَّمَا التَّوْبَةُ  
عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتَوَفَّوْنَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَكَانَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ  
أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ يَا رَبُّ وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۝ أُولَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۝ وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ  
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ ۝ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۝  
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ  
اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مِمَّنْ زَوْجٍ ۝ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا  
أَتَأْخُذُونَهُ بَهْتَانًا وَاثْمًا مُّبِينًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ  
وَأَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۝  
إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۝ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

۱۳۷

اب اسلامی معاشرے کی تطہیر کے لیے احکام دیے جا رہے ہیں۔ مسلمان جب تک مکہ میں تھے تو وہاں کفار کا غلبہ تھا۔ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ حیثیت دی کہ وہ اپنے اجتماعی معاملات کو سنوارنا شروع کریں۔ چنانچہ ان سورتوں میں ایک ایک کر کے معاشرتی معاملات اور سماجی مسائل کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عورت اور مرد کی عقّت و عصمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لہذا معاشرے میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے کچھ ابتدائی احکام یہاں اس سورت میں آئے ہیں۔ اس ضمن میں تکمیلی احکام سورۃ النور میں آئیں گے۔ واضح رہے کہ معاشرتی معاملات کے ضمن میں احکام پہلے سورۃ النساء پھر سورۃ الاحزاب پھر سورۃ النور اور پھر سورۃ المائدہ میں بتدریج آئے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کو صحف میں کافی آگے رکھا گیا ہے اور یہاں پر سورۃ النساء کے بعد سورۃ المائدہ آگئی ہے۔



**آیت ۱۵** ﴿وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ﴾ ”اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں“

﴿فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ ”تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔“  
 ﴿فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ﴾ ”پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو“

﴿حَتَّىٰ يَتَوَقَّعَنَّ الْمَوْتَ﴾ ”یہاں تک کہ موت ان کو لے جائے“

اسی حالت میں ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

﴿أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵﴾ ”یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔“

بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سوسو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تا حکم ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے۔

**آیت ۱۶** ﴿وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادَّوَّهُمَا﴾ ”اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔“

اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین و تذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔

﴿فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا﴾ ”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کو

چھوڑ دو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝۱۶﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے

والا ہے۔“

واضح رہے کہ یہ بالکل ابتدائی احکام ہیں۔ اسی لیے ان کی وضاحت میں تفسیروں میں بہت سے اقوال مل جائیں گے۔ اس لیے کہ جب حدود نافذ ہو گئیں تو یہ عبوری اور عارضی احکام منسوخ قرار پائے۔ جیسے کہ سورۃ النساء میں قانون وراثت نازل ہونے کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد شدہ وصیت کا حکم ساقط ہو گیا۔

**آیت ۱۷** ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾ ”اللہ کے ذمے ہے توبہ قبول کرنا

ایسے لوگوں کی جو کوئی بری حرکت کر بیٹھتے ہیں جہالت اور نادانی میں“

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ﴾ ”پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں“

ایک صاحب ایمان پر کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ خارجی اثرات اتنے شدید ہو جائیں یا نفس کے اندر کا



ہیجان اسے جذبات سے مغلوب کر دے اور وہ کوئی گناہ کا کام کر گزرے۔ لیکن اس کے بعد اسے جیسے ہی ہوش آئے گا اس پر شدید ندامت طاری ہو جائے گی اور وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ط﴾ ”تو یہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا۔“

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۱۷﴾ ”اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور حکیم و دانایا ہے۔“

**آیت ۱۸** ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ﴾ ”اور ایسے لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے توبہ کا

جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں۔“

مسلح حرام خوریاں کرتے رہتے ہیں زندگی بھر عیش اڑاتے رہتے ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِسْمَ﴾ ”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی

کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں“

﴿وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط﴾ ”اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں ہی مر

جاتے ہیں۔“

ان کی توبہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۱۸﴾ ”ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار

کر رکھا ہے۔“

**آیت ۱۹** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ط﴾ ”اے اہل ایمان!

تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی وراثت میں لے لو۔“

یہ بھی عرب جاہلیت کی ایک مکروہ رسم تھی جس میں عورتوں کے طبقے پر شدید ظلم ہوتا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ ایک شخص فوت ہوا ہے اس کی چار پانچ بیویاں ہیں تو اس کا بڑا بیٹا وارث بن گیا ہے۔ اب اس کی حقیقی ماں تو ایک ہی ہے، باقی سوتیلی مائیں ہیں، تو وہ ان کو وراثت میں لے لیتا تھا کہ یہ میرے قبضے میں رہیں گی، بلکہ وہ لوگ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں بھی کر لیتے تھے یا بغیر نکاح اپنے گھروں میں ڈالے رکھتے تھے یا پھر یہ کہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان کی شادیاں کہیں اور کرتے تھے تو مہر خود لے لیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے اہل ایمان! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو! جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا وہ آزاد ہے۔ عدت گزار کر وہ جہاں چاہے جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔

﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ ”اور نہ یہ جائز ہے کہ تم انہیں روکے رکھو

تا کہ تم ان سے واپس لے لو اس کا کچھ حصہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے“

نکاح کے وقت تو بڑے چاؤ تھے بڑے لاڈ اٹھائے جا رہے تھے اور کیا کیا دے دیا تھا، اور اب وہ سب



واپس ہتھیانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال ہو رہے ہیں، انہیں تنگ کیا جا رہا ہے، ذہنی طور پر تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔

﴿إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾ ”ہاں اگر وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں (تو تمہیں ان کو تنگ کرنے کا حق ہے)۔“

اگر کسی سے صریح حرام کاری کا فعل سرزد ہو گیا ہو اور اس پر اسے کوئی سزا دی جائے (جیسے کہ اوپر آچکا ہے فَادُوهُمَا) اس کی تو اجازت ہے۔ اس کے بغیر کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر نیت یہ ہو کہ میں اس سے اپنا مہر واپس لے لوں تو یہ انتہائی کمینگی ہے۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے پر معاشرت اختیار کرو۔“  
ان کے ساتھ بھلے طریقے پر خوش اسلوبی سے نیکی اور راستی کے ساتھ گزر بسر کرو۔  
﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ ”اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو بعید نہیں کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اس میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔“

اگر تمہیں کسی وجہ سے اپنی عورتیں ناپسند ہو گئی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کسی شے کو تم ناپسند کرو اور آنحالیکہ اللہ نے اسی میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دیا ہو۔ ایک عورت کسی ایک اعتبار سے آپ کے دل سے اتر گئی ہے، طبیعت کا میلان نہیں رہا ہے، لیکن پتا نہیں اس میں اور کون کون سی خوبیاں ہیں اور وہ کس کس اعتبار سے آپ کے لیے خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرو اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کرو۔ البتہ اگر معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے تو طلاق کا راستہ کھلا ہے، شریعت اسلامی نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ مسیحیت کی طرح کا کوئی غیر معقول نظام نہیں ہے کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

**آیت ۲۰** ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ ”اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ہو“

اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانی ہے۔

﴿وَأَتَيْتُمُ احْدَانَهُنَّ قِنطَارًا﴾ ”اور ان میں سے کسی ایک کو تم نے ڈھیروں مال دیا ہو“

﴿فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ ”تو اس میں سے کوئی بھی شے واپس نہ لو۔“

عورتوں کو تم نے جو مہر دیا تھا وہ ان کا ہے اب اس میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتے۔

﴿أَتَأْخُذُونََهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ ”کیا تم اسے واپس لو گے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے

مرتکب ہو کر؟“

**آیت ۲۱** ﴿وَكَيفَ تَأْخُذُونََهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾ ”اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے



ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟“

کچھ عقل کے ناخن لو، کچھ شعور اور شرافت کا ثبوت دو۔ تم ان سے وہ مال کس طرح واپس لینا چاہتے ہو جبکہ تمہارے مابین دنیا کا انتہائی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے۔

﴿وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۲۱﴾ ”اور وہ تم سے مضبوط قول و قرار لے چکی ہیں۔“

یہ قول و قرار نکاح کے وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کے مہر و نفقہ کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ”اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح

کر چکے ہوں ان سے تم نکاح مت کرو“

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ایامِ جاہلیت میں سوتیلی ماؤں کو نکاح کر کے یا بغیر نکاح کے گھر میں ڈال لیا جاتا تھا۔ ایسے نکاح کو اس معاشرے میں بھی ”نکاحِ مقت“ کہا جاتا تھا۔ یعنی یہ بہت ہی برا نکاح ہے۔ ظاہر ہے فطرتِ انسانی تو ایسے تعلق سے ابا کرتی ہے مگر ان کے ہاں یہ رواج تھا۔ قرآن مجید نے اس مقام پر اس کا سختی سے سدِ باب کیا ہے۔

﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ﴾ ”سوائے اس کے جو ہو چکا۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۗ﴾ ”یقیناً یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو

بھڑکانے والی ہے۔“

﴿وَسَاءَ سَبِيلًا ۗ﴾ ”اور بہت ہی برا راستہ ہے۔“

اگلی آیت میں محرماتِ ابدیہ کا بیان ہے کہ کن رشتوں میں نکاح کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایک مرد اپنی کن کن رشتہ دار خواتین سے شادی نہیں کر سکتا۔

## آیات ۲۳ تا ۲۵

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ  
وَأُمَّهَاتُ الْوَالِدَاتِ وَالْأَخَوَاتِ وَالرَّضَاعَةَ وَالْمُهْرَةَ وَالْمَهْرَةَ وَالْمَهْرَةَ وَالْمَهْرَةَ وَالْمَهْرَةَ وَالْمَهْرَةَ  
فِي حُجُورِكُمْ مِمَّنْ نَسَأْتُمْ فِي الْحُجُورِ لَمَّا خَلْتُمُوهُنَّ فَمَا جُنَاحُكُمْ عَلَىٰ مَا عَصَيْتُمْ  
إِن كَانَ اللَّهُ كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا ۗ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ  
أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ مِمَّا نَسَأْتُمْ بِأَمْوَالِكُمْ لِمَنْ تَحِبُّونَ  
غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْكُمْ فِيهَا تَرْضَاهُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۗ



وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ  
 فَتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ  
 وَأَتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۖ فَإِذَا  
 أَحْصِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ط ذَلِكَ  
 لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ط وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٤٠

**آیت ۲۳** ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ﴾ ”حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں  
 اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں“

﴿وَعَمَّتُكُمْ وَخَلَّتُكُمْ﴾ ”اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں“

﴿وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ﴾ ”اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں“

﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ ”اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے“

﴿وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ”اور تمہاری دودھ شریک بہنیں“

﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ ”اور تمہاری بیویوں کی مائیں“

جن کو ہم ساس یا خوش دامن کہتے ہیں۔

﴿وَرَبَابُكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ﴾ ”اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری گودوں میں پلی بڑھی ہوں“

﴿مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ﴾ ”تمہاری ان بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے مقاربت کی ہو“

﴿فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور اگر تم نے ان بیویوں سے مقاربت

نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں“

”ربیبہ“ بیوی کی اُس لڑکی کو کہا جاتا ہے جو اُس کے سابق شوہر سے ہو۔ اگر موجودہ شوہر اس بیوی سے تعلق

زن و شو قائم ہونے کے بعد اس کو طلاق دے دے تو ربیبہ کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا، یہ اس کے لیے حرام ہے۔

لیکن اگر اس بیوی کے ساتھ تعلق زن و شو قائم نہیں ہوا اور اسے طلاق دے دی تو پھر ربیبہ کے ساتھ نکاح ہو سکتا

ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم نے ان بیویوں کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو تو پھر (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح

کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ ”اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری

صُلب سے ہوں“

جن کو ہم بہوئیں کہتے ہیں۔ اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ البتہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی



سے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔

﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ ”اور یہ (بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں

کو نکاح میں جمع کرو“

﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط﴾ ”سوائے اس کے کہ جو گزر چکا۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۲۳﴾ ”یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔“

جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔ اب گڑے مُردے تو اکھاڑے نہیں جاسکتے۔ لیکن آئندہ کے لیے یہ محرمات ابدیہ ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اضافہ کیا ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے اسی طرح خالہ بھانجی کو اور پھوپھی بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔ ان دو استثناءات کے سوا سب محرمات ابدیہ میں سے ہیں۔ اب عارضی محرمات کا بیان ہے۔

**آیت ۲۴** ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ”اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں“

چونکہ وہ کسی اور کے نکاح میں ہیں اس لیے آپ پر حرام ہیں۔ البتہ ایک عورت کو اگر اس کا شوہر طلاق دے دے تو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حرمت ابدی نوعیت کی نہیں ہے۔ ”مُحْصَنَاتُ“ اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو کسی کی قید نکاح میں ہوں۔ ”حِصْنُ“ قلعے کو کہتے ہیں اور ”احْصَانُ“ کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت میں لینے کے بھی ہیں اور کسی کی حفاظت میں ہونے کے بھی۔ چنانچہ ”مُحْصَنَاتُ“ وہ عورتیں ہیں جو ایک خاندان کے قلعے کے اندر محفوظ ہیں اور شوہر والیاں ہیں۔ نیز یہ لفظ لونڈیوں کے مقابل آزاد خاندانی شریف زادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۲۵﴾ ”سوائے اس کے کہ جو تمہاری مِلکِ یَمین بن جائیں۔“

یعنی جنگ کے نتیجے میں تمہارے ہاں کئیریں بن کر آجائیں۔ یہ عورتیں اگرچہ مشرکوں کی بیویاں ہیں لیکن وہ لونڈیوں کی حیثیت سے آپ کے لیے جائز ہوں گی۔

﴿كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۲۶﴾ ”یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔“

یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔

﴿وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ ۲۷﴾ ”ان کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں“

آپ نے دیکھا کہ کتنی تھوڑی سی تعداد میں محرمات ہیں جن سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا ہے باقی کثیر تعداد حلال ہے۔ یعنی مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے جبکہ محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔

﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ ۲۸﴾ ”کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو“

یعنی ان کے مہر ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔



﴿مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ط﴾ ”بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔“

یعنی نیت گھربانے کی ہو صرف مستی نکالنے کی نہیں۔ اس کو محض ایک کھیل اور مشغلہ نہ بنا لو۔

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ط﴾ ”پس جو بھی تم نے ان سے تمتع کیا ہو تو

اس کے بدلے ان کے مہر ادا کرو جو مقرر ہوئے تھے۔“

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ط﴾ ”البتہ اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں

ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے کوئی کمی بیشی کر لو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۳۳﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ ”اور جو کوئی تم میں

سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے شادی کر سکے“

﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فِتْيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ط﴾ ”تو وہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی

کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مؤمنہ ہوں۔“

یہاں ”مُحْصَنَاتِ“ دوسرے معنی میں آیا ہے یعنی شریف زادیاں، آزاد مسلمان عورتیں۔ اور ظاہر ہے

آزاد مسلمان عورتوں کا تو مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اس حوالے سے اگر کوئی بے چارہ مفلس ہے ایک خاندانی عورت کا

مہر ادا نہیں کر سکتا تو وہ کیا کرے؟ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ معاشرے میں موجود مسلمان لونڈیوں

سے نکاح کر لیں۔

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ ط﴾ ”اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے۔“

یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون مؤمن ہے اور کون نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی قانونی اعتبار سے مسلمان ہے

دنیا میں وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ع﴾ ”تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔“

﴿فَأَنْكِحُوا هُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ ”سو اُن سے نکاح کر لو ان کے مالکوں کی اجازت سے“

کسی لونڈی کا مالک اس سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے۔ لیکن جب ایک شخص اُس کی اجازت سے اس کی

لونڈی سے نکاح کر لے تو اب لونڈی کے مالک کا یہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ اب وہ لونڈی اس اعتبار سے اس کے

کام میں نہیں آسکتی بلکہ اب وہ ایک مسلمان کی منکوحہ ہو جائے گی۔ اسی لیے اُس نکاح کے لیے ”بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ“

کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اُس وقت کے معاشرے میں بالفعل یہ شکلیں موجود تھیں۔ یہ نہیں کہا جا رہا

کہ یہ شکلیں پیدا کرو۔ غلام اور لونڈیوں کا معاملہ اُس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیرانِ جنگ کے مسئلے

کے ایک حل کے طور پر پہلے سے موجود تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس معاشرے میں قرآن نے اصلاح کا عمل



شروع کیا اس میں فی الواقع کیا صورت حال تھی اور اس میں کس کس اعتبار سے تدریجاً بہتری پیدا کی گئی۔

﴿وَأَتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور انہیں ان کے مہر ادا کرو معروف طریقے پر“

﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسْفِحَاتٍ﴾ ”ان کو حصارِ نکاح میں لا کر نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے

والیاں ہوں“

ان سے نکاح کا تعلق ہوگا جس میں نیت گھر میں بسانے کی ہونی چاہیے، محض مستی نکالنے کی اور شہوت رانی

کی نیت نہ ہو۔ یہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔

﴿وَلَا تُتَّخَذِ الْاٰخْدَانِ﴾ ”اور نہ ہی چوری چھپے آشنائیاں کریں۔“

کسی کی لونڈی سے کسی کا نکاح ہو تو کھلم کھلا ہو۔ معلوم ہو کہ فلاں کی لونڈی اب فلاں کے نکاح میں ہے۔

جیسے حضرت سمیہؓ سے حضرت یاسرؓ نے نکاح کیا تھا۔ حضرت سمیہؓ ابو جہل کے چچا کی لونڈی تھیں جو ایک شریف

انسان تھا۔ حضرت یاسرؓ جب یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تو انہوں نے ابو جہل کے چچا سے اجازت لے کر

ان کی لونڈی سمیہؓ سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ یہ تین افراد کا ایک کنبہ تھا۔ یاسرؓ عمار بن

یاسر اور عمار کی والدہ سمیہؓ رضی اللہ عنہا۔ ابو جہل کا شریف النفس چچا جب فوت ہو گیا تو ابو جہل کو اس کنبے پر اختیار حاصل

ہو گیا اور اس نے اس خاندان کو بدترین ایذائیں دیں۔

﴿فَاِذَا اُحْصِنَّا فَاِنَّ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ﴾ ”پس جب وہ قیدِ نکاح میں آ جائیں تو پھر اگر وہ بے حیائی

کا کام کریں“

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ ”تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا

ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔“

لونڈیاں اگر قیدِ نکاح میں آنے کے بعد بد چلنی کی مرتکب ہوں تو بد کاری کی جو سزا آزاد عورتوں کو دی

جائے گی انہیں اس کی نصف سزا دی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ ابتدائی احکامات ہیں۔ ابھی تک نہ تو سو کوڑوں

کی سزا کا حکم آیا تھا اور نہ رجم کا۔ چنانچہ ”اذُوهُمَا“ (بحوالہ آیت ۱۶) کے حکم کی تعمیل میں بد کاری کی جو سزا بھی

آزاد خاندانی عورتوں کو دی جاتی تھی ایک منکوحہ لونڈی کو اس سے نصف سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ

ایک شریف خاندان کی عورت جسے ہر طرح کا تحفظ حاصل ہو اس کا معاملہ اور ہے اور ایک بے چاری غریب

لونڈی کا معاملہ اور ہے۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ ”یہ اجازت تم میں سے ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں

پڑنے کا اندیشہ ہو۔“

مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لینے کی اجازت تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوت اور جنسی

جذبے کو روک نہ سکتے ہوں اور انہیں فتنے میں مبتلا ہو جانے اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہو۔



﴿وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ط﴾ ” اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

چونکہ عام طور پر اُس معاشرے میں جو باندیاں تھیں وہ بلند کردار نہیں تھیں، لہذا فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے سے بچو اور تعفف اختیار کرو۔

﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۵﴾﴾ ” اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔“

## آیات ۲۶ تا ۲۸

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ  
حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا  
عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾

ان تین آیات میں احکام شریعت کے ضمن میں فلسفہ و حکمت کا بیان ہو رہا ہے۔ بعض اوقات احکام شریعت کو انسان اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ اسے جب حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو تو آدمی کی طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے شریعت کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کرسمس کے موقع پر میں لندن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک عیسائی دانشور کی تقریر سنی تھی جس نے کہا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ خواہ مخواہ ایک انسان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ جب وہ حرام سے رُک نہیں سکتا تو اس کا دل میلا ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو خطا کار سمجھنے لگتا ہے اور مجرم ضمیر (guilty conscience) ہو جاتا ہے۔ اس احساس کے تحت وہ متنی نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے نزدیک اس ساری خرابی کا سبب یہ ہے کہ آپ نے حرام اور حلال کا فلسفہ چھیڑا۔ اگر سب کام حلال سمجھ لیے جائیں تو کوئی حرام کام کرتے ہوئے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ دنیا میں ایسے ایسے فلسفے بھی موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلسفہ احکام یہ ہے:

**آیت ۲۶** ﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ط﴾ ” اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دے“

﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ” اور تمہیں ہدایت بخشنے ان راستوں کی جو تم سے پہلے کے

لوگوں کے تھے“

پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نیکو کار بھی تھے اور بدکار بھی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انبیاء و صلحاء اور نیکو کاروں کا راستہ اختیار کرو ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ اور دوسرے راستوں سے بچ کر رہو۔

﴿وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط﴾ ” اور تم پر نظر عنایت فرمائے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾﴾ ” اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ ” اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ



توجہ فرمائے۔“

﴿وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا﴾ ﴿۲۷﴾ ”اور وہ لوگ جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک کر دور نکل جاؤ۔“  
وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا رجحان صراطِ مستقیم کے بجائے غلط راستوں کی طرف ہو جائے اور ادھر ہی تم بھٹکتے چلے جاؤ۔ آج بھی عورت کی آزادی (Women Lib) کی بنیاد پر اور حقوقِ نسواں کے نام پر دنیا میں جو تحریکیں برپا ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود و قیود کو توڑ کر جنسی بے راہروی پھیلانے کی ایک عظیم سازش ہے جو دنیا میں چل رہی ہے۔

**آیت ۲۸** ﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ ”اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے۔“

تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم پر بوجھ ڈال رہا ہے۔ اللہ تو تم پر تخفیف چاہتا ہے تم سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم ان چیزوں پر عمل نہیں کرو گے تو معاشرے میں گندگیاں پھیلیں گی، فساد برپا ہوگا، جھگڑے ہوں گے، بدگمانیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سب کی روک تھام چاہتا ہے وہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔

﴿وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا﴾ ﴿۲۸﴾ ”اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

اس کے اندر کمزوری کے پہلو بھی موجود ہیں۔ جہاں ایک بہت اونچا پہلو ہے کہ اس میں روحِ ربانی پھونکی گئی ہے وہاں اس کے اندر نفس بھی تو ہے جس میں ضعف کے پہلو موجود ہیں۔

## آیات ۲۹ تا ۳۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۗ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفَرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا ۗ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۗ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۗ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۗ الرِّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النَّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۗ وَبِأَنْفُسِهِمْ ۗ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۗ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْبَضَائِعِ ۗ وَأَضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ۗ وَإِنْ



خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا

يُوفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝

آیت ۲۹ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ”اے اہل ایمان! اپنے مال آپس میں باطل طریقے پر ہڑپ نہ کرو“

﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۝﴾ ”سوائے اس کے کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔“

تجارت اور لین دین کی بنیاد جب واقعتاً باہمی رضامندی پر ہو تو اس سے حاصل ہونے والا منافع جائز اور حلال ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ کی جوتوں کی دکان ہے۔ آپ نے گاہک کو ایک جوتا دکھایا اور اس کی قیمت دو سو روپے بتائی۔ گاہک نے جوتا پسند کیا اور دو سو روپے میں خرید لیا۔ یہ باہمی رضامندی کے سودے کی ایک سادہ سی مثال ہے۔ ظاہر بات ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ نفع تو آپ نے کمایا ہے۔ آپ نے اس کے لیے محنت کی ہے کہیں سے خرید کر لائے ہیں اسے سٹور میں محفوظ کیا ہے دکان کا کرایہ دیا ہے لہذا یہ منافع آپ کا حق ہے اور گاہک کو اس میں تامل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ یہی جوتا جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرتے اور یوں کہتے کہ میں نے تو خود اتنے کالیا ہے تو اس طرح آپ اپنی ساری محنت بھی ضائع کرتے اور آپ کا منافع بھی ناجائز اور حرام ہوتا۔ اسی طرح معاملات اور لین دین کے وہ تمام طریقے جن کی بنیاد جھوٹ اور دھوکہ دہی پر ہو ناجائز اور حرام ہیں۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ط﴾ ”اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔“

یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ تمدن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے احترام جان اور احترام مال۔ میرے لیے آپ کا مال اور آپ کی جان محترم ہے میں اسے کوئی گزند نہ پہنچاؤں اور آپ کے لیے میرا مال اور میری جان محترم ہے اسے آپ گزند نہ پہنچائیں۔ اگر ہمارے مابین یہ شریفانہ معاہدہ (Gentleman's agreement) قائم رہے تب تو ہم ایک معاشرے اور ایک ملک میں رہ سکتے ہیں جہاں اطمینان، امن و سکون اور چین ہوگا۔ اور جہاں یہ دونوں احترام ختم ہو گئے جان کا اور مال کا تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہاں امن و سکون، چین اور اطمینان کہاں سے آئے گا؟ اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتل نفس دونوں کو حرام قرار دے کر ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔“

آیت ۳۰ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا﴾ ”اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا تعدی اور ظلم کے ساتھ“

یعنی یہ دونوں کام — باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتل نفس۔

﴿فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ط﴾ ”تو ہم جلد اس کو جھونک دیں گے آگ میں۔“



﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (۳۰) ”اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔“

یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے بہت بڑے حصے کو جہنم میں کیسے جھونک دے گا؟ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اگلی دو آیات میں انسانی تمدن کے دو بہت اہم مسائل بیان ہو رہے ہیں جو بڑے گہرے اور فلسفیانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا مسئلہ گناہوں کے بارے میں ہے جن میں کبائر اور صغائر کی تقسیم ہے۔ بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک اور پھر کفر ہے۔ پھر یہ کہ جو فرائض ہیں ان کا ترک کرنا اور جو حرام چیزیں ہیں ان کا ارتکاب کبائر میں شامل ہوگا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں جو انسان سے اکثر ہو جاتی ہیں وہ عموماً صغائر کے زمرے میں آتی ہیں مثلاً آداب میں یا احکام کی جزئیات میں کوئی کوتاہی ہوگئی یا بغیر کسی ارادے کے کہیں کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے کہ جو غیبت کے حکم میں آگئی وغیرہ وغیرہ۔ اس ضمن میں صحت مندانہ رویہ یہ ہے کہ کبائر سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے کہ اس سے انسان بالکل پاک ہو جائے۔ فرائض کی پوری ادائیگی ہو، محرمات سے مطلق اجتناب ہو، اور یہ جو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان کے بارے میں نہ تو ایک دوسرے پر زیادہ گرفت اور تکبر کی جائے اور نہ ہی خود زیادہ دل گرفتہ ہو جائے بلکہ ان کے بارے میں توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ ان کے بارے میں استغفار بھی کیا جائے۔ یہی صغائر ہیں جو نیکیوں کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ اعضاء وضو دھوتے ہوئے ان اعضاء کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے تو جب وہ کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اُس کے منہ اور ناک سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے اُس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اُس کے سر اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کی نیکیوں میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ (۱)

یہ صغیرہ گناہ ہیں جو نیکیوں کے اثر سے معاف ہوتے رہتے ہیں، از روئے الفاظ قرآنی: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود: ۱۱۴) ”یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں“۔ ان برائیوں سے مراد کبائر نہیں، صغائر ہیں۔ کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (إلا ما شاء اللہ!) ان کے لیے توبہ کرنی ہوگی۔ اور جو اکبر الکبائر یعنی شرک ہے اس کے بارے میں تو اس سورت میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (آیت ۳۸ و ۱۱۶) ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ بات تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ

(۱) سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب مسح الاذنین مع الرأس ..... و سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سنتھا،

باب ثواب الطہور۔ و مسند احمد۔ عن عبد اللہ الصنابحی



اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔ لیکن ہمارے ہاں مذہب کا جو مسخ شدہ (perverted) تصور موجود ہے اس سے ایک ایسا مذہبی مزاج وجود میں آتا ہے کہ جو کبائر ہیں وہ تو ہو رہے ہیں سو دُخوری ہو رہی ہے، حرام خوری ہو رہی ہے، مگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکیر اور گرفت ہو رہی ہے کہ تمہاری داڑھی کیوں شرعی نہیں ہے اور تمہارا پانچہ ٹخنوں سے نیچے کیوں ہے؟ وغیرہ۔ قرآن مجید میں اس معاملے کو تین جگہ نقل کیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں درگزر سے بھی کام لو اور یہ کہ بہت زیادہ متفکر بھی نہ ہو۔ اس معاملے میں باہمی نسبت و تناسب پیش نظر رہنی چاہیے۔ فرمایا:

**آیت ۳۱** ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ”اگر تم اجتناب کرتے رہو گے اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے“

﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ ”تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے“

ہم تمہیں ان سے پاک صاف کرتے رہیں گے۔ تم جو بھی نیک کام کرو گے ان کے حوالے سے تمہاری سیئات خود بخود دھلتی رہیں گی۔

﴿وَنُذِخْ لَكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا﴾ ”اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر۔“

یہ مضمون سورۃ الشوریٰ (آیت ۳۷) میں بھی آیا ہے اور پھر سورۃ النجم (آیت ۳۲) میں بھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں اور یہ مضمون قرآن میں تین بار آیا ہے۔

دوسرا مسئلہ انسانی معاشرے میں انسانوں کے مابین فضیلت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا تو نہیں بنایا ہے۔ کسی کو خوبصورت بنا دیا تو کسی کو بدصورت۔ کوئی صحیح سالم ہے تو کوئی ناقص الاعضاء ہے۔ کسی کا قد اونچا ہے تو کوئی ٹھگنے قد کا ہے اور لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ کسی کو مرد بنا دیا، کسی کو عورت۔

اب کوئی عورت اندر ہی اندر کڑھتی رہے کہ مجھے اللہ نے عورت کیوں بنایا تو اس کا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح کوئی بدصورت انسان ہے یا ٹھگنا ہے یا کسی اور اعتبار سے کمتر ہے اور وہ دوسرے شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ تو بڑا اچھا ہے تو اب اس پر کڑھنے کے بجائے یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس پر صبر اور شکر کرے۔ اللہ کا فضل کسی اور پہلو سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ ارادہ کرے کہ میں نیکی اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھ جاؤں، میں علم

میں آگے بڑھ جاؤں۔ اس طرح انسان دوسری چیزوں سے ان چیزوں کی تلافی کر لے جو اسے میسر نہیں ہیں، بجائے اس کے کہ ایک منفی نفسیات پروان چڑھتی چلی جائے۔ اس طرح انسان احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے

اور اندر ہی اندر کڑھتے رہنے سے طرح طرح کی ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ذہنی الجھنوں، محرومیوں اور ناکامیوں کے احساسات کے تحت انسان اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس ضمن میں کس قدر عمدہ

تعلیم دی جا رہی ہے:

**آیت ۳۲** ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ ”اور تمنا نہ کیا کرو اس شے کی جس

کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔“



اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو ان کی خلقی صفات کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جہاں کسی دوسرے کو اپنے مقابلہ میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے اس کے اندر حسد رقابت اور عداوت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد بنایا، کسی کو عورت۔ یہ چیز بھی خلقی ہے اور کسی عورت کی مرد بننے یا کسی مرد کی عورت بننے کی تمنائی حماقت ہے۔ البتہ دنیا میں قسمت آزمائی اور جدوجہد کے مواقع سب کے لیے موجود ہیں۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَهُمْ﴾ ”مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گے۔“  
 ﴿وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَهُمْ﴾ ”اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گی۔“

یعنی جہاں تک خیرات و حسنات یا سببات و منکرات کا معاملہ ہے مرد و زن میں بالکل مساوات ہے۔ مرد نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور عورت نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے۔ مسابقت کا یہ میدان دونوں کے لیے کھلا ہے۔ عورت نیکی میں مرد سے آگے نکل سکتی ہے۔ کروڑوں مرد ہوں گے جو قیامت کے دن حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقام پر رشک کریں گے اور ان کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ آدمی کا طرز عمل تسلیم و رضا کا ہونا چاہیے کہ جو بھی اللہ نے مجھے بنا دیا اور جو کچھ اس نے مجھے عطا فرمایا اس حوالے سے مجھے بہتر سے بہتر عمل کرنا ہے۔ میرا ”شاکلہ“ تو اللہ کی طرف سے آگیا ہے جس سے میں تجاوز نہیں کر سکتا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۴) ”آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق“۔ ہم سورۃ البقرہ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (آیت ۲۸۶) ”اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔“

سورۃ النساء کی زیر مطالعہ آیت سے بعض لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بھی مال کما سکتی ہیں۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں صرف ایک مقام (البقرہ: ۲۶۷) پر ”کسب“ کا لفظ معاشی جدوجہد اور معاشی کمائی کے لیے آیا ہے: ﴿انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ ”اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو“۔ باقی پورے قرآن میں ”کسب“ جہاں بھی آیا ہے اعمال کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ کسبِ حسنات نیکیاں کمانا ہے اور کسبِ سببات بدیاں کمانا۔ آپ اس آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَهُمْ﴾ ”مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا“ اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا“۔ تو کیا ایک عورت کی تنخواہ اگر دس ہزار ہے تو اسے اس میں سے پانچ ہزار ملیں گے؟ نہیں بلکہ اسے پوری تنخواہ ملے گی۔ لہذا اس آیت میں ”کسب“ کا اطلاق دنیوی کمائی پر نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک عورت کی معاشی جدوجہد کا تعلق ہے ایک خاتون کوئی کام کرتی ہے یا کہیں ملازمت کرتی ہے تو اگر اس میں کوئی حرام پہلو نہیں ہے شریفانہ جاب ہے اور وہ ستر و حجاب کے آداب کو بھی ملحوظ



رکھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو بھی کمائی ہوگی وہ پوری اس کی ہوگی اس میں اس کا حصہ تو نہیں ہوگا۔ البتہ یہ اسلوب جزائے اعمال کے لیے آتا ہے کہ انہیں ان کی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ اس لیے کہ اعمال کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس عمل میں خلوص نیت کتنا تھا اور آداب کس حد تک ملحوظ رکھے گئے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں حج کے ذکر میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا﴾ (آیت ۲۰۲) یعنی جو انہوں نے کمایا ہوگا اس میں سے انہیں حصہ ملے گا۔ اسی طرح یہاں پر بھی اکتساب سے مراد اچھے یا برے اعمال کمانا ہے۔ یعنی اخلاقی سطح پر اور انسانی عزت و تکریم کے لحاظ سے عورت اور مرد برابر ہیں، لیکن معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو تقسیم کار رکھی ہے اس کے اعتبار سے فرق ہے۔ اب اگر عورت اس فرق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو، مفاہمت پر رضامند نہ ہو اور وہ اس پر کڑھتی رہے اور مرد کے بالکل برابر ہونے کی کوشش کرے تو ظاہر ہے کہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

﴿وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور اللہ سے اُس کا فضل طلب کرو۔“

یعنی جو فضیلت اللہ نے دوسروں کو دے رکھی ہے اس کی تمنا نہ کرو، البتہ اُس سے فضل کی دعا کرو کہ اے اللہ! تو نے اس معاملے میں مجھے کمتر رکھا ہے، تو مجھے دوسرے معاملات کے اندر ہمت دے کہ میں ترقی کروں۔ اللہ تعالیٰ جس پہلو سے مناسب سمجھے گا اپنا فضل تمہیں عطا فرما دے گا۔ وہ بہت سے لوگوں کو کسی اور پہلو سے نمایاں کر دیتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔“

**آیت ۳۳** ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ ”اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں جو بھی والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔“

قانونِ وراثت کی اہمیت کو دیکھئے کہ اب آخر میں ایک مرتبہ پھر اس کا ذکر فرمایا۔

﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ ”اور جن کے ساتھ تمہارے عہد و پیمان ہوں تو

ان کو ان کا حصہ دو۔“

تقسیم وراثت کے احکام کے حوالے سے ایک یہ سوال سامنے آیا کہ جن لوگوں کا آپس میں بھائی چارہ ہے یا مواخات کا رشتہ ہے (مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بنا دیا تھا) تو کیا ان کا وراثت میں بھی حصہ ہے؟ اس ضمن میں یہاں وضاحت کر دی گئی کہ وراثت تو اسی قاعدہ کے مطابق وراثت میں تقسیم ہونی چاہیے جو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دوستی اور بھائی چارے کے عہد و پیمان ہیں یا جو منہ بولے بھائی یا بیٹے ہیں ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے، البتہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ جو بھلائی کرنا چاہو کر سکتے ہو، انہیں جو کچھ دینا چاہو دے سکتے ہو، اپنی وراثت میں سے بھی کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ لیکن جو قانونِ وراثت طے ہو گیا ہے اُس میں کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ وراثت میں حق دار کوئی اور نہیں ہوگا سوائے اُس کے جس کو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔



﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۳۳﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

اب آرہی ہے وہ کانٹے دار آیت جو عورتوں کے حلق سے بہت مشکل سے اترتی ہے اور اکثر کاشابن کر حلق میں اٹک جاتی ہے۔ اب تک اس ضمن میں جو باتیں آئیں وہ دراصل اس کی تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی تمہید سورۃ البقرۃ میں آچکی ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ﴾ (آیت ۲۲۸) ”اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق“ البتہ مردوں کے لیے ان پر ایک درجہ فوقیت کا ہے۔ وہاں صرف یہ کہہ کر بات چھوڑ دی گئی۔ اس کے بعد ابھی آیت ۳۲ میں ہم نے پڑھا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۗ﴾ ”اور تمنا نہ کیا کرو اس شے کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔“ یہ ہدایت عورتوں کے لیے مزید ذہنی تیاری کی غرض سے دی گئی۔ اور اب دو ٹوک انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

**آیت ۳۲** ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ”مرد عورتوں پر حاکم ہیں“

یہ ترجمہ میں زور دے کر کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ یہاں قَامَ عَلٰی کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ قَامَ بِبِ کے ساتھ آئے گا تو معنی ہوں گے ”کسی شے کو قائم کرنا“۔ اسی سورۃ مبارکہ میں آگے چل کر آیت ۱۳۵ میں یہ الفاظ آئیں گے: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾ ”عدل کو قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ!“ جبکہ قَامَ عَلٰی کے معنی کسی پر مسلط ہونے کے ہیں، یعنی حاکم اور منتظم ہونا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ سے یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ گھر کے ادارے میں حاکم ہونے کی حیثیت مرد کو حاصل ہے، سربراہ خاندان مرد ہے، عورت نہیں ہے۔ عورت کو بہر حال اس کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ یوں تو ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے۔ گھر کے اندر مرد بھی یہ چاہتا ہے اور عورت بھی۔ لیکن آخر کار کس کی بات چلے گی؟ یا تو دونوں باہمی رضامندی سے کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں، بیوی اپنے شوہر کو دلیل سے اپیل سے، جس طرح ہو سکے قائل کر لے تو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اگر معاملہ طے نہیں ہو رہا تو اب کس کی رائے فیصلہ کن ہوگی؟ مرد کی! لیکن ظاہر ہے عورت کی رائے جب مسترد ہوگی تو اسے اس سے ایک صدمہ تو پہنچے گا۔ اسی صدمے کا اثر کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت میں نسیان کا مادہ زیادہ رکھ دیا ہے جو ایک safety valve کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کا نصاب رکھا گیا ہے ”تا کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرادے“۔ اس پر ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۸۲) میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے گھر کے ادارے کا سربراہ مرد کو بنایا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مرد اگر اپنی اس حیثیت کا غلط استعمال کرتا ہے، عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اللہ کے ہاں بڑی سخت پکڑ ہوگی۔ آپ کو ایک اختیار دیا گیا ہے اور آپ اس کا غلط استعمال کر رہے ہیں، اس کو ظلم کا ذریعہ بنا رہے ہیں تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو مل جائے گی۔

﴿بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ”بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے“

مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوق حاصل ہے، جن کی بنا پر قوامیت کی ذمہ داری اس پر ڈالی



گئی ہے۔

﴿وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ ”اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔“  
اسلام کے معاشرتی نظام میں کفالتی ذمہ داری تمام تر مرد کے اوپر ہے۔ اس کے اخراجات شادی کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتے ہیں۔ شادی اگرچہ مرد کی بھی ضرورت ہے اور عورت کی بھی، لیکن مرد مہر دیتا ہے، عورت مہر وصول کرتی ہے۔ پھر گھر میں عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے۔

﴿فَالصِّلْحَةُ فِتْنَةٌ﴾ ”پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں“

مرد کو قوامیت کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اب نیک بیویوں کا رویہ بتایا جا رہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ قرآن کے نزدیک ایک خاتون خانہ کی جو بہترین روش ہونی چاہیے وہ یہاں تین الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے:  
﴿فَالصِّلْحَةُ فِتْنَةٌ حِفْظٌ لِلْغَيْبِ﴾۔

﴿حِفْظٌ لِلْغَيْبِ﴾ ”غیب میں حفاظت کرنے والیاں“

وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ ظاہر ہے مرد کا مال تو گھر میں ہی ہوتا ہے، وہ کام پر چلا گیا تو اب وہ بیوی کی حفاظت میں ہے۔ اسی طرح بیوی کی عصمت درحقیقت مرد کی عزت ہے۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح مرد کے راز ہوتے ہیں، جن کی سب سے زیادہ بڑھ کر راز دان بیوی ہوتی ہے۔ تو یہ حفاظت تین اعتبارات سے ہے، شوہر کے مال کی، شوہر کی عزت و ناموس کی، اور شوہر کے رازوں کی۔

﴿بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ ”اللہ کی حفاظت سے۔“

اصل حفاظت و نگرانی تو اللہ کی ہے، لیکن انسان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی پڑتی ہے۔ جیسے رازق تو اللہ ہے، لیکن انسان کو کام کر کے رزق کمانا پڑتا ہے۔

﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ﴾ ”اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو“

اگر کسی عورت کے رویے سے ظاہر ہو رہا ہو کہ یہ سرکشی، سرتابی، ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر چل پڑی ہے، شوہر کی بات نہیں مان رہی بلکہ ہر صورت میں اپنی بات منوانے پر مصر ہے اور اس طرح گھر کی فضا خراب کی ہوئی ہے تو یہ نشوز ہے۔ اگر عورت اپنی اس حیثیت کو ذہناً تسلیم نہ کرے کہ وہ شوہر کے تابع ہے تو ظاہر بات ہے کہ مزاحمت (friction) ہوگی اور اس کے نتیجے میں گھر کے اندر ایک فساد پیدا ہوگا۔ ایسی صورت حال میں مرد کو قوام ہونے کی حیثیت سے بعض تا دبی اختیارات دیے گئے ہیں، جن کے تین مراحل ہیں:

﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ ”پس ان کو نصیحت کرو“

پہلا مرحلہ سمجھانے، بچھانے کا ہے، جس میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔

﴿وَأَهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ ”اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو“

اگر نصیحت و ملامت سے کام نہ چلے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان سے اپنے بستر علیحدہ کر لو اور اس کے ساتھ



تعلق زن و شوہر کو عرصہ کے لیے منقطع کر لو۔

﴿وَاضْرِبُوهُنَّ﴾ ”اور ان کو مارو۔“

اگر اب بھی وہ اپنی روش نہ بدلیں تو مرد کو جسمانی سزا دینے کا بھی اختیار ہے۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ چہرے پر نہ مارا جائے اور کوئی ایسی مار نہ ہو جس کا مستقل نشان جسم پر پڑے۔ مذکورہ بالا تادیبی ہدایات اللہ کے کلام کے اندر بیان فرمائی گئی ہیں اور انہیں بیان کرنے میں ہمارے لیے کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ معاشرتی زندگی کو درست رکھنے کے لیے ان کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ ”پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔“

اگر عورت سرکشی و سرتابی کی روش چھوڑ کر اطاعت کی راہ پر آ جائے تو پچھلی کدورتیں بھلا دینی چاہئیں۔ اس سے انتقام لینے کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے، بہت بڑا ہے۔“

**آیت ۳۵** ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا﴾ ”اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو“  
”اب اگر کوئی تدبیر نتیجہ خیز نہ ہو اور ان دونوں کے مابین ضد ضد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہو کہ عورت بھی اکڑ گئی ہے، مرد بھی اکڑا ہوا ہے، اور اب ان کا ساتھ چلنا مشکل نظر آتا ہو تو اصلاح احوال کے لیے ایک دوسری تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

﴿فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ ”تو ایک حکم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حکم عورت کے خاندان سے۔“

﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ ”اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔“

”إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا“ سے مراد زوجین بھی ہو سکتے ہیں اور حکمین بھی۔ یعنی ایک تو یہ کہ اگر واقعاً شوہر اور بیوی موافقت چاہتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا فرما دے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ معاملہ درست ہو جائے، لیکن کوئی نفسیاتی گزراہی ایسی بندھ جاتی ہے جسے کھولنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اب اگر دونوں کے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث آ جائے گا اور وہ دونوں مل بیٹھ کر خیر خواہی کے جذبے سے اصلاح احوال کی کوشش کریں گے تو اس گزراہی کو کھول سکیں گے۔ یہ دونوں اسباب اختلاف کی تحقیق کریں گے، میاں بیوی دونوں کے گلے شکوے اور وضاحتیں سنیں گے اور دونوں کو سمجھا بچھا کر تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں گے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہو گا جب میاں بیوی دونوں اصلاح چاہیں گے۔ ”إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا“ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر حکمین نیک نیتی سے اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے



مابین موافقت پیدا فرمادے گا۔ لیکن میرا رجحان پہلی رائے کی طرف زیادہ ہے کہ اس سے مراد میاں بیوی ہیں۔  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ ﴿۳۵﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“

### آیات ۳۶ تا ۴۳

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِالْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ  
 وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۗ الَّذِينَ يَخْلُونِ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ  
 وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۗ وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ  
 أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا  
 فَسَاءَ قَرِينًا ۗ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۗ وَكَانَ  
 اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۗ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً فُضِّلْنَا بِهَا سِتِّينَ  
 لَدُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ  
 شَهِيدًا ۗ يَوْمَئِذٍ يُؤذُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ كُفُّوا يَوْمَئِذٍ بِهَمِّ الْأَرْضِ ۗ وَلَا يَكْتُمُونَ  
 اللَّهُ حَدِيثَاتٍ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ  
 وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ  
 مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا  
 بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ۗ

اس سے قبل سورۃ البقرہ آیت ۸۳ میں بنی اسرائیل سے لیے جانے والے میثاق کے حوالے سے  
 اہماتِ شریعت یا دین کی بنیادی باتوں کا ذکر بایں الفاظ آیا تھا: ”اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا  
 تھا کہ تم نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اللہ کے اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور قرابت داروں،  
 یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔“ اب یہ دوسرا  
 مقام آ رہا ہے کہ شریعت کے اندر جو چیزیں اہم تر ہیں اور جنہیں معاشرتی سطح پر مقدم رکھنا چاہیے وہ بیان کی  
 جارہی ہیں۔ فرمایا:

**آیت ۳۶** ﴿وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ ”اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے  
 ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔“

سب سے پہلا حق اللہ کا ہے کہ اسی کی بندگی اور پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔



﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ”اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو“

قرآن حکیم میں چار مقامات (البقرہ: ۸۳، النساء: ۳۶، الانعام: ۱۵۱، بنی اسرائیل: ۲۳) پر اللہ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا تذکرہ آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہو، ان کا ادب و احترام ہو، ان کی خدمت کی جائے، ان کے سامنے آواز پست رکھی جائے۔ یہ بات سورہ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل سے آئے گی۔ ہمارے معاشرے میں خاندان کے استحکام کی یہ ایک بہت اہم بنیاد ہے۔

﴿وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ﴾ ”اور قرابت داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ“

﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ”اور قرابت دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے کے ساتھ“ پہلے عام طور پر محلے ایسے ہی ہوتے تھے کہ ایک قبیلہ ایک ہی جگہ رہ رہا ہے، رشتہ داری بھی ہے اور ہمسائیگی بھی۔ لیکن کوئی اجنبی ہمسایہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل شہروں میں ہمسائے اجنبی ہوتے ہیں۔

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ ”اور ہم نشین ساتھی اور مسافر کے ساتھ“

ایک ہمسائیگی عارضی نوعیت کی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آپ بس میں بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے برابر بیٹھا ہوا شخص آپ کا ہمسایہ ہے۔ نیز جو لوگ کسی بھی اعتبار سے آپ کے ساتھی ہیں، آپ کے پاس بیٹھنے والے ہیں، وہ سب آپ کے حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ”اور وہ لونڈی غلام جو تمہارے ملک یمین ہیں (ان کے ساتھ بھی

نیک سلوک کرو)۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ ”اللہ بالکل پسند نہیں کرتا ان لوگوں کو جو شیخی

خورے اور اکڑنے والے ہوں۔“

**آیت ۳** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْلُونِ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے

لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں“

جن میں یہ شیخی خوری اور اکڑ ہوتی ہے پھر وہ بخیل بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ غرور و تکبر عام طور پر دولت کی بنا پر ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے اگر یہ خرچ ہوگئی تو ہمارا وہ مقام نہیں رہے گا، لوگوں کی نظروں میں ہماری عزت نہیں رہے گی۔ لہذا وہ اپنا مال خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ اس پر انہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں ملامت کریں گے کہ تم بڑے بخیل ہو، چنانچہ وہ خود لوگوں کو اس طرح کے مشورے دینے لگتے ہیں کہ بابا اس طرح کھلا خرچ نہ کیا کرو، تم خواہ مخواہ پیسے اڑاتے ہو، عقل کے ناخن لو، کچھ نہ کچھ بچا کے رکھا کرو، وقت پر کام آئے گا۔ اس طرح وہ لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

﴿وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور وہ چھپاتے ہیں اس کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل

میں سے دیا ہے۔“



اپنی دولت کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ دولت ظاہر ہوگی تو کوئی سائل سوال کر بیٹھے گا۔ لہذا خود ہی مسکین صورت بنائے رکھتے ہیں کہ کوئی ان کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔

﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝۳۷﴾ ”اور ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

**آیت ۳۸** ﴿وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ﴾ ”اور وہ لوگ (بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے“

﴿وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝۳۸﴾ ”اور وہ حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے نہ اللہ پر نہ یومِ آخر پر۔“

﴿وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝۳۹﴾ ”(ایسے لوگ جو یا شیطان کے ساتھی ہیں) اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔“

**آیت ۳۹** ﴿وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”ان لوگوں پر کیا آفت آجاتی اگر یہ اللہ اور یومِ آخر پر (صدقِ دل سے) ایمان لے آتے“

﴿وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۝۴۰﴾ ”اور خرچ کرتے (کھلے دل کے ساتھ) اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔“

﴿وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝۴۱﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔“

**آیت ۴۰** ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۝۴۰﴾ ”یقیناً اللہ کسی پر ذرے کے ہم وزن بھی ظلم نہیں کرے گا۔“

﴿وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضْعِفُهَا﴾ ”اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا بڑھائے گا“

﴿وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۴۱﴾ ”اور خاص اپنے خزانہ فضل سے مزید بہت بڑا اجر دے گا۔“

اس سورہ مبارکہ کی اگلی آیت شہادت علی الناس سے متعلق ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو قبل ازیں سورۃ البقرہ (آیت ۱۴۳) میں بھی آچکا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں شہداء علی الناس بنایا گیا ہے جیسے کہ نبیؐ نے تم پر شہادت دی ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ میرے پاس جو دین آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہی بات قیامت کے دن کھڑے ہو کر تمہیں کہنی ہے کہ اے اللہ ہم نے اپنے زمانے کے لوگوں تک تیرا دین پہنچا دیا تھا اب اس کے بعد اپنے طرزِ عمل کے یہ خود جواب دہ ہیں۔ اس حوالے سے ہم سب کو اپنی ذمہ داری کی فکر کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ الٹا وہ ہمارے اوپر مقدمہ کریں کہ اے اللہ ان بد بختوں نے ہمیں تیرا دین نہیں پہنچایا یہ خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔ بہر حال جس کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہو واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے تو یہ ایک بہت بھاری بوجھ ہے۔ اب اس حوالے سے قیامت کے دن کا نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔



**آیت ۴۱** ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ ”تو اُس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے“

یعنی اُس نبی اور رسول کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے جس نے اس اُمت کو دعوت پہنچائی ہوگی۔

﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۴۱﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ

بنا کر۔“

یعنی آپ کو کھڑے ہو کر کہنا ہوگا کہ اے اللہ! میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ہماری عدالتی اصطلاح میں اسے استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) کہا جاتا ہے۔ گویا عدالتِ خداوندی میں نبی مکرم ﷺ استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے پیش ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ! تیرا پیغام جو مجھ تک پہنچا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا اب یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ اپنی ہی قوم کے خلاف گواہی آگئی نا؟ یہاں الفاظ نوٹ کر لیجئے: عَلٰی هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ عَلٰی ہمیشہ مخالفت کے لیے آتا ہے۔ ادھر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے شفاعت کی امید میں بیٹھے ہیں اور ادھر ہمارے خلاف مقدمہ قائم ہونے چلا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ دربارِ خداوندی میں ہمارے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے تیرا دین ان کے سپرد کیا تھا اس کے بعد اسے دنیا میں پھیلانا ان کا کام تھا لیکن انہوں نے خود دین کو چھوڑ دیا۔ سورۃ الفرقان میں اس حوالے سے بہت سخت الفاظ آئے ہیں: ﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝۳۰﴾ ”اور رسول کہیں گے کہ پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا“۔ سورۃ النساء کی آیت زیر مطالعہ کے بارے میں ایک واقعہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا حضور آپ کو سناؤں؟ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ فرمایا: ہاں، لیکن مجھے کسی دوسرے سے سن کر کچھ اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ حضور ﷺ بھی سن رہے تھے باقی اور صحابہ بھی ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مسعود گردن جھکائے پڑھتے جا رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۴۱﴾ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حَسْبُكَ، حَسْبُكَ (بس کرو بس کرو!) عبداللہ بن مسعود نے سراٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ حضور ﷺ کے یہ آنسو ظاہر ہے اس احساس کی وجہ سے تھے کہ مجھے اپنی قوم کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔

**آیت ۴۲** ﴿يَوْمَئِذٍ يَتُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۝۴۲﴾ ”اُس دن تمنا کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش ان کے سمیت زمین برابر کر دی جائے۔“

یعنی کسی طرح زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں، ہمیں نسیا منیا کر دیا جائے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝۴۳﴾ ”اور وہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے۔“



آیت ۲۳ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ﴾ ”اے اہل ایمان نماز کے

قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو“

﴿حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ ”یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جو کچھ تم کہہ رہے ہو“

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں شراب اور جوئے کے بارے میں محض اظہارِ ناراضگی فرمایا گیا تھا کہ ﴿إِنَّهُمْ مَا أَكْبَرُوا مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ ”ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے“۔ اب اگلے قدم کے طور پر شراب کے اندر جو خباثت شاعت اور برائی کا پہلو ہے اسے ایک مرتبہ پھر اجاگر کیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو۔ جب تک نشہ اتر نہ جائے اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اس وقت تک نماز نہ پڑھا کرو۔ چونکہ شراب کی حرمت کا حکم ابھی نہیں آیا تھا لہذا بعض اوقات لوگ نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور کچھ کچھ پڑھ جاتے۔ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ کسی نے نشے میں نماز پڑھائی اور ”لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ“ کے بجائے ”أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ“ پڑھ دیا۔ اس پر خاص طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں پر ﴿حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ کے الفاظ خصوصی طور پر قابلِ غور ہیں کہ جب تک تم شعور کے ساتھ سمجھ نہ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو! اس میں ایک اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ بے سمجھے نماز مت پڑھا کرو! یعنی ایک تو مدہوشی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا اور غلط سلط پڑھ رہے ہیں تو اس سے روکا جا رہا ہے اور ایک سمجھتے ہی نہیں کہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اب جنہیں قرآن مجید کے معنی نہیں آتے نماز کے معنی نہیں آتے انہیں کیا پتا کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں!

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ ”اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی (نماز

کے قریب نہ جاؤ) جب تک غسل نہ کر لو الا یہ کہ راستے سے گزرتے ہوئے۔“

اگر تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو یا احتلام وغیرہ کی شکل ہو گئی ہو تب بھی تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ”إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ“ کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ بعض فقہاء اور مفسرین نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ حالت جنابت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے الا یہ کہ کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنا ہو جبکہ بعض نے اس سے مراد سفر لیا ہے۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو“

آدمی کو تیز بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس میں غسل کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے تو تیمم کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور اسے پانی دستیاب نہیں ہے تو وہ تیمم کر لے۔

﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ ”یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کے بعد آیا ہو“

﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ ”یا تم نے عورتوں کے ساتھ مباشرت کی ہو“

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ ”پھر تم پانی نہ پاؤ“

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ ”تو پاک مٹی کا قصد کرو“



یعنی وہ تمام صورتیں جن میں غسل یا وضو واجب ہے ان میں اگر بیماری غسل سے مانع ہو حالت سفر میں نہانا ممکن نہ ہو قضاے حاجت یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے۔

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾ اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ۝۳۳﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیلۃ القدر کی جو دعاء مروی ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے: ((اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُورٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي)) ”اے اللہ تو معاف فرمانے والا ہے معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف فرما دے!“

سورۃ النساء کی ان تینتالیس آیات میں وہی سورۃ البقرۃ کا انداز ہے کہ شریعت کے احکام مختلف گوشوں میں مختلف پہلوؤں سے بیان ہوئے۔ عبادات کے ضمن میں تیمم کا ذکر آ گیا، وراثت کا قانون پوری تفصیل سے بیان ہو گیا اور معاشرے میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے احکام آ گئے، تاکہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جہاں ایک مستحکم خاندانی نظام ہو۔ اب آگے ایک مختصر سا خطاب اہل کتاب کے بارے میں آ رہا ہے۔

## آیات ۲۲ تا ۵۷

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتُرُونَ الضَّلَلَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيًّا بِالسِّنْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا ۗ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّ تَطْيِيسَ وُجُوهاً فَرْدًا هَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلَعْنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۗ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ لِمَن يَشْرِكُ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنفُسَهُمْ ۗ بَلِ اللَّهُ يَزِيكُ مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۗ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝



نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا أُخْرَىٰ لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝

**آیت ۳۲** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا“

وہ ”الکتاب“ ایک حقیقت ہے جس میں سے ایک حصہ تورات اور ایک حصہ انجیل کے نام سے نازل ہوا اور پھر وہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ہو کر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی۔

﴿يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ﴾ ”وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔“

مشرکین مکہ کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ لوگ لہو و لعب میں مشغول رہیں اور قرآن نہ سنیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایران سے رستم و اسفندیار کے قصے منگوا کر داستان گوئی کا سلسلہ شروع کیا اور گانے بجانے والی لونڈیوں اور آلات موسیقی کا انتظام کیا تاکہ لوگ انہی چیزوں میں مشغول رہیں اور حضور ﷺ کی بات کوئی نہ سنے۔ اسی طرح مدینہ میں یہود کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ خود بھی گمراہ کن مشاغل اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی اس میں مشغول کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے مشاغل کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ہمارے ہاں جب کرکٹ میچ ہو رہے ہوتے ہیں اور ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں تو پوری قوم کا یہ حال ہوتا ہے گویا دنیا کی اہم ترین شے کرکٹ ہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں دوسرے کھیل تماشے دیکھے جاتے ہیں کہ دنیا ان کے پیچھے پاگل ہو جاتی ہے۔ شیطان کو اور کیا چاہیے؟ وہ تو یہی چاہتا ہے نا کہ لوگوں کی حقائق کی طرف نگاہ ہی نہ ہو۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جینا کا ہے؟ لیے ہے؟ موت ہے تو اس کے بعد کیا ہونا ہے؟ انسان یا تو حیوانی سطح پر زندگی گزار دے اور اسے حلال و حرام کی تمیز ہی نہ رہے کہ وہ کیا کمارہا ہے اور کیا کھارہا ہے یا پھر لہو و لعب میں مشغول رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں کے فروغ کے لیے دنیا میں بڑے مستحکم نظام قائم کیے گئے ہیں اور ان سے وابستہ افراد کو بھاری معاوضے اور بڑے بڑے انعامات دیے جاتے ہیں۔ فرمایا: یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی سیدھے راستے سے بھٹکا دیں، راہِ حق سے منحرف کر دیں۔

**آیت ۳۵** ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ﴾ ”اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔“



﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا﴾ ﴿۳۵﴾ ”اور اللہ کافی ہے تمہارے ولی اور پشت پناہ ہونے کی حیثیت سے اور وہ کافی ہے تمہارے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔“

**آیت ۳۶** ﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ ”ان یہودیوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو کلام کو اس کے اصل مقام و محل سے پھیر دیتے ہیں“

﴿وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ”وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا“

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر الفاظ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو احکامِ الہی سن کر کہتے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ بظاہر وہ اہل ایمان کی طرح سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا) کہہ رہے ہوتے لیکن زبان کو مروڑ کر حقیقت میں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہتے۔

﴿وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ ”اور (کہتے ہیں) سنیے نہ سنا جائے۔“

وہ حضور ﷺ کی مجلس میں آپ کو مخاطب کر کے کہتے ذرا ہماری بات سنیے! ساتھ ہی چپکے سے کہہ دیتے کہ آپ سے سنا نہ جائے ہمیں آپ کو سنانا مطلوب نہیں ہے۔ اس طرح وہ شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

﴿وَرَاعِنَا لِيَا بَالِسِتِّهِمْ﴾ ”اور (کہتے ہیں) رَاعِنَا اپنی زبانوں کو موڑ کر“

رَاعِنَا کا مفہوم تو ہے ”ہماری رعایت کیجیے“ لیکن وہ اسے کھینچ کر رَاعِنَا بنا دیتے۔ یعنی اے ہمارے چرواہے! ﴿وَوَطَعْنَا فِي الدِّينِ﴾ ”اور دین میں طعن کرنے کے لیے۔“

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر ایسے کلمات کہتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص واقعی نبی ہوتا تو ہمارا فریب اس پر ظاہر ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ظاہر کر دیا۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَأَنْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا﴾ ”اور اگر وہ یہ کہتے

کہ ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی اور آپ ہماری بات سن لیجیے اور ذرا ہمیں مہلت دیجیے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور بہت درست اور سیدھی بات ہوتی“

﴿وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ ”لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے“

﴿فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ﴿۳۷﴾ ”تو اب وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر شاذ ہی کوئی۔“

**آیت ۳۷** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا﴾ ”اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا ہے“

یہود کی شرارتوں پر لعنت و ملامت کے ساتھ ہی انہیں قرآن کریم پر ایمان کی دعوت بھی دی جا رہی ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ ”جو اس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے جو تمہارے پاس ہے“

﴿مَنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا﴾ ”اس سے قبل کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں“



پھر ان کو ان کی پیٹھوں کی طرف موڑ دیں“

یعنی چہرے اس طرح مسخ کر دیے جائیں کہ بالکل سپاٹ ہو جائیں، ان پر کوئی نشان باقی نہ رہے اور پھر انہیں پشت کی طرف موڑ دیا جائے کہ چہرہ پیچھے اور گدی سامنے۔

﴿أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ﴾ ”یا ہم ان پر بھی اسی طرح لعنت کر دیں جس طرح

ہم نے اصحابِ سبت پر لعنت کی تھی۔“

اصحابِ سبت کے واقعے کی تفصیل سورۃ الاعراف (رکوع ۲۱) میں آئے گی، لیکن اجمالاً یہ واقعہ سورۃ البقرۃ

(آیات ۶۵، ۶۶) میں بھی آچکا ہے۔

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ ”اور اللہ کا حکم تو نافذ ہو کر رہتا ہے۔“

**آیت ۲۸** ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ ”اور یقیناً اللہ اس بات کو ہرگز نہیں بخشتے گا کہ اس کے

ساتھ شرک کیا جائے“

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور اس سے کم تر جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا

بخش دے گا۔“

بہر حال یہ بھی کوئی کھلا لائنس نہیں ہے کہ کسی کے باقی سب گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے۔ البتہ ان الفاظ میں اُمید دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی تمام گناہوں کو بغیر توبہ کے بھی معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ آگے آیت ۱۱۶ میں اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ ”اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے

اس نے تو بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔“

اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اُس کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹا افترا بہتان

اور عظیم ترین گناہ ہے۔

**آیت ۲۹** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزُكُّونَ أَنفُسَهُمْ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو اپنے آپ

کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں؟“

یہاں یہود کے اسی فلسفے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت پاک باز اور اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں۔ ان کا

دعویٰ ہے کہ ”We are the chosen people of the Lord“ کہ ہم اللہ کے منظور نظر لوگ ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ان کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (آیت ۱۸) یعنی ہم تو اللہ کے بیٹوں

کی طرح ہیں بلکہ اس کے بہت ہی چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسرے تمام لوگ Goyims اور

Gentiles ہیں جو دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں، حقیقت میں حیوان ہیں۔ ان کو ہم جس طرح چاہیں لوٹ کر



کھا جائیں جس طرح سے چاہیں ان کو دھوکہ دیں ان کا استحصال کریں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اس حوالے سے سورہ آل عمران میں ہم ان کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ﴾ (آیت ۷۵) کہ ان اُمیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہم سے ان کے بارے میں کوئی محاسبہ اور کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ جیسے آپ نے اپنے گھوڑے کو ٹانگے میں جوت لیا یا ہرن کا شکار کر کے اسے کھا لیا تو آپ سے اس پر کون مواخذہ کرے گا؟

﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَن يَّشَاءُ﴾ ”بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ ”اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

ان کو اگر پاکیزگی نہیں ملتی تو اس کا سبب ان کے اپنے کرتوت ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ فَتِيل دراصل اُس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کے اندر گٹھلی کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں جو چھوٹی سے چھوٹی چیزیں لوگوں کے مشاہدے میں آتی تھیں ظاہر ہے کہ وہیں سے کسی چیز کے چھوٹا ہونے کے لیے مثال پیش کی جاسکتی تھی۔

**آیت ۵۰** ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ﴾ ”دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ

رہے ہیں؟“

﴿وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا﴾ ”اور صریح گناہ ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے۔“

یعنی ان کی گرفت کے لیے اور ان کو عذاب دینے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے جو انہوں نے گھڑی ہے۔

**آیت ۵۱** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں

کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا“

﴿يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ ”وہ ایمان لاتے ہیں بتوں پر اور شیطان پر“

﴿وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾ ”اور کہتے ہیں ان

لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا (یعنی مشرکین) کہ ان اہل ایمان سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔“

یہود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں ان سے مشابہ تھے پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے اور تورات کو اللہ کی کتاب مانتے تھے۔ لیکن اہل ایمان کے ساتھ ضدم ضدا اور عداوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ مشرکین مکہ سے مل کر ان کے بتوں کی تعظیم کرتے اور کہتے کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

**آیت ۵۲** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمادی ہے۔“



﴿وَمَنْ يُلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ (۵۲) ”اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اُس کے لیے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔“

**آیت ۵۳** ﴿أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ ”کیا ان کا کوئی حصہ ہے اقتدار میں؟“

انہوں نے یہ جو تقسیم کر لی ہے کہ دنیا میں یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے باقی تمام انسان Goyims اور Gentiles ہیں تو انسانوں میں یہ تقسیم اور تفریق کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے؟ کیا ان کا اللہ کی حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ زمین و آسمان کی بادشاہی تو اللہ کی ہے مالک الملک اللہ ہے۔ تو کیا ان کو اُس کے پاس سے کوئی اختیار ملا ہوا ہے؟

﴿فَإِذَا لَا يُوْتُونَ النَّاسَ نَصِيرًا﴾ (۵۳) ”اگر ایسا کہیں ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے دینے کو تیار نہ ہوتے۔“

**آیت ۵۴** ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”کیا یہ حسد کر رہے ہیں لوگوں سے اس پر کہ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کر دیا ہے؟“

دراصل یہ سب اس حسد کا نتیجہ ہے جو یہ مسلمانوں سے رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان اُمّتیوں میں اپنا آخری نبی بھیج دیا اور انہیں اپنی آخری کتاب عطا فرمادی جنہیں یہ حقیر سمجھتے تھے۔ اب یہ اس حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔

﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾ (۵۴) ”تو ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بہت بڑی حکومتیں بھی دیں۔“

یعنی انہیں اگر تورات اور انجیل ملی تھی تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے ناتے سے ملی تھی، تو یہ جو بنو اسماعیل ہیں یہ بھی تو ابراہیم ہی کی نسل سے ہیں۔ ہاں بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت علیحدہ علیحدہ ملی۔ تورات کتاب تھی اور انجیل حکمت تھی، جبکہ یہاں کتاب اور حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر قرآن میں بتام و کمال جمع کر دی ہیں۔ مزید برآں جیسے ان کو ملکِ عظیم دیا تھا، اب ہم ان مسلمانوں کو اس سے بڑا ملک دیں گے۔ یہ مضمون سورۃ النور میں آئے گا: ﴿لَيْسَتْ خُلُفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ (آیت ۵۵) ”ہم لازماً ان اہل ایمان کو دنیا میں حکومت اور خلافت عطا کریں گے جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی تھی۔“

**آیت ۵۵** ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ ”پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اس سے رُک گئے ہیں۔“

﴿وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا﴾ (۵۵) ”اور ایسے لوگوں کے لیے تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔“

**آیت ۵۶** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا﴾ ”یقیناً جو لوگ ہماری آیات کا کفر



کریں گے ایک وقت آئے گا کہ ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔“

﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا﴾ ”اور جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں

گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے“

﴿لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط﴾ ”تا کہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔“

یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جسے میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے کہ درد کا احساس انسان کی کھال (skin) ہی میں ہے۔ اس کے نیچے گوشت اور عضلات وغیرہ میں درد کا احساس نہیں ہے۔ کسی کو چٹکی کاٹی جائے، کانٹا چبھے، چوٹ لگے یا کوئی حصہ جل جائے تو تکلیف اور درد کا سارا احساس جلد ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب بھی ان کی کھال آتشِ جہنم سے جل جائے گی تو اس کی جگہ نئی کھال دے دی جائے گی تا کہ ان کی تکلیف اور جلن کا احساس مسلسل برقرار رہے اس میں کمی نہ ہو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۶﴾﴾ ”یقیناً اللہ زبردست ہے کمالِ حکمت والا ہے۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے“

اہلِ جہنم کے تذکرے کے فوراً بعد اہلِ جنت کا ذکر ہے۔ یہ فوری تقابل (simultaneous contrast) کا وہ معروف انداز ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

﴿سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”عنقریب انہیں ہم داخل کریں گے ان

باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی“

﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط﴾ ”وہ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیش۔“

﴿لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ مُطَهَّرَةٌ﴾ ”ان کے لیے اس میں ہوں گی بڑی پاک باز بیویاں“

﴿وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۵۷﴾﴾ ”اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں۔“

انہیں ایسی گہری اور ٹھنڈی چھاؤں میں رکھا جائے گا جو دھوپ کی حدت اور تمازت سے بالکل محفوظ ہوگی۔

یہاں وہ حصہ ختم ہوا جس میں اہلِ کتاب کی طرف روئے سخن تھا۔ اب پھر مسلمانوں سے خطاب ہے۔

## آیات ۵۸ تا ۷۰

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

بِالْعَدْلِ ط إِنَّ اللَّهَ نَعِيمًا يَعِظُكُمْ بِهِ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ  
 يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۗ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا  
 بَعِيدًا ۗ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتِ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ  
 عَنْكَ صُدُودًا ۗ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ تُمْ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۗ  
 بِاللَّهِ إِنَّ أَرْدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۗ فَأَعْرِضْ  
 عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۗ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ  
 بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ  
 لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۗ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا  
 يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۗ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا  
 أَنْفُسَكُمْ أَوْ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ  
 لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۗ وَإِذًا لَأَتَيْنَهُمْ مِنَ لَدُنَّا آجْرًا عَظِيمًا ۗ وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا  
 مُسْتَقِيمًا ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ  
 وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۗ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ۗ ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۗ

وَكُفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۗ

یہ دو آیات (۵۸، ۵۹) قرآن مجید کی نہایت اہم آیات ہیں، ان میں اسلام کا سارا سیاسی، قانونی اور دستوری نظام موجود ہے۔ فرمایا:

**آیت ۵۸** ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا الْأَمْنِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ”اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو“

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ ”اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔“

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ جو بھی سیاسی نظام بناتے ہیں اس میں مناصب ہوتے ہیں، جن کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں اور اختیارات بھی۔ لہذا ان مناصب کے انتخاب میں آپ کی رائے کی حیثیت امانت کی ہے۔ آپ اپنی رائے دیکھ بھال کر دیں کہ کون اس کا اہل ہے۔ اگر آپ نے ذات برادری، رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یا مفادات کے لالچ میں یا کسی کی دھونس کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دی تو یہ صریح خیانت ہے۔ حق رائے وہی ایک امانت ہے اور اس امانت کا استعمال صحیح صحیح ہونا چاہیے۔ عام معنی میں بھی امانت کی حفاظت ضروری ہے اور



جو بھی امانت کسی نے رکھوائی ہے اسے واپس لوٹانا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہاں یہ بات اجتماعی زندگی کے اہم اصولوں کی حیثیت سے آرہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ گویا پہلی ہدایت سیاسی نظام سے متعلق ہے کہ امیر المؤمنین یا سربراہ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہوگا جبکہ دوسری ہدایت عدلیہ (Judiciary) کے استحکام کے بارے میں ہے کہ وہاں بلا امتیاز ہر ایک کو عدل و انصاف میسر آئے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ نِعْمًا يَعِظُكُمْ بِهِ﴾ ”یقیناً یہ بہت ہی اچھی نصیحتیں ہیں جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

اگلی آیت میں تیسری ہدایت مقننہ (Legislature) کے بارے میں آرہی ہے کہ اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد کیا ہوگی۔ جدید ریاست کے تین ستون انتظامیہ (Executive) عدلیہ (Judiciary) اور مقننہ (Legislature) گنے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو کا ذکر گزشتہ آیت میں آیا ہے۔ اب اگلی آیت میں مقننہ کا ذکر ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی کے اصول کیا ہوں گے۔ فرمایا:

**آیت ۵۹** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی“

یعنی کوئی قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔ اصولی طور پر یہ بات پاکستان کے دستور میں بھی تسلیم کی گئی ہے:

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

یعنی کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہیں کی جائے گی۔ لیکن اس کی تنفیذ و تعمیل کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے لہذا اس وقت ہمارا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اس آیت کی رو سے اللہ کے احکام اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام قانون سازی کے دو مستقل ذرائع (sources) ہیں۔ اس طرح یہاں منکرین سنت کی نفی ہوتی ہے جو موخر الذکر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ ”اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی (اطاعت کرو)۔“

اس آیت کا اسلوب خصوصی طور پر لائق توجہ ہے۔ یہاں تین ہستیوں یعنی اللہ رسول ﷺ اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن پہلے دو کے لیے ”أَطِيعُوا“ کا لفظ آیا ہے جبکہ تیسرے کے لیے نہیں ہے۔ ایک اسلوب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ”أَطِيعُوا“ ایک مرتبہ آجاتا اور اس کا اطلاق تینوں پر ہو جاتا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ“۔ اس طرح تینوں برابر ہو جاتے۔ دوسرا اسلوب یہ ہو سکتا تھا کہ ”أَطِيعُوا“ تیسری مرتبہ بھی آتا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ“۔ لیکن قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے کہ ”أَطِيعُوا“ دو کے ساتھ ہے تیسرے کے ساتھ نہیں ہے اس سے اولوالامر کی اطاعت کا مرتبہ (status) متعین ہو جاتا ہے۔ ایک تو ”مِنْكُمْ“ کی شرط سے واضح ہو گیا کہ



اولوالامرتم ہی میں سے ہونے چاہئیں، یعنی مسلمان ہوں۔ غیر مسلم کی حکومت کو ذہناً تسلیم کرنا اللہ سے بغاوت ہے۔ پھر متذکرہ بالا اسلوب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اولوالامر کی اطاعت مطلق، دائم اور غیر مشروط نہیں۔ اللہ اور رسول کی اطاعت مطلق، دائم، غیر مشروط اور غیر محدود ہے، لیکن صاحب امر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہوگی۔ وہ جو حکم بھی لائے اسے بتانا ہوگا کہ میں کتاب و سنت سے کیسے اس کا استنباط کر رہا ہوں۔ گویا اسے کم از کم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ ایک مسلمان ریاست میں قانون سازی اسی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست میں قانون ساز ادارہ کوئی بھی ہو، کانگریس ہو یا پارلیمنٹ ہو یا مجلس ملی ہو، وہ قانون سازی اس شرط کے ساتھ کرے گی کہ اس کا بنایا ہوا کوئی قانون قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو۔

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ ”پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو جائے“

ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اولوالامر کہے کہ میں تو اسے اسلام کے عین مطابق سمجھتا ہوں، لیکن دوسرے لوگ کہیں کہ نہیں، یہ بات خلاف اسلام ہے، تو اب کہاں جائیں؟ فرمایا:

﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ ”تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف“

یعنی ہر ایک کو اپنا موقف درست ثابت کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے یعنی قرآن و سنت سے دلیل لانی پڑے گی۔ میری پسند، میرا خیال، میرا نظریہ والا استدلال قابل قبول نہیں ہوگا۔ استدلال کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی ہوگی۔ البتہ اس حکم میں ایک خلاء چھوڑا گیا ہے جو ہر زمانے کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے پُر ہوگا۔ وہ خلاء یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ فریقین میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔ بہر حال آج کے ریاستی نظام میں یہ خلاء ایک آزاد عدلیہ پُر کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب عرب میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس طرح علیحدہ علیحدہ ریاستی ادارے ابھی واضح طور پر وجود میں نہیں آئے تھے اور ان کی الگ الگ شناخت نہیں تھی کہ یہ مقننہ (Legislature) ہے، یہ عدلیہ (Judiciary) ہے اور یہ انتظامیہ (Executive) ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو کوئی قاضی تھے ہی نہیں۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شعبہ قضاء شروع کیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ ریاستی ادارے پروان چڑھے۔ جدید دور میں ان تنازعات کے حل کا ادارہ عدلیہ ہے۔ وہاں ہر شخص جائے اور اپنی دلیل پیش کرے۔ علماء جائیں، قانون دان جائیں اور سب جا کر دلائل دیں۔ وہاں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سی بات واقعتاً قرآن و سنت سے متصادم ہے۔

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”اگر تم واقعتاً اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان

رکھتے ہو۔“

﴿ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ”یہی طریقہ بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت

مفید ہے۔“

آگے پھر منافقین کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اس سورہ مبارکہ کا سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب اور ان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔



**آیت ۶۰** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبی ﷺ!) آپ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا“

لیکن ان کا طرز عمل یہ ہے کہ:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ ”وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے

طاغوت سے کروائیں“

یہاں ”طاغوت“ سے مراد وہ حاکم یا وہ ادارہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ پچھلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند ہو گیا وہ طاغوت سے خارج ہو گیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول نہیں کرتا وہ طاغوت ہے اس لیے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ غیر مسلم حاکم یا منصف جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند نہیں وہ طاغوت ہے۔

﴿وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ﴾ ”حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔“

منافقینِ مدینہ کی عام روش یہ تھی جس مقدمہ میں انہیں اندیشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لانے کے بجائے یہودی عالموں کے پاس لے جاتے۔ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس جائیں گے تو حق اور انصاف کی بات ہوگی۔ ایک یہودی اور ایک مسلمان جو منافق تھا ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کہنے لگا کہ چلو محمد (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ میں حق پر ہوں۔ لیکن یہ منافق کہنے لگا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں جو ایک یہودی عالم تھا۔ بہر حال وہ یہودی اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ چلو اب حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں وہ جو فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہوگا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آگئے۔ منافق کو یہ امید تھی کہ حضرت عمرؓ میرا زیادہ لحاظ کریں گے، کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن جب یہودی نے یہ بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے آؤ دیکھنا نہ تاؤ، تلوار لی اور اس منافق کی گردن اڑادی کہ جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے اور اس کے بعد مجھ سے فیصلہ کروانا چاہتا ہے اس کے حق میں میرا یہ فیصلہ ہے! اس پر اس منافق کے خاندان والوں نے بڑا دایلا مچایا۔ وہ چیختے چلاتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مقتول حضرت عمرؓ کے پاس یہودی کو لے کر اس وجہ سے گیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں باہم مصالحت کرادیں اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے انکار نہیں تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر فرمادی گئی۔

﴿وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ ”اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی







تھی۔ جیسا کہ جماعتی زندگی میں بعض لوگوں پر امیر کی اطاعت بہت شاق گزرتی ہے۔ اس لیے کہ امیر کی رائے پر چلنے کے لیے اپنی رائے کو پیچھے ڈالنا پڑتا ہے۔ بہر حال جو صادق الایمان مسلمان تھے انہیں تو یہ یقین تھا کہ یہ محمد بن عبد اللہ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم ان کی اسی حیثیت میں ان پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں یہ یقین نہیں تھا یا کمزور تھا ان کے لیے حضور ﷺ کی شخصی اطاعت بڑی بھاری اور بڑی کٹھن تھی۔ اسی لیے بعض مواقع پر منافقین حضور ﷺ پر اعتراض کرتے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔ کیوں نہیں کوئی سورت نازل ہو جاتی؟ کیوں نہیں کوئی آیت نازل ہو جاتی؟ اور سورہ محمد اسی انداز میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے جب حضور ﷺ کے اقدام جہاد کے بارے میں کہا کہ محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے اقدام کر دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ محمد میں قتال کی آیات نازل کر دی گئیں۔ دوسری چیز جو ان پر کٹھن تھی وہ تھا قتال، یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا۔ اس معاملے میں ان کا حال بقول غالب یہ تھا کہ ”مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!“ تیسری کٹھن چیز ہجرت تھی۔ اس کا اطلاق منافقین مدینہ پر نہیں ہوتا تھا بلکہ مکہ اور اردگرد کے جو منافق تھے ان پر ہوتا تھا۔ ان کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ ظاہر ہے گھربار اور خاندان والوں کو چھوڑ کر نکل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اب اس پس منظر میں سب سے پہلے اطاعت رسول کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے:

**آیت ۶۴** ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔“

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ ”اور اگر وہ جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے“

﴿فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ ”اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے“

﴿لَوْ جَدُّوا لِلَّهِ تَوَابًا رَحِيمًا﴾ ”تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔“

**آیت ۶۵** ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ ”پس نہیں آپ کے رب کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو حکم نہ مانیں ان تمام معاملات میں جو ان کے مابین پیدا ہو جائیں“

یعنی اس معاملے میں انہیں کوئی اختیار (choice) حاصل نہیں ہے۔ ان کے مابین جو بھی نزاعات اور اختلافات ہوں ان میں اگر یہ آپ کو حکم نہیں مانتے تو آپ کے رب کی قسم یہ مؤمن نہیں ہیں۔ کلام الہی کا دو ٹوک اور پُر جلال انداز ملاحظہ کیجیے۔



﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾ ” پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں“

اگر آپ کا فیصلہ قبول بھی کر لیا، لیکن دل کی تنگی اور کدورت کے ساتھ کیا تب بھی یہ مؤمن نہیں ہیں۔

﴿وَيَسْلِمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵﴾ ”اور سر تسلیم خم کریں جیسے کہ سر تسلیم خم کرنے کا حق ہے۔“

واضح رہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں تھا، بلکہ یہ قیامت تک کے لیے ہے۔

**آیت ۶۶** ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنْ اَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور اگر ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا ہوتا کہ قتل کرو اپنے آپ کو“

﴿اَوْ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ ”یا نکلوا اپنے گھروں سے“

﴿مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۝۶۷﴾ ”تو یہ اس کی تعمیل نہ کرتے سوائے ان میں سے چند ایک کے۔“

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوعَظُوْنَ بِهٖ﴾ ”اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے“

اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے: ”اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں ہدایت کی جاتی“ یعنی اپنے

آپ کو قتل کرنا اور اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونا۔

﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثِيْبًا ۝۶۸﴾ ”تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور انہیں دین پر ثابت قدم

رکھنے والا ہوتا۔“

**آیت ۶۷** ﴿وَإِذَا لَاتِيْنَهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷﴾ ”اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس

سے بہت بڑا اجر دیتے۔“

**آیت ۶۸** ﴿وَلَهْدِيْنَهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸﴾ ”اور انہیں ہدایت فرمادیتے سیدھی راہ کی طرف۔“

اکثر مفسرین نے اس آیت کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ

اپنے آپ کو قتل کرو خودکشی کرو تو ہمیں یہ کرنا ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو نکلنا

ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کی طرف سے دیا گیا ہر حکم ہمارے لیے واجب التعمیل

ہے۔ البتہ یہاں ﴿اِنْ اَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ کے الفاظ میں ایک مزید اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ

(آیت ۵۴) میں ہم تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے

پچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو مرتد ہونے کی جو سزا دی گئی تھی اس کے لیے یہی الفاظ آئے تھے: ﴿فَاَقْتُلُوْا

اَنْفُسَكُمْ﴾ ”پس قتل کرو اپنے آپ کو“۔ اس سے مراد یہ تھی کہ تم اپنے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو قتل کرو جنہوں

نے اس کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ اب ادھر منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی حمایت میں اکثر و بیشتر ان کے

خاندان والے رشتہ دار ان کے گھرانے والے سب ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ تو یہاں شاید یہ بتایا جا رہا

ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ان کی حمایت کرو تمہارا طرز عمل اس کے برعکس ہونا چاہیے کہ تم اپنے اندر سے خود دیکھو



کہ کون منافق ہیں جو اصل میں آستین کے سانپ ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا، مگر وہ یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ ہر گھرانہ اپنے ہاں کے منافقین کو خود قتل کرے۔ یہ تو حضرت عمرؓ نے اپنی غیرتِ ایمانی کی وجہ سے اس منافق کو قتل کیا تھا، جبکہ اُس منافق کے خاندان کے لوگ حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ بھی تمہیں کرنا چاہیے تھا، لیکن یہ اللہ کے علم میں ہے کہ تم میں سے بہت کم لوگ ہوتے جو اس حکم کی تعمیل کرتے۔ اور اگر وہ یہ کر گزرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ان کے ثباتِ قلبی اور ثباتِ ایمانی کا باعث ہوتا۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں خاص اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا۔

اب جو آیت آرہی ہے یہ اطاعتِ رسول کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

**آیت ۶۹** ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسول کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا“

﴿مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ ”یعنی انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔“

﴿وَحَسَنَ أَوْلِيَّكَ رَفِيقًا﴾ ”اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے۔“

یعنی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرنے والوں کا شمار ان لوگوں کے زمرے میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الفاتحہ کے یہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾۔ گویا آیت زیر مطالعہ ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کی تفسیر ہے۔ آیت میں مذکور مراتب کے بارے میں یہ وضاحت مد نظر رکھیے کہ صالح مسلمان گویا baseline پر ہے۔ وہ ایک نیک نیت مسلمان ہے جس کے دل میں خلوص کے ساتھ ایمان ہے۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کر رہا ہے، محرمات سے بچا ہوا ہے۔ وہ اس سے اوپر اٹھے گا تو اس سے آگے شہداء کا درجہ ہے، اس سے بلندتر درجہ صدیقین کا ہے اور بلندترین درجہ انبیاء کا ہے۔ اس بلندترین درجے پر تو کوئی نہیں پہنچ سکتا، اس لیے کہ وہ کوئی کسی چیز نہیں ہے، وہ تو ایک وہی چیز تھی، جس کا دروازہ بھی اب بند ہو چکا ہے۔ البتہ مرتبہ صالحیت سے بلندتر دو درجے اب بھی موجود ہیں کہ انسان اپنی ہمت، محنت اور کوشش سے شہادت اور صدیقیت کے مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہ مضمون ان شاء اللہ سورۃ الحدید میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوگا۔

**آیت ۷۰** ﴿ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۗ﴾ ”یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اُن پر کہ جنہیں آخرت میں انبیاء کرام، صدیقین، عظام، شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے دعا کرنی چاہیے: وَتَوَقَّفْنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اے اللہ ہمیں موت دیجیو اپنے وفادار و نیکو کار بندوں کے ساتھ!

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ ”اور اللہ کافی ہے ہر شے کے جاننے کے لیے۔“



یعنی کون کس استعداد کا حامل ہے اور کس قدر و منزلت کا مستحق ہے اللہ خوب جانتا ہے۔ حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

## آیات ۷ تا ۱۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ۗ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَاهِدًا ۗ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ لِّأَنَّتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَافُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۗ فليقاتلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۗ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۗ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۗ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۗ

اب ذکر آ رہا ہے قتال فی سبیل اللہ کا۔ یہ دوسری چیز تھی جو منافقین پر بہت بھاری تھی۔ مادی اعتبار سے یہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اطاعتِ رسول زیادہ تر ایک نفسیاتی مرحلہ تھا، ایک نفسیاتی الجھن تھی، لیکن اپنا مال خرچ کرنا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ایک خالص محسوس مادی شے تھی۔

**آیت ۷** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ ”اے اہل ایمان اپنے تحفظ کا سامان (اور اپنے ہتھیار) سنبھالو“

﴿فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا﴾ ”اور (جہاد کے لیے) نکلو، خواہ ٹکڑیوں کی صورت میں خواہ فوج کی شکل میں۔“

یعنی جیسا موقع ہو اس کے مطابق الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے فوج کی صورت میں نکلو۔ رسول اللہ ﷺ موقع کی مناسبت سے کبھی چھوٹے چھوٹے گروپ بھیجتے تھے۔ جیسے غزوہ بدر سے قبل آپ نے آٹھ مہمیں روانہ فرمائیں، جبکہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں آپ پوری فوج لے کر نکلے۔ تو ان میں سے جو شکل بھی ہو، نکلو اللہ کی راہ میں!

**آیت ۸** ﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ﴾ ”اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیر لگا دیتے ہیں۔“ حکم ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنا ہے، فلاں وقت کوچ ہوگا، لیکن وہ تیاری میں ڈھیل برت رہے ہیں اور پھر بہانہ بنا دیں گے کہ بس ہم تو تیاری کر ہی رہے تھے۔ اور وہ منتظر رہتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے تو اس



وقت ہم کہیں گے کہ ہم تو بس نکلنے ہی والے تھے کہ یہ فیصلہ ہم کو پہنچ گیا۔

﴿فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ﴾ ”پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے“

اگر جنگ کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کو کوئی تکلیف پیش آ جائے، کوئی گزند پہنچ جائے، وقتی طور پر کوئی

ہزیمت ہو جائے۔

﴿قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا﴾ ”تو وہ کہے گا کہ مجھ پر تو اللہ نے بڑا

انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔“

مجھ پر اللہ کا بڑا فضل و کرم ہوا کہ میں پیچھے رہ گیا اور اس معرکے میں جانے سے بچ گیا۔ میری فلاں جو

ضرورت تھی وہ میرے لیے رحمت بن گئی۔ اُس وقت میرا جواونٹ گم ہوا تھا اگر کہیں میرے پاس موجود ہوتا تو میں

بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہوتا۔

**آیت ۷۳** ﴿وَلَكِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”اور اگر تمہیں کوئی فضل پہنچ جائے اللہ کی طرف سے“

یعنی تمہیں فتح ہو جائے اور تم کامرانی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس آؤ۔

﴿لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ﴾ ”تو اُس وقت وہ (حسرت کے ساتھ) کہے گا“

جیسے تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں“

﴿يَلْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ ”اے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا ہوتا تو

یہ بڑی کامیابی مجھے بھی حاصل ہو جاتی۔“

یہ منافقین کا کردار تھا جس کا یہاں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

**آیت ۷۴** ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ ”پس اللہ کی راہ

میں قتال کرنا چاہیے ان لوگوں کو جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔“

جو لوگ دنیا کی زندگی کے بدلے میں آخرت کے طالب ہیں، ان کے لیے تو قتال فی سبیل اللہ میں کوئی

ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر انہوں نے وقتی اللہ تعالیٰ سے یہ سودا کر لیا ہے تو پھر انہیں اللہ کی راہ میں جنگ

کے لیے نکلنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ﴾ ”اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں قتال کرے گا، تو

خواہ مارا جائے یا غالب ہو“

اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے کے لیے دو ہی امکانات ہیں، ایک یہ کہ وہ قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز

ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ دشمن پر غالب رہے اور فتح مند ہو کر واپس آئے۔

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”ہم اسے (دونوں حالتوں میں) بہت بڑا اجر عطا

فرمائیں گے۔“



اگلی آیت میں خاص طور پر ان مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے قتال کی ترغیب دلائی جا رہی ہے جو اُس وقت مختلف علاقوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان میں کمزور بھی تھے بیمار اور بوڑھے بھی تھے خواتین اور بچے بھی تھے۔ یہ لوگ ایمان تو لے آئے تھے لیکن ہجرت کرنے سے معذور تھے۔ یہ اپنے اپنے علاقوں میں اور اپنے اپنے قبائل میں پھنسے ہوئے تھے جہاں ان پر ظلم ہو رہا تھا اور انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ تو خاص طور پر ان کی مدد کے لیے نکلنا ان کی جان چھڑانا اور ان کو بچا کر لے آنا یہ غیرتِ ایمانی کا بہت ہی شدید تقاضا تھا بلکہ یہ غیرتِ انسانی کا بھی تقاضا تھا۔ چنانچہ فرمایا:

**آیت ۷۵** ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم قتال نہیں کرتے اللہ کی راہ میں“

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ”اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو مغلوب بنا دیے گئے ہیں“

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ ”جو دُعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں نکال اس بستی سے جس کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں۔“

﴿وَأَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ ”اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے خاص اپنے فضل سے کوئی مددگار بھیج دے۔“

ان کی یہ آہ و بکا تمہیں آمادہ پیکار کیوں نہیں کر رہی؟ ان پر ظلم ہو رہا ہے ان پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے نکلنے کو تیار نہیں ہو۔ بعض لوگ اس آیت کا انطباق ان مختلف قسم کے سیاسی تنازعات پر بھی کر دیتے ہیں جو آج کل ہمارے ہاں مختلف صورتوں میں جاری ہیں اور اس طرح وہ ان محاذ آرائیوں پر ”جہاد فی سبیل اللہ“ کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل ہی قیاس مع الفارق ہے۔ واضح رہے کہ یہ خطاب اُن اہل ایمان سے ہو رہا ہے جن کے ہاں اسلام قائم ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں تو اسلام قائم کر نہیں سکتے یہاں پر دین کے غلبہ و اقامت کی کوئی جدوجہد بھی ہم نہیں کر رہے اور ہمارے ہاں کفر کا جو نظام چل رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ہم کوشش بھی نہیں کر رہے۔ چنانچہ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے گھر کو درست کریں، پہلے اپنے ملک کے اندر اسلام قائم کریں۔ جہاد کرنا ہے تو یہاں کریں، جانیں دینی ہیں تو یہاں دیں۔ یہاں پر طاغوت کی حکومت ہے، غیر اللہ کی حکومت ہے، قرآن کے سوا کوئی اور قانون چل رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ..... ﴿فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ..... ﴿فَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ (المائدة) ”اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ..... وہی تو ظالم ہیں ..... وہی تو فاسق ہیں۔“ چنانچہ اس سیاق و سباق میں کافر، ظالم اور فاسق تو ہم خود ہیں۔ ہمیں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرنا



ہوگی اس کے بعد جہاد کے لیے ایک جمعیت قائم کرنا ہوگی۔ ہماری حکومت تو ان لوگوں سے دوستیاں کرتی پھرتی ہے جن کے خلاف یہاں جہاد کا نعرہ بلند ہو رہا ہے، تو اس آیت کا حکم اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، لیکن ہر چیز کو اس کے سیاق و سباق کے اندر رکھنا چاہیے۔

**آیت ۷۶** ﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”جو لوگ ایمان والے ہیں وہ قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں۔“

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ ”اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں“

جنگ تو کفار و مشرکین بھی کر رہے ہیں، جانیں تو وہ بھی دے رہے ہیں۔ ابو جہل بھی تو لشکر لے کر آیا تھا۔ لیکن ان کی ساری جدوجہد طاغوت کی راہ میں ہے۔

﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ﴾ ”تو تم جنگ کرو شیطان کے ساتھیوں سے۔“

تم شیطان کے حمایتیوں سے، حزب الشیطان سے قتال کرو۔

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ ”یقیناً شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔“

شیطان کی چال بظاہر بڑی زوردار اور بارعب دکھائی دیتی ہے، لیکن جب مردِ مؤمن اس کے مقابل کھڑا ہو جاتا ہے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چال بڑی بودی اور پٹھپٹھی ہے۔

## آیات ۷۷ تا ۸۷

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَتْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۗ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۗ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ ۗ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۗ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۗ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۗ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۗ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۗ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ



اللَّهُ لَوْ جَدُّ وَافِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَكَلَّمَ  
 رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يُسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۖ وَكَلِمَاتُ اللَّهِ فَضْلٌ  
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا  
 نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِكَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا  
 وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ۝ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۗ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً  
 سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتِنًا ۝ وَإِذَا حُيِّتُمْ بِحِجَّةٍ فَيُؤَا  
 بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ  
 لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۗ

**آیت ۷۷** ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ ”تم  
 نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟“  
 مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک مسلمانوں کو یہی حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ اس دور میں مسلمانوں پر ظلم و  
 ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، انہیں بہت بری طرح ستایا جا رہا تھا، تشدد و تعذیب کی نئی تاریخ رقم کی جا رہی  
 تھی۔ اس پر مسلمانوں کا خون کھولتا تھا اور بہت سے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ انہیں اجازت دی جائے تو وہ اپنے  
 بھائیوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا بدلہ لیں، کہ آخر وہ بے غیرت اور بزدل تو نہیں ہیں۔ لیکن اُس وقت انہیں  
 ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ منہج انقلاب نبویؐ کا ”صبر محض“ کا مرحلہ تھا۔ اُس وقت ان کے لیے حکم یہ تھا  
 کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی

اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

ایک وقت آئے گا کہ تمہارے ہاتھ کھول دیے جائیں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ﴾ میں ”قِيلَ“ فعل مجہول  
 ہے۔ یہ کہا کس نے تھا؟ مکی قرآن میں تو ”كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ“ کا حکم موجود نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم تھا  
 جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ حضور ﷺ نے اہل ایمان کو ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا اور اس کے بارے میں بتایا  
 جا رہا ہے سورۃ النساء کی اس آیت میں جو مدنی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم قرار  
 دیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی جلی (قرآن) کے علاوہ نبی اکرم ﷺ پر وحی خفی بھی نازل ہوتی تھی۔ تو یہ  
 بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں وحی خفی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہو جو یہاں نقل ہوا ہے اور  
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا اپنا اجتہاد ہو جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھا ہو اور قبول (own) کیا ہو۔



اب یہ بات یہاں محذوف ہے کہ اُس وقت تو کچھ لوگ بڑے جوش و جذبہ سے اور بڑے زور شور سے کہتے تھے کہ ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ ہم جنگ کریں، لیکن اب کیا حال ہوا:

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً﴾

”تو جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈر رہے ہیں۔“

ظاہر بات ہے کہ یہ مکہ کے مہاجرین نہیں تھے بلکہ یہ حال منافقینِ مدینہ کا تھا، لیکن فرق و تفاوت واضح کرنے کے لیے مکی دور کی کیفیت سے تقابل کیا گیا کہ اصل ایمان تو وہ تھا، اور یہ جو صورت حال ہے یہ کمزوری ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

﴿وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں پروردگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں

فرض کر دی؟“

﴿لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾ ”کیوں نہ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی؟“

اس حکم کو کچھ دیر کے لیے مزید موخر کیوں نہ کیا؟

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے دنیا کا ساز و سامان بہت تھوڑا ہے۔“

﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى﴾ ”اور آخرت بہت بہتر ہے اُس کے لیے جو تقویٰ کی روش

اختیار کرے۔“

﴿وَلَا تظَلْمُونَ فِتْيَانًا﴾ ”اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔“

تمہاری حق تلفی قطعاً نہیں ہوگی اور تمہارے جو بھی اعمال ہیں، انفاق ہے، قتال ہے، اللہ کی راہ میں ایثار ہے،

اس کا تمہیں بھرپورا اجر و ثواب دے دیا جائے گا۔

**آیت ۷۸** ﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ﴾ ”تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم کو پالے گی“

ظاہر ہے قتال سے جی چرانے کا اصل سبب موت کا خوف تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں کے اندر جو خوف تھا

اسے ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ موت سے کوئی مفر نہیں، تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں

پالے گی۔

﴿وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ ”خواہ تم بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔“

اگرچہ تم بہت مضبوط (fortified) قلعوں کے اندر اپنے آپ کو محصور کر لو پھر بھی موت سے نہیں

بچ سکتے۔

﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے

تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔“



منافقین کا ایک طرز عمل یہ بھی تھا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو جاتی، فتح نصیب ہو جاتی، کوئی اور بھلائی پہنچ جاتی، حضور ﷺ کی تدبیر کے اچھے نتائج نکل آتے تو اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۗ﴾ ”اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے

ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ آپ کی وجہ سے ہے۔“

آپ نے یہ غلط اقدام کیا تو اس کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آگئی۔ یہ آپ کا فیصلہ تھا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کریں گے، ہم نے تو آپ کو مشورہ دیا تھا کہ مدینے کے اندر محصور ہو کر جنگ کریں۔

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ﴾ ”کہہ دیجیے سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔“

یہ سب چیزیں خیر ہو، شر ہو، تکلیف ہو، آسانی ہو، مشکل ہو، سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

﴿فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۗ﴾ ”تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی

بات بھی نہیں سمجھتے!“

**آیت ۷۹** ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۗ﴾ ”(اے

مسلمان!) تجھے جو بھلائی بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے، اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ خود تیرے نفس کی طرف سے ہے۔“

ان آیات کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہاں تحویل خطاب ہے۔ پہلی آیت میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جن کی طرف سے کمزوری یا نفاق کا اظہار ہو رہا تھا، لیکن اس آیت میں بحیثیت مجموعی خطاب ہے کہ دیکھو اے مسلمانو! جو بھی کوئی خیر تمہیں ملتا ہے اس پر تمہیں یہی کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی شر پہنچ جائے تو اسے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر بھی۔ ”ایمان مفصل“ میں الفاظ آتے ہیں: ”وَالْقَدْرَ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى“ یعنی میں تقدیر پر بھی ایمان لایا کہ اس کی اچھائی اور برائی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ خیر ملے تو اسے اللہ کا فضل سمجھے اور اگر کوئی خرابی ہو جائے تو سمجھے کہ یہ میری کسی غلطی کے سبب ہوئی ہے، مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تادیب فرمائی چاہی ہے۔

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۗ﴾ ”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تو لوگوں کے لیے رسول بنا کر

بھیجا ہے۔“

اس مقام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ درمیانی ٹکڑے میں بھی خطاب تو رسول اللہ ﷺ ہی سے ہے، لیکن استعجاب کے انداز میں کہ اچھا! جو کچھ انہیں خیر مل جائے وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی



آجائے تو وہ آپ کی طرف سے ہے! یعنی یہ کیا بات کہہ رہے ہیں! جبکہ اللہ نے تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی یہ دو تعبیریں ہیں۔ میرے نزدیک پہلی تعبیر راجح ہے۔

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۸۰﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہ کے طور پر۔“

**آیت ۸۰** ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۝﴾ ”جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ اس لیے کہ یہ الفاظ دو ٹوک انداز میں واضح کر رہے ہیں کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي)) (۱)

”جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی ساری جدوجہد جماعتی نظم کے تحت ہو رہی تھی۔ جہاد و قتال کے لیے فوج تیار ہوتی تو اس میں اوپر سے نیچے تک سمع و طاعت کی ایک زنجیر بنتی چلی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کمانڈر انچیف تھے، آپ لشکر کے میمنہ، میسرہ، قلب اور عقب وغیرہ پر نیز ہر اول دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر فرماتے۔ ان امراء کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

﴿وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝۸۱﴾ ”اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے۔“

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اپنے طرز عمل کے یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر یہ اُس کے محاسبے کا خود سامنا کر لیں گے۔

**آیت ۸۱** ﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۝﴾ ”اور کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے“

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں، آپ نے جو فرمایا قبول ہے، ہم اس پر عمل کریں گے۔

﴿فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۝﴾ ”پھر جب آپ کے پاس سے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔  
وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب اطاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية۔



ہتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو ایسے مشورے کرتا ہے جو ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔“  
یہ منافقین آپ کے سامنے اطاعت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن آپ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں راتوں کو آپس میں ان کے برعکس باتیں کرتے ہیں اور ریشہ دو انیاں اور سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ ۗ﴾ ”اور اللہ لکھ رہا ہے جو بھی وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔“

﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے“

آپ ان کی پروا نہ کیجیے، یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابھی ان کے خلاف اقدام کرنا خلاف مصلحت ہے۔ جیسے ایک دور میں فرمایا گیا: ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾ (البقرة: ۱۰۹) یعنی ان یہودیوں کو ذرا نظر انداز کیجیے، ابھی ان کی شرارتوں پر نکیر نہ کیجیے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے، اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ ابھی یہ محاذ نہ کھولا جائے۔ اسی طرح یہاں منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ ابھی ان سے اعراض کیجیے۔ چنانچہ ان کی ریشہ دو انیوں سے کچھ عرصے تک چشم پوشی کی گئی اور پھر غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر گرفت شروع کی۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ اب تک ان کی شرارتوں پر جو پردے پڑے رہے تھے وہ پردے اٹھا دیے گئے۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ﴾ ”اور آپ اللہ پر توکل کیجیے۔“

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۗ﴾ ”اور اللہ کافی ہے بھروسے کے لیے۔“

آپ کو سہارے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ان کی ساری ریشہ دو انیاں، یہ مشورے، یہ سازشیں، سب پادر ہوا ہو جائیں گی، آپ فکر نہ کیجیے۔

**آیت ۸۲** ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۗ﴾ ”کیا یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟“

یہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں، لیکن اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔ نمازیں تو وہ پڑھتے تھے۔ اُس وقت جو بھی منافق تھا اسے نماز تو پڑھنی پڑتی تھی، ورنہ اس کو مسلمان نہ مانا جاتا۔ آج تو مسلمان مانے جانے کے لیے نماز ضروری نہیں ہے، اُس وقت ضروری تھی۔ بلکہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی تو پہلی صف میں ہوتا تھا اور جمعہ کے روز تو خاص طور پر خطبے سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ لوگو ان کی بات توجہ سے سنو، یہ اللہ کے رسول ہیں۔ گویا اپنی چودھراہٹ کے اظہار کے لیے یہ انداز اختیار کرتا۔ تو وہ نمازیں پڑھتے تھے، قرآن سنتے تھے، لیکن قرآن پر تدبر نہیں کرتے تھے۔ قرآن ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہا تھا یا ان کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتا تھا۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۗ﴾ ”اور اگر یہ اللہ کے سوائے کسی

اور کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں وہ بہت سے تضادات پاتے۔“

اس پر غور کرو، یہ بہت مربوط کلام ہے۔ اس کا پورا فلسفہ منطقی طور پر بہت مربوط ہے، اس کے اندر کہیں کوئی

تضاد نہیں ہے۔



آجائے تو وہ آپ کی طرف سے ہے! یعنی یہ کیا بات کہہ رہے ہیں! جبکہ اللہ نے تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی یہ دو تعبیریں ہیں۔ میرے نزدیک پہلی تعبیر راجح ہے۔

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۷۹﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہ کے طور پر۔“

**آیت ۸۰** ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۝﴾ ”جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ اس لیے کہ یہ الفاظ دو ٹوک انداز میں واضح کر رہے ہیں کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ)) (۱)

”جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی ساری جدوجہد جماعتی نظم کے تحت ہو رہی تھی۔ جہاد و قتال کے لیے فوج تیار ہوتی تو اس میں اوپر سے نیچے تک سمع و طاعت کی ایک زنجیر بنتی چلی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کمانڈر انچیف تھے، آپ لشکر کے میمنہ، میسرہ، قلب اور عقب وغیرہ پر نیز ہر اول دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر فرماتے۔ ان امراء کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

﴿وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝۸۰﴾ ”اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو

ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے۔“

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اپنے طرز عمل کے یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر یہ اُس کے محاسبے کا خود سامنا کر لیں گے۔

**آیت ۸۱** ﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۝﴾ ”اور کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے“

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں، آپ نے جو فرمایا قبول ہے، ہم اس پر عمل کریں گے۔

﴿فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۝﴾ ”پھر جب آپ کے پاس سے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔  
وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب اطاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية۔



ہتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو ایسے مشورے کرتا ہے جو ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔“  
یہ منافقین آپ کے سامنے اطاعت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن آپ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں راتوں کو آپس میں ان کے برعکس باتیں کرتے ہیں اور ریشہ دو انیاں اور سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ﴾ ”اور اللہ لکھ رہا ہے جو بھی وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔“

﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے“

آپ ان کی پروا نہ کیجیے، یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابھی ان کے خلاف اقدام کرنا خلاف مصلحت ہے۔ جیسے ایک دور میں فرمایا گیا: ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾ (البقرة: ۱۰۹) یعنی ان یہودیوں کو ذرا نظر انداز کیجیے، ابھی ان کی شرارتوں پر نکیر نہ کیجیے، جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے، اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ ابھی یہ محاذ نہ کھولا جائے۔ اسی طرح یہاں منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ ابھی ان سے اعراض کیجیے۔ چنانچہ ان کی ریشہ دو انیوں سے کچھ عرصے تک چشم پوشی کی گئی اور پھر غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر گرفت شروع کی۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ اب تک ان کی شرارتوں پر جو پردے پڑے رہے تھے وہ پردے اٹھا دیے گئے۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ ”اور آپ اللہ پر توکل کیجیے۔“

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ ”اور اللہ کافی ہے بھروسے کے لیے۔“

آپ کو سہارے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ان کی ساری ریشہ دو انیاں، یہ مشورے، یہ سازشیں، سب پادر ہوا ہو جائیں گی، آپ فکر نہ کیجیے۔

**آیت ۸۲** ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ ”کیا یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟“

یہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں، لیکن اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔ نمازیں تو وہ پڑھتے تھے۔ اُس وقت جو بھی منافق تھا اسے نماز تو پڑھنی پڑتی تھی، ورنہ اس کو مسلمان نہ مانا جاتا۔ آج تو مسلمان مانے جانے کے لیے نماز ضروری نہیں ہے، اُس وقت ضروری تھی۔ بلکہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تو پہلی صف میں ہوتا تھا اور جمعہ کے روز تو خاص طور پر خطبے سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ لوگو ان کی بات توجہ سے سنو، یہ اللہ کے رسول ہیں۔ گویا اپنی چودھراہٹ کے اظہار کے لیے یہ انداز اختیار کرتا۔ تو وہ نمازیں پڑھتے تھے، قرآن سنتے تھے، لیکن قرآن پر تدبر نہیں کرتے تھے۔ قرآن ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہا تھا یا ان کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتا تھا۔

﴿وَلَوْ كَانُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ ”اور اگر یہ اللہ کے سوائے کسی

اور کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں وہ بہت سے تضادات پاتے۔“

اس پر غور کرو، یہ بہت مربوط کلام ہے۔ اس کا پورا فلسفہ منطقی طور پر بہت مربوط ہے، اس کے اندر کہیں کوئی تضاد نہیں ہے۔



**آیت ۸۳** ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدَّعَوْا بِهٖ ط﴾ ”اور جب ان کے پاس کوئی خبر پہنچتی ہے امن کی یا خطرے کی تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔“

منافقین کی ایک روش یہ بھی تھی کہ جوں ہی کوئی اطمینان بخش یا خطرناک خبر سن پاتے اُسے لے کر پھیلا دیتے۔ کہیں سے خبر آگئی کہ فلاں قبیلہ چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے اس کی طرف سے حملے کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اسے عام کر دیتے تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ ”إِذَاعَةٌ“ کا لفظ آج کل نشریاتی (broadcasting) اداروں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ”مذیاع“ ریڈیو سیٹ کو کہا جاتا ہے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ ط﴾ ”اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے“

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ط﴾ ”تو یہ بات ان میں سے ان لوگوں کے علم میں آجاتی جو بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔“

اگر یہ لوگ ایسی خبروں کو رسول اللہ ﷺ تک یا ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو وہ ان کی درست انداز میں تحقیق کر کے بہتر فیصلہ کرتے۔ لیکن ان کی روش یہ تھی کہ محض سنسنی پھیلانے اور سرا سیمگی پیدا کرنے کے لیے ایسی خبریں لوگوں میں عام کر دیتے۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ ط﴾ ”اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی“

﴿لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ط﴾ ”تو تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے سوائے چند ایک کے۔“

**آیت ۸۴** ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط﴾ ”پس (اے نبی ﷺ!) آپ جنگ کریں اللہ کی راہ میں!“

قال کے ضمن میں یہ قرآن مجید کی غالباً سخت ترین آیت ہے، لیکن اس میں سختی لفظی نہیں، معنوی ہے۔

﴿لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ط﴾ ”آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے“

﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ط﴾ ”البتہ اہل ایمان کو آپ اس کے لیے اُکسائیں۔“

آپ اہل ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے جس قدر ترغیب و تشویق دے سکتے ہیں، دیجیے۔ انہیں اس کے لیے جوش دلائیے، اُبھاریے۔ لیکن اگر کوئی اور نہیں نکلتا تو اکیلے نکلے۔ جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل ہوا ہے، جب ان سے کہا گیا کہ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کیجیے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ عزیمت کا یہ عالم ہے! تو اے نبی ﷺ! آپ کو تو یہ کام کرنا ہے، آپ کا تو یہ فرض منصبی ہے۔ آپ کو ہم نے بھیجا ہی اس لیے ہے کہ روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کر دیں۔

﴿عَسَى اللَّهُ أَن يَكْفِيَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط﴾ ”بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کافروں کی



قوت کو روک دے۔“

کفار و مشرکین کی جو جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں بڑی چلت پھرت ہو رہی ہے، یہ تو کچھ عرصے کی بات ہے۔ وہ وقت بس اب آیا ہی چاہتا ہے کہ آپ کے مقابلے کے لیے ان میں دم نہیں رہے گا اور وہ وقت جلد ہی آ گیا کہ مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ سورۃ النساء کی یہ آیت ۴ ہجری میں نازل ہوئی اور ۵ ہجری میں غزوہ احزاب پیش آیا جس کے بعد جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دو ٹوک انداز میں اہل ایمان سے فرمادیا: ((لَنْ تَغزُواكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هَذَا وَلَكِنَّكُمْ تَغزُونَهُمْ)) (۱) ”اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کریں گے، بلکہ اب تم ان پر حملہ آور ہو گے۔“ غزوہ احزاب کے فوراً بعد سورۃ الصف نازل ہوئی، جس میں اہل ایمان کو فتح و نصرت کی بشارت دی گئی: ﴿وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۳) اس سے اگلے سال ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرے کا سفر کیا، جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہو گئی جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح) اس کے بعد ساتویں سال میں اللہ تعالیٰ نے فتح خیبر عطا فرمادی اور آٹھویں سال میں مکہ فتح ہو گیا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک سارے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔

﴿وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا﴾ (۸۴) ”اور اللہ تعالیٰ بہت شدید ہے قوت میں بھی اور سزا دینے

میں بھی۔“

منافقین سے خطاب کے بعد اب پھر کچھ تمدنی آداب کا ذکر ہو رہا ہے۔ منافقین سے خطاب میں دو باتوں کو نمایاں کیا گیا۔ ایک اطاعت رسولؐ جو ان پر بہت شاق گزرتی تھی اور ایک قتال فی سبیل اللہ جو ان کے لیے بہت بڑا امتحان بن جاتا تھا۔ اب پھر اہل ایمان سے خطاب آ رہا ہے۔

**آیت ۸۵** ﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ ”جو کوئی سفارش کرے گا بھلائی کی اُسے اس میں سے حصہ ملے گا۔“

انسانی معاشرے کے اندر کسی کے لیے سفارش کرنا بھی بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ آپ کے آس پاس کوئی شخص ہے، اس کی کوئی احتیاج ہے، آپ جانتے ہیں کہ صحیح آدمی ہے، بہر و پیا نہیں ہے۔ دوسرے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے تو آپ کو دوسرے شخص کے پاس جا کر اس کے حق میں سفارش کرنی چاہیے کہ میں اس کو جانتا ہوں، یہ واقعتاً ضرورت مند ہے۔ اس طرح اُس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس نیکی کے ثواب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ اسی طرح کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا ہے اور آپ کے علم میں اس کی بے گناہی کے بارے میں حقائق اور شواہد ہیں تو آپ کو عدالت میں پیش ہو کر یہ حقائق اور شواہد پیش کرنے چاہئیں، تاکہ اس کی گلو خلاصی ہو سکے۔ اس آیت کی رو سے نیکی، بھلائی، خیر اور عدل و انصاف کی خاطر اگر کسی کی سفارش کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

﴿وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ ”اور جو کوئی سفارش کرے گا برائی کی تو

(۱) تفسیر ابن کثیر ۶/۳۹۶۔ بروایت محمد بن اسحاق



اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔“

کسی نے کسی کی جھوٹی اور غلط سفارش کی، حقائق کو توڑا اور ڈالتو وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو گیا اور وہ اس جرم کی سزا میں بھی حصہ دار ہوگا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ۝۸۶﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قوت رکھنے والا ہے۔“

**آیت ۸۶** ﴿وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ﴾ ”اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔“

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات رائج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد باہمی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے لیے بولتے ہیں۔ جیسے مغربی معاشرے میں گڈ مارنگ اور گڈ ایوننگ وغیرہ۔ عربوں کے ہاں صباح الخیر اور مساء الخیر کے علاوہ سب سے زیادہ رواج ”حَيَّاكَ اللَّهُ“ کہنے کا تھا۔ یعنی اللہ تمہاری زندگی بڑھائے۔ جیسے ہمارے ہاں سرانیکی علاقے میں کہا جاتا ہے ”حیاتی ہووے“۔ درازی عمر کی اس دعا کو تَحِيَّة کہا جاتا ہے۔ سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔ عرب میں جب اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تو دیگر دعائیہ کلمات بھی باقی رہے البتہ ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ کو ایک خاص اسلامی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس آیت میں ہدایت کی جارہی ہے کہ جب تمہیں کوئی سلامتی کی دعا دے تو اس کے جواب کا اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے پر جواب دو۔ ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ کے جواب میں ”وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ“ کے ساتھ ”وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کا اضافہ کر کے اسے لوٹاؤ۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ اس کی طرف لوٹا دو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝۸۷﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔“

یہ جھوٹی چیزیں جو ہیں انسانی زندگی میں ان کی بھی اہمیت ہے۔ ان معاشرتی آداب سے معاشرتی زندگی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے، آپس میں محبت و مودت پیدا ہوتی ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ﴾ ”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ﴾ ”وہ تمہیں لازماً جمع کرے گا قیامت کے دن“

جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔“

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۗ﴾ ”اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہوگا؟“

منافقین پر جو تین چیزیں بہت شاق تھیں، اب ان میں سے تیسری چیز کا تذکرہ آ رہا ہے، یعنی ہجرت۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو بیمار تھے، بوڑھے تھے، سفر کے قابل نہیں تھے، یا عورتیں اور بچے تھے، ان کا معاملہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ ان کے لیے تمہیں قتال کرنا چاہیے تاکہ انہیں ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان تو کر چکے تھے لیکن اپنے کافر قبیلوں اور اپنی بستیوں کے اندر آرام سے رہ رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے، جبکہ ہجرت اب تمام مسلمانوں پر فرض کر دی گئی تھی۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ ہجرت فرض کیوں



کی گئی تھی؟ اس لیے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تحریک اس مرحلے میں داخل ہو گئی کہ اب باطل کے خلاف اقدام کرنا ہے تو اب اہل ایمان کی جتنی بھی دستیاب طاقت تھی اسے ایک مرکز پر مجتمع کرنا ضروری تھا تا کہ پوری قوت کے ساتھ ایک جگہ سے فیصلہ کن اقدام کیا جاسکے۔ مکی دور میں جو پہلی ہجرت ہوئی تھی یعنی ہجرت حبشہ وہ اختیاری تھی۔ اس کی صرف اجازت تھی حکم نہیں تھا۔ لیکن ہجرت مدینہ کا تو حکم تھا۔ لہذا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہجرت نہ کرنے کی بنا پر منافق قرار پائے۔

## آیات ۸۸ تا ۹۱

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَفِقِينَ فِتْنِينَ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَذُؤَالُو تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۗ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَكُلُوا شَاءَ اللَّهِ لَسَطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَاقِلُوكُمْ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ ۗ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۗ كُلُّهَا رُدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا ۗ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۗ وَأُولَٰئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۙ

آیت ۸۸ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَفِقِينَ فِتْنِينَ﴾ ”پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟“

یہ بات آگے واضح ہو جائے گی کہ یہ کن منافقین کا تذکرہ ہے جن کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان دو آراء پائی جاتی تھیں۔ اہل ایمان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ نرمی ہونی چاہیے آخر یہ ایمان تو لائے تھے نا اب ہجرت نہیں کر سکے۔ جبکہ کچھ لوگ اللہ کے حکم کے معاملے میں ان سے سخت رویہ اختیار کرنے کے حق میں تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو؟

﴿وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۗ﴾ ”اور اللہ نے تو ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب الٹ دیا ہے۔“

ان کا ہجرت نہ کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ الٹے پھیر دیے گئے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان سلب

ہو چکا ہے۔ ہاں کوئی مجبوری ہوتی، عذر ہوتا تو اور بات تھی۔



﴿اتْرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ط﴾ ”کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو ہدایت دے دو جن کو اللہ نے

گمراہ کر دیا ہے؟“

جن کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق مثبت ہو چکی ہے۔

﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا م﴾ ”اور جس کو اللہ راستے سے ہٹا دے اُس کے لیے

تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔“

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے آخری مہر تصدیق مثبت ہو چکی ہو اس کے لیے پھر کون سا راستہ باقی رہ

جاتا ہے؟

**آیت ۸۹** ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ ”یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو

جس طرح انہوں نے کفر کیا ہے تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ“

یہ لوگ جو ان کے بارے میں نرمی کی باتیں کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کفر کیا ہے تم بھی کرو تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔ دُم کٹی بلی چاہتی ہے کہ سب بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں۔

﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط﴾ ”تو اب ان میں سے کسی کو

دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اللہ کی راہ میں۔“

تو ہجرت گویا اب ان کے ایمان کا ٹیسٹ (litmus) ٹیسٹ ہے۔ اگر وہ ہجرت نہیں کرتے تو اس کا مطلب

یہ ہوگا کہ وہ مؤمن نہیں، منافق ہیں۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ م﴾ ”اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں (ہجرت نہ

کریں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔“

یعنی اگر وہ ہجرت نہیں کرتے جو ان پر فرض کر دی گئی ہے تو پھر وہ کافروں کے حکم میں ہیں، چاہے وہ کلمہ

پڑھتے ہوں۔ تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا م﴾ ”اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا ساتھی اور مددگار

مت بناؤ۔“

**آیت ۹۰** ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ﴾ ”سوائے ان کے جن کا تعلق کسی

ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے“

یعنی اس حکم سے صرف وہ منافقین مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں جس کے ساتھ تمہارا صلح کا

معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انہیں بھی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

﴿أَوْ جَاءَ وَكُمُ حَصْرَتْ صُدُورُهُمْ﴾ ”یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ دل

برداشتہ ہوں“



﴿أَنْ يُقَاتِلُوا كُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ﴾ ”اس بات سے کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔“  
 یعنی ان میں اتنی جرات نہیں رہی کہ وہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں یا اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تمہارے خلاف لڑیں۔ انسانی معاشرے میں ہر سطح کے لوگ ہر دور میں رہے ہیں اور ہر دور میں رہیں گے۔ لہذا واضح کیا جا رہا ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران ہر طرح کے حالات آئیں گے اور ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ چنانچہ اس طرح کے کم ہمت لوگ جو کہتے تھے کہ بھی ہمارے لیے لڑنا بھڑنا مشکل ہے، نہ تو ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے، ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی بھی جان بخشی کرو۔ چنانچہ ہجرت نہ کرنے والے منافقین کے بارے میں جو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿فَخُذُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ ”پس ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ“ اس سے دو استثناء بیان کر دیے گئے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوا كُمْ﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔“

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ انہیں تمہارے خلاف ہمت عطا کر دیتا اور وہ تمہارے خلاف قتال کرتے۔  
 ﴿فَإِنْ اعْتَزَلُوا كُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوا كُمْ﴾ ”پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں“  
 ﴿وَالْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ﴾ ”اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں“  
 ﴿فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾ ”تو اللہ نے تمہیں بھی ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے کی اجازت نہیں دی۔“

تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ جو منافق ہجرت نہیں کر رہے، ان کے لیے عام قاعدہ یہ ہے کہ اب ان کے خلاف اقدام ہوگا، انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کر دو، وہ حربی کافروں کے حکم میں ہیں۔ (ا) یہ کہ (ل) ان کے قبیلے سے تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو وہ ان کو تحفظ فراہم کر جائے گا۔ (ب) وہ آ کر اگر یہ کہہ دیں کہ ہم بالکل غیر جانبدار ہو جاتے ہیں، ہم میں جنگ کی ہمت نہیں ہے، ہم نہ آپ کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے خلاف اپنی قوم کی مدد کریں گے، تب بھی انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد اب منافقین کے ایک تیسرے گروہ کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

**آیت ۹** ﴿سَتَجِدُونَ الْآخِرِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِكُمْ وَيَأْمِنُوا قَوْمَهُمْ﴾ ”تم پاؤ گے ایک اور قسم کے لوگوں کو بھی جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔“  
 ﴿كُلَّمَا رُزُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا﴾ ”لیکن جب بھی فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں تو اس کے اندر اوندھے ہو جاتے ہیں۔“

جب بھی آزمائش کا وقت آتا ہے تو اس میں اوندھے منہ گرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ اپنی قوم کا پلڑا



بھاری ہے تو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ اب تو ہماری فتح ہونے والی ہے اور ہمیں مال غنیمت میں سے حصہ مل جائے گا۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَعْزِرْ لَوْكُمْ وَيَلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَيَكْفُرُوا أَيْدِيَهُمْ﴾ ”پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں تمہارے سامنے صلح و سلامتی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں“

﴿فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُمُوهُمْ﴾ ”تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔“

﴿وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مَّبِينًا﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہیں سند (اور قوت) عطا کر دی ہے۔“

ایسے لوگوں کے معاملے میں ہم نے تمہیں کھلا اختیار دے دیا ہے کہ تم ان کے خلاف اقدام کر سکتے ہو۔

## آیات ۹۲ تا ۹۶

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ  
مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمُ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ  
أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ  
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّن قَبْلُ فَمَنْ أَلْفَىٰ مِنْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى  
الْقَعْدِينَ دَرَجَةً ۝ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۝ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعْدِينَ أَجْرًا  
عَظِيمًا ۝ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۝ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

اب ایک اور معاشرتی مسئلے کا ذکر آ رہا ہے۔ ان سورتوں کے نزول کے وقت دراصل پورے عرب کے اندر ایک بھٹی دہک رہی تھی جگہ جگہ جنگیں لڑی جا رہی تھیں میدان لگ رہے تھے، معرکے ہو رہے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تو صرف بڑے بڑے معرکوں اور غزوات کا ذکر ہوا ہے مگر حقیقت میں اُس وقت پورا



معاشرہ حالت جنگ میں تھا۔ ایک چوکھی جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ ان آیات سے اُس وقت کے عرب معاشرے کی اصل صورت حال اور اُس قبائلی معاشرے کے مسائل کی بہت کچھ عکاسی ہوتی ہے۔ اس طرح کے ماحول میں فرض کریں ایک شخص نے کسی دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل اور مقتول دونوں مسلمان ہیں۔ قاتل کہتا ہے کہ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا، میں نے تو شکار کی غرض سے تیر چلایا تھا مگر اتفاق سے نشانہ چوک گیا اور اس کو جا لگا۔ تو اب یہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے، قتل عمد یا قتلِ خطا۔ چنانچہ اگلی آیات میں اس بارے میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

**آیت ۹۲** ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً﴾ ”کسی مؤمن کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ ایک مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔“

خطا کے طور پر قتل کیا ہے؟ نشانہ چوک گیا اور کسی کو جا لگا یا سڑک پر حادثہ ہو گیا، کوئی شخص گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ آپ تو اُسے مارنا نہیں چاہتے تھے بس یہ سب کچھ آپ سے اتفاقی طور پر ہو گیا۔ چنانچہ سعودی عرب میں حادثات کے ذریعے ہونے والی اموات کے فیصلے اسی قانونِ قتلِ خطا کے تحت ہوتے ہیں۔ وہ قانون کیا ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ”اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے غلطی سے تو (اس کے ذمہ ہے) ایک مسلمان غلام کی گردن کا آزاد کرانا“

﴿وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا﴾ ”اور خون بہا مقتول کے گھر والوں کو ادا کرنا، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔“

یعنی قتلِ خطا کے بدلے میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت یعنی خون بہا ادا کیا جائے گا، یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور گناہ کے کفارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا، یہ اللہ کا حق ہے۔

﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسے قبیلے سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے اور تھا وہ مسلمان“

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ”تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔“

کیونکہ کافر قبیلے کا آدمی تھا اور اگر اس کی دیت دی جائے گی تو وہ اس کے گھر والوں کو ملے گی جو کہ کافر ہیں، لہذا یہاں دیت معاف ہوگئی، لیکن ایک غلام کو آزاد کرنا جو اللہ کا حق تھا، وہ برقرار رہے گا۔

﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ﴾ ”اور اگر وہ (مقتول) ہو کسی ایسی قوم سے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے“

﴿فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ”تو پھر دیت بھی دینا ہوگی اس کے گھر والوں کو اور ایک مؤمن غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔“

گویا یہ دو حق الگ الگ ہیں۔ ایک تو دیت ہے جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے، اس میں یہاں رعایت نہیں



ہو سکتی، البتہ جو حق اللہ کا اپنا ہے یعنی گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا تو اس میں اللہ نے نرمی کر دی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۙ﴾ ”پھر جو یہ (غلام آزاد) نہ کر سکے تو روزے رکھے دو مہینوں کے متواتر۔ یہ اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے اور یقیناً اللہ تو علیم و حکیم ہے۔“

اب آگے قتلِ عمد کے قانون کے متعلق تفصیلات کا ذکر ہے۔

**آیت ۹۳** ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ ”اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا“

﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۙ﴾ ”اور اللہ کا غضب اس پر ہوگا اور اللہ

نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

جیسا کہ آغازِ سورۃ میں ذکر ہوا تھا کہ حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے تصور پر معاشرے کی بنیاد قائم ہے۔ لہذا ایک مسلمان کا قتل کر دینا اللہ کے ہاں ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ (آیت ۳۲) میں قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے حرمتِ جان کو پامال کر کے شجرِ تمدن کی گویا جڑ کاٹ دی اور اس کا یہ فعل ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانی نسل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارے ہاں ایمان و اسلام کتنا کچھ ہے اور انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں قتلِ عمد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں اور انسانی جان چھڑ مٹھی کی جان کی طرح ارزاں ہو چکی ہے۔

اب اگلی آیت کو سمجھنے کے لیے عرب کے ان مخصوص حالات کو نظر میں رکھیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے مختلف علاقوں میں کچھ لوگ دائرۃ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی کفر پر قائم تھے اور کوئی ذریعہ تمیز بھی ان میں نہیں تھا، جگہ جگہ معرکے بھی ہو رہے تھے۔ اب فرض کریں کسی علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ مسلمان مجاہد سمجھا کہ سامنے سے کافر آرہا ہے، مگر جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے بڑھا تو اس نے آگے سے کلمہ پڑھ کر دعویٰ کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس صورتِ حال میں ممکن ہے سمجھا جائے کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ تو اب اس بارے میں حکم دیا جا رہا ہے:

**آیت ۹۴** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا﴾ ”اے اہل ایمان، جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو“

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ”اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) اُس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔“



تم اس کی باطنی کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا لہذا دنیا میں تمام معاملات کا اعتبار زبانی اسلام (اقرار باللسان) پر ہی ہوگا۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ رہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو آپ کو اس کے الفاظ کا اعتبار کرنا ہوگا۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریہ میں حضرت اسامہ کا ایک کافر سے دو بدو مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اب ایسی صورت حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَتْلْتَهُ؟)) ”کیا اُس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟“ حضرت اسامہ نے جواب دیا: ”یا رسول اللہ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔“ آپ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا؟)) ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟“ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا! (۱) بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اُس دن کیا جواب دو گے جب وہ کلمہ شہادت تمہارے خلاف مدعی ہو کر آئے گا؟

﴿تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”تم دنیا کا سامان چاہتے ہو“

کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیں، قتل کریں اور مالِ غنیمت لے لیں۔

﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمٌ كَثِيْرَةٌ﴾ ”تو اللہ کے ہاں بڑی غنیمتیں ہیں۔“

تمہارے لیے بڑی بڑی ملکوتوں کے اموالِ غنیمت آنے والے ہیں۔ لہذا تم لوگ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنْ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ”تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ نے تم پر

احسان فرمایا ہے“

آخر ایک دور تم پر بھی تو ایسا ہی گزرا ہے۔ تم سب بھی تو نو مسلم ہی ہو اور ایک وقت میں تم میں سے ہر شخص کافر یا مشرک ہی تو تھا! پھر اللہ ہی نے تم لوگوں پر احسان فرمایا کہ تمہیں کلمہ شہادت عطا کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہذا اللہ کا احسان مانو اور اس طریقے سے لوگوں کے معاملے میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔

﴿فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۹۴) ”تو (دیکھو) تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم قتل الكافر بعد ان قال لا اله الا الله۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے اور بعض دیگر کتب احادیث میں بھی۔



کر رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔“

اگلی آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ بمعنی قتال آیا ہے۔ جہاں تک جہاد کی اصلی روح کا تعلق ہے تو ایک مؤمن گویا ہر وقت حالت جہاد میں ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے اپنے نفس کے خلاف اطاعتِ الہی بھی جہاد ہے۔ از روئے حدیثِ نبوی: ((الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ)) (۱) ”مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔“ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ ”سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟“ تو آپ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِي ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (۲) ”یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو انہیں اللہ تعالیٰ کا مطیع بنانے کے لیے۔“ چنانچہ جہاد کی بہت سی منازل ہیں جن میں سے آخری منزل قتال ہے۔ تاہم جہاد اور قتال کے الفاظ قرآن میں ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں الفاظ کے تین ایسے جوڑے ہیں جن میں سے ہر لفظ اپنے جوڑے کے دوسرے لفظ کی جگہ اکثر استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوڑا تو یہی ہے یعنی جہاد اور قتال کے الفاظ جبکہ دوسرے دو جوڑے ہیں ”مؤمن و مسلم“ اور ”نبی و رسول“۔

**آیت ۹۵** ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ ”برابر نہیں ہیں اہل ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔“

﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً﴾ ”اللہ نے فضیلت دی ہے ان مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں بیٹھے رہنے والوں پر ایک بہت بڑے درجے کی۔“

یہاں دَرَجَةً کی تکمیل (بطور اسمِ نکرہ استعمال) تفخیم کے لیے ہے یعنی بہت بڑا درجہ۔ یہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کا ذکر ہے کہ جو مسلمان کسی معقول عذر کے بغیر قتال کے لیے نہیں نکلتا وہ اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا جو قتال کر رہا ہے۔ اگر کوئی اندھا ہے دیکھنے سے معذور ہے یا کوئی لنگڑا ہے چل نہیں سکتا ایسے معذور قسم کے لوگ اگر قتال کے لیے نہ نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کو کوئی ایسا عذر نہیں ہے پھر بھی وہ بیٹھے رہیں یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ درجے میں مجاہدین کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ یہ ایسے قتال کی بات ہو رہی ہے جس کی حیثیت اختیاری (optional) ہو جسے لازمی قرار نہ دیا گیا ہو۔ جب اسلامی ریاست کی طرف سے قتال کے لیے نفیرِ عام ہو جائے تو معذورین کے سوا سب کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قتال کے لیے پہلی دفعہ نفیرِ عام غزوہ تبوک (سن ۹ ہجری) میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے قتال کے بارے میں صرف ترغیب (persuasion) تھی کہ نکلو اللہ کی راہ میں حکم نہیں تھا۔ لہذا کوئی جواب طلبی

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجہاد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطاً۔

عن فضالة بن عبيد ﷺ۔

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲/۲۸۲۔ عن ابی ذر الغفاری ﷺ۔



بھی نہیں تھی۔ کوئی چلا گیا، کوئی نہیں گیا، کوئی گرفت نہیں تھی۔ لیکن غزوہ تبوک کے لیے نفیر عام ہوئی تھی، باقاعدہ ایک حکم تھا، لہذا جو لوگ نہیں نکلے ان سے وضاحت طلب کی گئی، ان کا مواخذہ کیا گیا اور ان کو سزائیں بھی دی گئیں۔ تو یہاں چونکہ اختیاری قتال کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا رہا کہ ان کو پکڑو اور سزا دو بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے مجاہدین اللہ کی نظر میں بہت افضل ہیں۔ اس سے پہلے ایسے قتال کے لیے اسی سورہ (آیت ۸۲) میں ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کا حکم ہے، یعنی مؤمنین کو قتال پر اسکا ئیے، ترغیب دیجئے، آمادہ کیجئے۔ لیکن یہاں واضح انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔“

چونکہ ابھی قتال فرض نہیں تھا، نفیر عام نہیں تھی، سب کا نکلنا لازم نہیں کیا گیا تھا، اس لیے فرمایا گیا کہ تمام مؤمنین کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا اجر دیا جائے گا۔ قتال کے لیے نہ نکلنے والوں نے اگر اتنی ہمت نہیں کی اور وہ کمتر مقام پر قانع ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

﴿وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (۹۵) ”لیکن فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ

نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجر عظیم کی (صورت میں)۔“

**آیت ۹۶** ﴿دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (۹۶) ”(ان کے لیے) اس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔“

### آیات ۹۷ تا ۱۰۰

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۗ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۗ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۗ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا ۗ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعَبًا كَثِيرًا وَسِعَةً ۗ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ

﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾

اب ان لوگوں کا ذکر آ رہا ہے جو ہجرت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے، اس سلسلے میں انہیں کوئی عذر بھی مانع نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ اپنے قبیلے یا مکہ شہر میں اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔

**آیت ۹۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَنفُسِهِمْ﴾ ”یقیناً وہ لوگ کہ جن کو فرشتے اس حال میں



قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے“

یعنی انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اس سلسلے میں رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہیں کی تھی۔ آخر موت تو آنی ہے لہذا فرشتے جب ان کی روہیں قبض کریں گے تو ان کے ساتھ اس طرح مکالمہ کریں گے:

﴿قَالُوا فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ ”وہ ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں تھے؟“

تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا تھا، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟

﴿قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ”وہ کہیں گے ہم مجبور اور کمزور بنا دیے گئے تھے اس

زمین میں۔“

﴿قَالُوا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ ”وہ (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی

زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟“

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاٰوِيَهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۹۷﴾ ”تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور

وہ بہت بڑی جگہ ہے ٹھہرنے کی۔“

**آیت ۹۸** ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ”سوائے ان مردوں، عورتوں اور

بچوں کے جن کو واقعتاً دبا لیا گیا ہو“

جن لوگوں کو کمزور سمجھ کر دبا لیا گیا ہو، واقعتاً زنجیروں میں جکڑ کر گھروں میں بند کر دیا گیا ہو، ان کا معاملہ اور

ہے۔ یا پھر کوئی عورت ہے جس کے لیے تنہا سفر کرنا ممکن نہیں۔ ویسے تو روایات میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جنہوں نے تنہا ہجرتیں کیں، لیکن ہر ایک کے لیے تو ایسا ممکن نہیں تھا۔

﴿لَا يَسْتَطِيعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹۸﴾ ”نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ

جانتے ہیں۔“

**آیت ۹۹** ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۹۹﴾ ”بعید نہیں کہ ایسے

لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور اللہ واقعتاً بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔“

ایسے بے بس اور لاچار مردوں، بچوں اور عورتوں کے لیے اسی سورۃ (آیت ۷۵) میں حکم ہوا تھا کہ انہیں

چھڑانے کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرو۔ لیکن جو لوگ ہجرت کے اس واضح حکم کے بعد بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے

ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ منافق ہیں، ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، جب تک کہ وہ ہجرت نہ

کریں۔ بلکہ قتال کے معاملے میں وہ بالکل کفار کے برابر ہیں۔

**آیت ۱۰۰** ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں“

﴿يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاعِمًا كَثِيْرًا وَّوَسْعَةً ۗ﴾ ”وہ پائے گا زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی



وسعت۔“

جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ۝۵۶﴾ ”اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین بہت کشادہ ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو!“۔ اگر اپنے وطن میں اللہ کی بندگی نہیں کر سکتے ہو تو کہیں اور چلے جاؤ۔

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ﴾ ”اور جو کوئی اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہجرت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف، پھر اسے موت نے آلیا“

﴿فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط﴾ ”تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔“

یعنی جس کسی نے بھی ہجرت کی، فی سبیل اللہ دولت کے لیے یا حصولِ دنیا کے لیے نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے، وہ اصل ہجرت ہے۔ حدیث میں اس کی وضاحت بایں الفاظ ملتی ہے:

﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مِمَّا نَوَىٰ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ﴾ (۱)

”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہی ہے اور بلاشبہ ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔

پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف تو واقعی اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی

طرف ہے اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے تو اس کی

ہجرت اسی چیز کی طرف شمار ہوگی جس کا اُس نے قصد کیا۔“

چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی، خلوصِ نیت کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا

لیکن راستے ہی میں فوت ہو گیا، مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکا اور حضور ﷺ کے قدموں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی، تو

پھر بھی وہ کامیاب و کامران ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اسے ہجرت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ ”اور یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

## آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خِفَتُمْ أَنْ

يَقْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۖ وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقْبَتِ

لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِيَةً مِنْهُمْ مَعَكَ ۖ وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا

مِنْ وَرَائِكُمْ ۖ وَلَتَأْتِ طَافِيَةٌ أُخْرَىٰ ۖ لَمْ يَصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ ۖ وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ

وَأَسْلِحَتَهُمْ ۖ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحي، باب بدء الوحي، و کتاب الایمان والنذور، باب النية فی الایمان۔

وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله انما الاعمال بالنية.....



مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۖ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيًّا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۖ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ إِنْ تَكُونُوا تَأْمُونًا فَإِنَّهُمْ يَأْمُونُ كَمَا تَأْمُونُ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

۳۵

اس رکوع میں پھر شریعت کے کچھ احکام کا ذکر ہے۔ گویا خطاب کا رخ اب پھر اہل ایمان کی طرف ہے۔

**آیت ۱۰۱** ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۗ﴾ ”اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کو کچھ کم کر لیا کرو“

﴿إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ﴾ ”اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔“

﴿إِنَّ الْكُفْرِينَ كَانُوا أَلْسِنًا كُفْرًا ۗ﴾ ”یقیناً یہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔“

یہ تو ہے حالت سفر میں قصرِ صلوة کا حکم۔ لیکن جنگ کی حالت میں قصر یعنی صلوة الخوف کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ حالت جنگ میں جب پورے لشکر کا ایک ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو گروہوں کی شکل میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ایسی صورت میں جب حضور ﷺ خود بھی لشکر میں موجود ہوتے تو کوئی ایک گروہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا تھا جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو لازماً محرومی کا احساس ہوتا۔ لہذا اگلی آیت میں اس مسئلے کے حل کے طور پر صلوة الخوف ادا کرنے کی بہت عمدہ تدبیر بتائی گئی۔

**آیت ۱۰۲** ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں“

﴿فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۗ﴾ ”تو ان میں سے ایک گروہ کو کھڑے ہونا چاہیے آپ کے ساتھ اور وہ اپنا اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔“

﴿فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَائِكُمْ ۗ﴾ ”پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں“

﴿وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ ۗ﴾ ”اور آئے دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں“

یہ حکم صلوة الخوف کے بارے میں ہے۔ اس کی عملی صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھا دی



اور اس کے بعد آپ بیٹھے رہے دوسری رکعت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے جبکہ مقتدیوں نے دوسری رکعت خود ادا کر لی۔ دو رکعتیں پوری کر کے وہ محاذ پر واپس چلے گئے تو دوسرے گروہ کے لوگ جو اب تک نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے نماز کے لیے حضور کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حضور نے دوسری رکعت اس گروہ کے لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضور نے سلام پھیر دیا، لیکن مقتدیوں نے اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر ادا کر لی۔ اس طریقے سے لشکر میں سے کوئی شخص بھی حضور کی امامت کے شرف اور سعادت سے محروم نہ رہا۔

﴿وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ ”اور ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا

اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔“

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً﴾

”یہ کافر لوگ تو اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم جیسے ہی اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں۔“

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أذىٌ مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ﴾

”اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو جاؤ اور (ایسی صورتوں میں) تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو۔“

﴿وَخُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ ”البتہ اپنا بچاؤ ضرور کر لیا کرو۔“

اگر تلوار، نیزہ وغیرہ جسم سے بندھے ہوئے ہوں اور اس حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو یہ اسلحہ وغیرہ کھول کر علیحدہ رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ جنگ کے حالات اجازت دیتے ہوں، لیکن ڈھال وغیرہ اپنے پاس ضرور موجود رہے تاکہ اچانک کوئی حملہ ہو تو انسان اپنے آپ کو اس فوری حملے سے بچا سکے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ ”یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بہت ذلت آمیز

عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

**آیت ۱۰۳** ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾ ”پھر جب تم (اس طریقے سے) نماز ادا کر لو“

﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ ”تو پھر ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے، بیٹھے

ہوئے اور لیٹے ہوئے۔“

چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سواری پر غرض ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے۔ گویا ذکر کثیر کا تعلق صرف نماز کے ساتھ نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اس کا اہتمام رہنا چاہیے۔ جیسے سورۃ الجمعہ میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔“ چنانچہ نماز کے بعد بھی حتیٰ کہ کاروبار زندگی کی مصروفیات کے دوران بھی اللہ کے ذکر



میں مشغول رہو۔ ادعیہ ماثورہ اور اورادِ مسنونہ کا اہتمام کرو اپنی زبانوں، ذہنوں اور دلوں کو اُس کے ذکر سے ہر وقت تروتازہ رکھو۔

﴿فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو نماز کو قائم کرو

(تمام آداب و شرائط کے ساتھ)۔“

یعنی نماز کی مذکورہ شکل (صلوٰۃ الخوف) صرف اضطراری حالت میں ہوگی، مگر جب خوف جاتا رہے اور حالتِ امن بحال ہو جائے تو نماز کو شریعت کے احکام اور آداب کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ ”یقیناً نماز اہل ایمان پر فرض کی گئی

ہے وقت کی پابندی کے ساتھ۔“

یعنی نماز کی فرضیت باقاعدہ اس کے اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز کے اوقات کی تفصیل ایک حدیث میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازیں پڑھائیں۔ ایک دن پانچوں نمازیں اول وقت میں جبکہ دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نمازوں کے اوقات ان حدود کے مابین ہیں۔

**آیت ۱۰۴** ﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ﴾ ”اور اس دشمن گروہ کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔“  
حق و باطل کی جنگ اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ اس آخری مرحلے میں آکر کہیں تھک نہ جانا اور دشمن کا پیچھا کرنے کے معاملے میں ہمت نہ ہار دینا۔

﴿إِنْ تَكُونُوا تَالِمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْتُمُونَ كَمَا تَأْتُمُونَ﴾ ”اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری

طرح انہیں بھی تو تکلیف پہنچتی ہے۔“

یہ نصیحت کا بڑا پیارا انداز ہے کہ اس کشمکش میں اگر تم لوگ نقصان اٹھا رہے ہو تو کیا ہوا؟ تمہارے دشمن بھی تو ویسے ہی نقصان سے دوچار ہو رہے ہیں، انہیں بھی تو تکلیف پہنچ رہی ہے، وہ بھی تو زخم پر زخم کھا رہے ہیں، ان کے لوگ بھی تو مر رہے ہیں۔

﴿وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ ”اور تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جیسی امیدیں وہ

نہیں رکھتے۔“

تمہیں تو جنت کی امید ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے، جبکہ انہیں ایسی کوئی امید نہیں ہے۔ لہذا اس اعتبار سے تمہیں تو ان سے کہیں بڑھ کر پُر جوش ہونا چاہیے۔ سورہ آل عمران کی آخری آیت میں بھی اہل ایمان کو ایسی ہی نصیحت کی گئی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ ”اے ایمان والو! صبر سے کام لو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو۔“ تو آپ لوگوں کو تو صبر و استقامت میں ان سے بہت آگے ہونا چاہیے، کیونکہ تمہارا سہارا تو اللہ ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ”آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔“ تمہارے دشمنوں کے تو من گھڑت قسم کے خدا ہیں۔ اُن کے



دیوتاؤں اور دیویوں کی خود ان کے دلوں میں کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں ہے، پھر بھی وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے اپنی جان جو کھوں میں ڈال رہے ہیں تو اے مسلمانو! تمہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ قربانیوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ ”اور یقیناً اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔“  
اہل ایمان سے اس مختصر خطاب کے بعد اب گلے رکوع میں پھر منافقین کا ذکر آ رہا ہے۔

## آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۗ وَلَا تَكُنُ لِلْخَائِبِينَ  
خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ  
أَنْفُسَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ  
مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝  
هَأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ  
مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ  
غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝  
وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِهِ بِهِ إِثْمًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَلَوْ لَا فَضْلُ  
اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۗ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا  
يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ  
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ  
مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ  
أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ ۗ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

**آیت ۱۰۵** ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۗ﴾ ”اے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے۔“

یعنی ایک تو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب دی ہے، قانون دیا ہے، اس کے ساتھ آپ کو بصیرت خاص دی ہے۔ مثلاً عدالت میں ایک جج بیٹھا ہے، اس کے سامنے قانون کی کتاب ہے، مقدمے کا متعلقہ ریکارڈ ہے،



شہادتیں ہیں اب ایک اس کی اپنی عقل (چھٹی حس) اور قوت فیصلہ بھی ہوتی ہے جس کو بروئے کار لا کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسا ہم آپ کو دکھاتے ہیں اس کے مطابق آپ فیصلہ کریں۔

﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۰۶﴾ ”اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے

والے نہ بنیں۔“

یعنی آپ ان کی طرف سے وکالت نہ فرمائیں۔ ایک شخص جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہے خائن آپ کو اس کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے پس منظر میں دراصل ایک واقعہ ہے۔ ایک منافق نے کسی مسلمان کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگائی اور وہاں سے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چرا لیا۔ آٹے کے تھیلے میں سوراخ تھا جب وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو سوراخ میں سے آٹا تھوڑا تھوڑا گرنا گیا۔ اس طرح اس کے راستے اور گھر کی نشاندہی ہوتی گئی مگر اسے خبر نہیں تھی کہ آٹے کی لکیر اس کا راز فاش کر رہی ہے۔ گھر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر شک ہو جائے چنانچہ اُس نے اسی وقت جا کر وہ سامان ایک یہودی کے ہاں امانتاً رکھوادیا لیکن آٹے کا نشان وہاں بھی پہنچ گیا۔ اگلے روز جب تلاش شروع ہوئی تو آٹے کی لکیر کے ذریعے لوگ کھوج لگاتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچ گئے لیکن پوچھ گچھ پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تلاشی لی گئی مگر کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آٹے کے نشانات مزید آگے جا رہے ہیں تو وہ کھوج لگاتے ہوئے یہودی کے گھر پہنچے اس کے ہاں سے سامان بھی برآمد ہو گیا۔ یہودی نے حقیقت بیان کر دی کہ یہ سامان رات کو فلاں شخص نے اُس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔ منافق کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے وہی چور ہے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ جھگڑا حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا۔ منافق کے قبیلے والوں نے قسمیں کھا کھا کر خوب وکالت کی کہ ہمارا یہ آدمی تو بہت نیک ہے اس پر خواہ مخواہ کا جھوٹا الزام لگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا دل بھی اس شخص کے بارے میں کچھ پسینے لگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ خیانت کرنے والے کے حمایتی نہ بنیں اس کی طرف سے وکالت نہ کریں اس کا سہارا نہ بنیں اس کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہاں خَصِيمًا کے معنی ہیں جھگڑا کرنے والا بحث کرنے والا۔ لِلْخَائِنِينَ کا مطلب ہے ”خائن لوگوں کے حق میں“ لیکن اِغْرَعَالَى الْخَائِنِينَ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا ”خائن لوگوں کے خلاف“۔

**آیت ۱۰۶** ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۰۷﴾ ”اور اللہ سے استغفار کریں یقیناً اللہ

تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

یعنی اس منافق کے حق میں آپ کی طبیعت میں جو نرمی پیدا ہو گئی تھی اُس پر اللہ سے استغفار کیجئے، مغفرت طلب کیجئے۔

**آیت ۱۰۷** ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۝۱۰۸﴾ ”اور آپ مت جھگڑیے اُن لوگوں کی

طرف سے جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔“



اس حکم کے حوالے سے ذرا مسئلہ شفاعت پر بھی غور کریں۔ ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری طرف سے شفاعت کریں گے چاہے ہم نے بے ایمانیاں کی ہیں، حرام خوریاں کی ہیں، شریعت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لیکن یہاں آپ کو دو ٹوک انداز میں خائن لوگوں کی وکالت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہیں خیانت میں

بہت بڑھے ہوئے اور گنہگار لوگ۔“

**آیت ۱۰۸** ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ ”یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے“

یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔

﴿وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”اور وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ

راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔“

یہ منافقین کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف چوری چھپے سازشیں کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ پر ان کا ایمان ہو تو انہیں معلوم ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں ان سے اپنی باتوں کو خفیہ رکھتے ہیں، مگر ان بد بختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ان کے ساتھ موجود ہے اس سے تو کچھ نہیں چھپ سکتا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ ”اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے

ہوئے ہے۔“

یعنی اس کی پکڑ سے یہ کہیں باہر نہیں نکل سکتے۔

**آیت ۱۰۹** ﴿هَآئِنَّمْ هُوَ لَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”یہ تم لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی

زندگی میں ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا۔“

﴿فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ”مگر قیامت کے دن اللہ سے ان کے بارے میں کون

جھگڑا کرے گا؟“

﴿أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ ”یا کون ہوگا جو (وہاں) ان کا وکیل بن سکے گا؟“

یہ خطاب ہے اُس منافق چور کے قبیلے کے لوگوں سے کہ اے لوگو! تم نے دنیا کی زندگی میں تو مجرموں کی طرف سے خوب وکالت کر لی، یہاں تک کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو بھی قائل کرنے کی حد تک تم پہنچ گئے۔ مگر یہاں تم انہیں چھڑا بھی لیتے اور بالفرض رسول اللہ (ﷺ) کو بھی قائل کر لیتے تو قیامت کے دن انہیں اللہ کی پکڑ سے کون چھڑاتا؟ اس ضمن میں حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے اس میں ایک فریق زیادہ چرب زبان ہوتا ہے، وہ اپنی بات بہتر طور پر پیش کرتا ہے اور میرے ہاں سے



اپنے حق میں غلط طور پر فیصلہ لے جاتا ہے۔ (فرض کیجئے کسی زمین کے ٹکڑے کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا اور ایک شخص غلط طور پر بات ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے گیا۔) لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ جہنم کا ٹکڑا لے کر گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی شہادتوں کے اعتبار سے فیصلے کرتے تھے۔ ظاہر ہے اللہ کی طرف سے ہر وقت اور ہر مرحلے پر توحی نازل نہیں ہوتی تھی، البتہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا آپ کو متنبہ فرمادیتا تھا۔ اس لیے آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اگر کچھ لوگ اس دنیا میں جھوٹ، فریب اور غلط فیصلے کے ذریعے کوئی مفاد حاصل کر بھی لیتے ہیں تو انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اُس کی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے جہاں جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا، وہاں ان کے حق میں اللہ سے کون جھگڑے گا؟

**آیت ۱۱۰** ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ يَجِدِ اللَّهُ غُفُورًا رَحِيمًا ۝﴾  
 ”اور جو کوئی بُری حرکت کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھے اور پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا بہت رحم کرنے والا۔“

اس سلسلے میں سیدھی روش یہی ہے کہ غلطی یا خطا ہوگئی ہے تو اس کا اعتراف کر لو اس جرم کی جو دُنیوی سزا ہے وہ بھگت لو اور اللہ سے استغفار کرو۔ اس طرح آخرت کی سزا سے چھٹکارا مل جائے گا۔

**آیت ۱۱۱** ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ ”اور جو کوئی بھی گناہ کماتا ہے تو وہ اس کا وبال اپنی ہی جان پر لیتا ہے۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔“

**آیت ۱۱۲** ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا ۗ﴾ ”اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے“

﴿فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝﴾ ”تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور بہت صریح گناہ کا بوجھ لے لیا۔“

کسی نے کوئی گناہ کمایا، کوئی خطا کی، کوئی جرم کیا، اور پھر اس کی تہمت کسی بے قصور شخص پر لگا دی تو اُس نے گویا بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ مذکورہ معاملے میں یہودی تو بے قصور تھا، چنانچہ جو لوگ اس کو سزا دلوانے پر تئل گئے، ان کا یہ فعل يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا کے زمرے میں آگیا۔ بہر حال کسی بے گناہ پر اس طرح کا بہتان لگانا اللہ کے نزدیک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔

اُس کے بعد اب اُس یہودی اور منافق کے مقدمے کے کچھ مزید پہلوؤں کے بارے میں حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔

**آیت ۱۱۳** ﴿وَكَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۗ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان (منافقین) کا ایک گروہ تو



اس پر ٹل گیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر دے۔“

وہ لوگ تو اس پر کمر بستہ تھے کہ آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ کروالیں۔ ان کا منصوبہ تھا کہ عدالتِ محمدی ﷺ سے ظلم پر مبنی فیصلہ صادر ہو جائے، گناہگار چھوٹ جائے اور جو اصل مجرم نہیں تھا، بالکل بے گناہ تھا، اس کو پکڑ لیا جائے۔

﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ط﴾ ”اور حقیقت میں وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور (اے نبی ﷺ!) وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“  
ہم ایسے مواقع پر بروقت آپ ﷺ کو مطلع کرتے رہیں گے۔

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط﴾ ”اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اور حکمت بھی اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔“  
﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾﴾ ”اور یقیناً اللہ کا فضل ہے آپ پر بہت بڑا۔“  
**آیت ۱۱۳** ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ﴾ ”ان (منافقین) کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی“

یہ منافقین کی منفی سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے۔ علیحدہ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا، دوسروں کو دیکھ کر مسکرانا اور ساتھ اشارے بھی کرنا تا کہ دیکھنے والے کے دل میں خلجان پیدا ہو کہ میرے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ یہ سارے معاملات جوں کے توں انسانی معاشرے کے اندر آج بھی موجود ہیں۔ مگر اللہ کا فرمان ہے کہ اس انداز کی خفیہ سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔

﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ط﴾ ”إِلَّا يَهْدِي اللَّهُ لِقَوْمٍ يَجْعَلُونَ لَهُمُ الْأَمْثَالَ كَالَّذِي هُوَ يُضِلُّونَ لَهُمُ الْآيَاتِ ط﴾ ”إِلَّا يَهْدِي اللَّهُ لِقَوْمٍ يَجْعَلُونَ لَهُمُ الْأَمْثَالَ كَالَّذِي هُوَ يُضِلُّونَ لَهُمُ الْآيَاتِ ط“  
خیرات کی یا نیکی کی یا لوگوں کے معاملات کو درست کرنے کی۔“

خیر والی سرگوشی یہ ہو سکتی ہے کہ خاموشی سے کسی کو علیحدگی میں لے جا کر اس کو صدقہ و خیرات کی تلقین کی جائے کہ بھائی دیکھو آپ کو اللہ نے غنی کیا ہے، فلاں شخص محتاج ہے، میں اس کو جانتا ہوں، آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے وغیرہ۔ پھر معروف اور بھلائی کے امور میں خفیہ صلاح مشورے اگر کیے جائیں تو اس میں بھی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غلط فہمی یا جھگڑے کی صورت میں فریقین میں صلح صفائی کرانے کی غرض سے بھی خفیہ مذاکرات کسی سازش کے زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً دو بھائی جھگڑ پڑے ہیں، اب آپ ایک کی بات علیحدگی میں سنیں اور دوسرے کے پاس جا کر اس بات کو بہتر انداز میں پیش کریں کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے، انہوں نے یہ بات یوں نہیں، یوں کہی تھی۔ اس طرح کی علیحدہ علیحدہ گفتگو جو نیک نیتی سے کی جا رہی ہو، یہ یقیناً نیکی اور بھلائی کی بات ہے جو باعثِ اجر و ثواب ہے۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ ”اور جو شخص اس



طرح (کی سرگوشی) کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تو عنقریب ہم اسے دیں گے بہت بڑا اجر۔“  
**آیت ۱۱۵** ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ ”اور جو رسول کی مخالفت پر عمل  
 گیا اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی“

یعنی جو کوئی خفیہ سازشوں اور چوری چھپے کی لگائی بجھائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف  
 بھڑکاتا ہے کہ دیکھو جی یہ اپنے لوگوں کو نواز رہے ہیں۔ جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ  
 کے ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، مالِ غنیمت میں سے ان کی دلجوئی کے لیے (جسے قرآن  
 میں تالیفِ قلوب کہا گیا ہے) ذرا زیادہ مال دے دیا تو اس پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھ لیا، جب کڑا وقت  
 تھا تو اسے ہم جھیلتے رہے اب جب اچھا وقت آیا ہے تو اپنے رشتہ دار یاد آگئے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ والے حضور ﷺ  
 کے رشتہ دار تھے قریش کا قبیلہ حضور ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ تو طرح طرح کی باتیں جو آج کے دور میں بھی ہوتی ہیں ویسی  
 ہی باتیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے جو ہمیشہ ایک سی رہی ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔  
 ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور وہ اہل ایمان کے راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ  
 اختیار کرے“

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ﴾ ”تو ہم بھی اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف اس  
 نے خود رخ اختیار کر لیا ہو اور ہم اسے پہنچائیں گے جہنم میں۔“  
 ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۱۱۵﴾ ”اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔“

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماعِ اُمت کی سند اس آیت میں ہے۔ یہ  
 بات تو بہت واضح ہے کہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی ماخذ قرآن ہے، پھر حدیث و سنت ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا  
 معاملہ بھی سمجھ میں آتا ہے، مگر اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں  
 کہ میں نے اجماع کی دلیل قرآن سے تلاش کرنے کی کوشش کی اور قرآن کو شروع سے آخر تک تین سو مرتبہ پڑھا  
 مگر مجھے اجماع کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ پھر بالآخر تین سو ایک مرتبہ پڑھنے پر میری نظر جا کر اس آیت پر جم گئی:  
 ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔ گویا اہل ایمان کا جو راستہ ہے، جس پر اجماع ہو گیا ہو اہل ایمان کا، وہ خود اپنی  
 جگہ بہت بڑی سند ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَىٰ ضَلَالَةٍ)) (۱)  
 ”میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔“

### آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ  
 ضَلَّٰ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۱۱۶ إِنَّ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنثَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝۱۱۷

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، بروایت انس بن مالکؓ۔



لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۖ وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيتْهُمْ  
وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلَئِبَكُنَّ أَذَانُ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلِیَغْفِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ط وَمَنْ يَتَّخِذِ  
الشَّيْطَانَ وَلِیًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۖ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ  
الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۖ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِیصًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط وَعَدَ  
اللَّهُ حَقًّا ط وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۖ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ ط مَنْ  
يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ ۖ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِیًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ  
مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ  
دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ  
خَلِيلًا ۖ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ۖ

**آیت ۱۱۶** ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ط﴾ ”اللہ ہرگز نہیں بخشتے

گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخشتے دے گا اس کے سوا جس کے لیے چاہے گا۔“

یاد رہے کہ یہ الفاظ اس سورہ مبارکہ میں قبل ازیں آیت ۲۸ میں بھی آچکے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا ۖ بَعِيدًا ۖ﴾ ”اور جو شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ وہ تو پھر

گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بھی بہت دور نکل گیا۔“

**آیت ۱۱۷** ﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنثَاءً ۖ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۖ﴾ ”نہیں پکارتے یہ

لوگ اللہ کے سوا مگر دیویوں کو اور وہ نہیں پکارتے کسی کو سوائے سرکش شیطان کے۔“

یہاں اس سورت میں پہلی مرتبہ مشرکین مکہ کی بات بھی ہو رہی ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنی دیویوں کے

مونت نام رکھے ہوئے تھے جیسے لات، منات، عزلی وغیرہ۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے اصل میں نہ لات کا کوئی

وجود ہے اور نہ ہی منات کی کچھ حقیقت ہے۔ البتہ شیطان ضرور موجود ہے جو ان کی پکار سن رہا ہے۔

**آیت ۱۱۸** ﴿لَعَنَهُ اللَّهُ م﴾ ”اللہ نے اُس پر لعنت فرمادی ہے۔“

﴿وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۖ﴾ ”اور اُس نے کہا (اے اللہ) میں تیرے

بندوں میں سے ایک مقرر حصہ تو لے کر ہی چھوڑوں گا۔“

ان لوگوں کو میں اپنے ساتھ جہنم میں پہنچا کر رہوں گا۔ گویا: ع

”ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے!“



**آیت ۱۱۹** ﴿وَلَا ضَلَّٰلَتُهُمْ وَلَا مَنِيْنُهُمْ﴾ ”اور میں لازماً ان کو بہکاؤں گا اور ان کو بڑی بڑی امیدیں دلاؤں گا“

میں ان کے دلوں میں دلکش امیدوں کے چراغ روشن کروں گا۔ مثلاً یہ کہ یہ بہت تابناک کیریئر ہے، لگے رہو اسی کام میں، اس میں بڑا فائدہ ہے، ناجائز ہے تو خیر ہے، اللہ بخش ہی دے گا۔ اور یہ کہ تم تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اُمتی ہو، تمہیں کس بات کا خوف ہے؟ جیسے میں نے یہودیوں کو یہ زعم دلایا تھا کہ تم اللہ کے بیٹے اور اس کے بڑے چہیتے ہو وغیرہ۔ تو ان کو میں اس طرح کی لمبی لمبی امیدوں اور لمبے لمبے منصوبوں میں الجھادوں گا۔ اسی کو ’طولِ امل‘ کہتے ہیں۔

﴿وَلَا مُرَنَّهُمْ فَلْيَتَّكُنْ اِذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ ”اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ چوپایوں کے کان چیر دیں گے“

اس کی تفصیل سورۃ الانعام (رکوع ۱۶) میں آئے گی کہ فلاں بُت یا فلاں دیوی کے نام پر کسی جانور کے کان چیر کر اسے آزاد کر دیا گیا ہے، اب اس کو کوئی چھیڑ نہیں سکتا، اس کا گوشت نہیں کھایا جاسکتا، اس پر سواری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَلَا مُرَنَّهُمْ فَلْيُغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ط﴾ ”اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے۔“

جیسے آج جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مردوں میں عورتوں کے سے انداز اپنائے جا رہے ہیں اور عورتوں میں مردوں کے سے طور طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اس حوالے سے سائنس کے میدان (خاص طور پر Genetics) میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ تو بہت ہی نازک صورتِ حال ہے۔ سائنسی ترقی کے سبب انسان آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کر کے جینیاتی تبدیلیوں کے ذریعے سے اللہ کی تخلیق میں تغیر و تبدل کر رہا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾﴾ ”اور جس کسی نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیا تو وہ بہت کھلے خسارے (اور تباہی) میں پڑ گیا۔“

**آیت ۱۲۰** ﴿يَعِدُّهُمْ وَيَمْنِيْنُهُمْ ط وَمَا يَعِدُّهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾﴾ ”وہ (شیطان) ان سے وعدے بھی کرتا ہے اور انہیں اُمدیدیں بھی دلاتا ہے اور انہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کا۔“

شیطان ان کو وعدوں کے بہلاوے دیتا ہے اور آرزوؤں میں پھنساتا ہے، سبز باغ دکھاتا ہے، مگر شیطان کے سب وعدے اور دعوے سراسر فریب ہیں۔

**آیت ۱۲۱** ﴿اُولٰٓئِكَ مَاوٰٓئِهِمْ جَهَنَّمُ ۙ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہاں سے وہ فرار کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔“



وہاں سے بھاگنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ دوسری طرف اہل ایمان کی شان کیا ہوگی، اگلی آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ دو گروہوں یا دو پہلوؤں کے درمیان فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز قرآن میں ہمیں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

**آیت ۱۲۲** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾  
 ”اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں ہم عنقریب داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی“

﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ”ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

﴿وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ ”اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے؟“

**آیت ۱۲۳** ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ ”(اے مسلمانو!) نہ تمہاری خواہشات پر (موقوف ہے) اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر۔“

یہ تشبیہ آگئی کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم لوگ بھی بے بنیاد خواہشات اور خوش کن آرزوؤں (wishful thoughts) کے عادی ہو جاؤ گے، شفاعت کی امید پر تم بھی حرام خوریاں کرو گے، اللہ کی نافرمانیاں جیسی کچھ انہوں نے کی تھیں تم بھی کرو گے۔ لیکن جان لو کہ اللہ کا قانون اٹل ہے، بدلے گا نہیں۔ تمہاری خواہشات سے تمہاری آرزوؤں سے اور تمہاری تمناؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے اہل کتاب کی خواہشات سے کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ:

﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ ”جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو مل کر رہے گی“

یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ اگرچہ اللہ کے ہاں اس قانون میں نرمی کا ایک پہلو موجود ہے، یعنی بعض اوقات بدی کے منفی اثرات کو نیکی دھودیتی ہے، لیکن اس آیت کی رو سے برائی کا حساب تو بہر حال ہو کر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان سے جس بدی کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اس کا احتساب ہو کر رہے گا۔ اگر کسی نے غلطی کی، پھر صدقِ دل سے توبہ کر لی اور اس کے سبب اس کی بدی کے اثرات جاتے بھی رہے، تب بھی معاملہ account for ضرور ہوگا۔ توبہ کو دیکھا جائے گا، کہ آیا توبہ واقعتاً سچی تھی؟ توبہ کرنے والا اپنے کیے پر نادم ہوا تھا؟ واقعی اس نے عادتِ بد کو چھوڑ دیا تھا؟ یا یہ کہ صرف زبان سے ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“ کی گردان ہو رہی تھی اور ساتھ نافرمانی اور حرام خوری بھی جوں کی توں چل رہی تھی۔ تو احتساب کے کٹہرے میں ہر شخص اور ہر معاملے کو لایا جائے گا اور کھرا کھوٹا دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر جو مجرم پایا گیا، اسے اس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

﴿وَلَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ ”اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کے

مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“



**آیت ۱۲۴** ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”اور جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ صاحبِ ایمان“

﴿فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ ”تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل کے برابر بھی کوئی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔“

**آیت ۱۲۵** ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ”اور اُس سے بہتر دین کس کا ہوگا جس نے اپنا چہرہ (سر) اللہ کے سامنے جھکا دیا اور (اس کے بعد) احسان (کے درجے) تک پہنچ گیا“

اللہ کی بندگی میں خوبصورتی لاکر، خلوص اور اللہیت کے ساتھ پورے دین کا اتباع کر کے تفریق بین الدین سے بچ کر اور total submission کے ذریعے سے اُس نے احسان کے درجے تک رسائی حاصل کر لی۔

﴿وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ ”اور اُس نے پیروی کی دینِ ابراہیم کی یکسو ہو کر (یا پیروی کی اُس ابراہیم کے دین کی جو یکسو تھا)۔“

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ ”اور اللہ نے تو ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔“

**آیت ۱۲۶** ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

## آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۗ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنْ الْوٰلِدَانِ ۗ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنْ اِمْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْرًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۗ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحْرَ ۗ وَاِنْ مُّحْسِنُوْا وَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَاِنْ تَسْتَضْعِفُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمِيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمَعْلَقَةِ ۗ وَاِنْ تَصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ وَاَسْعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰتَوْنَا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا



حَمِيدًا ۞ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۞ إِنَّ يَسْأَلُكُمْ  
 أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخِرِينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ۞ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا  
 ۱۹ ۱۶ فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۞

اب جو آیات آرہی ہیں ان میں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے لیکن ان کی حیثیت ”استدراک“ کی ہے۔ اس حوالے سے ان کا تعلق اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے جن میں خواتین کے مسائل کے بارے میں کچھ احکام نازل ہوئے تھے اور یتیم بچیوں سے نکاح کے بارے میں بھی کچھ معاملات زیر بحث آئے تھے۔ ان میں سے کچھ نکات لوگوں کے لیے وضاحت طلب تھے لہذا ایسے نکات کے بارے میں لوگوں نے حضور ﷺ سے کچھ وضاحتیں طلب کیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحتیں نازل کی ہیں۔

**آیت ۱۲** ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔“

﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۖ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے (وضاحت کرتا ہے) ان کے بارے میں“

﴿وَمَا يَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمَى النِّسَاءِ﴾ ”اور جو تمہیں (پہلے سے) سنایا جا رہا ہے کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں“

یہ اسی سورۃ کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے۔ اب آیت زیر نظر کے ساتھ مل کر اس آیت کی تشریح بھی بالکل واضح ہوگئی اور ثابت ہو گیا کہ وہاں جو فرمایا گیا تھا ﴿وَأَنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ تو اس سے اصل مراد ”یتیمی النساء“ تھا۔ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے شادی کرو گے تو ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے (اس لیے کہ ان کی طرف سے کوئی نہیں جو ان کے حقوق کا پاسدار ہو اور تم سے باز پرس کر سکے) تو پھر ان سے شادی مت کرو بلکہ دوسری عورتوں سے شادی کر لو۔ اگر ایک سے زائد نکاح کرنا چاہتے ہو تو اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے دو دو تین تین یا چار چار سے کر لو ﴿فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا﴾۔ مگر ایسی بے سہارا یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ:

﴿الَّتِي لَا تَوْلِيَنَّهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ ”جن کو تم دیتے نہیں ہو جو اللہ نے ان کے لیے لکھ دیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح بھی کرو“

تم انہیں یتیم سمجھ کر مہر ادا کیے بغیر ان سے نکاح کرنے کے خواہش مند رہتے ہو۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ ”اور (اسی طرح) وہ بچے جو کمزور ہیں (جن پر ظلم ہوتا ہے)“

﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ ”اور یہ (ہم نے تمہیں اتنے تفصیلی احکام دیے ہیں) کہ

یتیموں کے معاملے میں انصاف پر کاربند رہو۔“



﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۷۷﴾﴾ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے

واقف ہے۔“

وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ اُس نے شریعت کے احکام نازل کر دیے ہیں، بنیادی ہدایات تمہیں دے دی گئی ہیں۔ اب اضافی چیز تو بس یہی ہے کہ تمہاری نیت صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط﴾ (البقرة: ۲۲۰) یعنی اللہ جانتا ہے کہ کون حقیقت میں شرارتی ہے اور کس کی نیت صحیح ہے۔

**آیت ۱۲۸** ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ ”اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رُخی کا“

ایک ”نشوز“ تو وہ تھا جس کا تذکرہ اسی سورۃ کی آیت ۳۴ میں عورت کے حوالے سے ہوا تھا: ﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ﴾ ”اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو“۔ یعنی وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں سے سرکشی کرتی ہیں، ان کی اطاعت نہیں کرتیں اور اپنی ضد پر اڑی رہتی ہیں۔ اب یہاں ذکر ہے اُس ”نشوز“ کا جس کا اظہار خاوند کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر ظلم کر رہا ہو، اس کے حقوق ادا کرنے میں پہلو تہی کر رہا ہو، اپنی ”قوامیت“ کے حق کو غلط طریقے سے استعمال کر رہا ہو، اس پر بے جا رعب ڈالتا ہو، اسے بلا وجہ ستاتا ہو اور تنگ کر کے مہر معاف کروانا چاہتا ہو، یا اگر بیوی کے والدین اچھے کھاتے پیتے ہوں تو ہو سکتا ہے خاوند اسے بلیک میل کر کے اس کے والدین سے دولت ہتھیانا چاہتا ہو۔ یہ ساری خباثتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور عورتیں بیچاری ظلم و ستم کی اس چکی میں پستی رہتی ہیں۔ آیت زیر نظر میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے اندیشہ ہو جائے کہ وہ زیادتی کرے گا، یا اگر شوہر زیادتی کر رہا ہو اور وہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو، یا اس کی طرف میلان ہی نہ رکھتا ہو، کوئی نئی شادی رچالی ہو اور اب ساری توجہ نئی دلہن کی طرف ہو۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط﴾ ”تو ان دونوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا کہ وہ

آپس میں صلح کر لیں۔“

یہاں صلح سے مراد یہ ہے کہ سارے معاملات باہم طے کر کے عورت خلع لے لے۔ لیکن خلع لینے میں جیسا کہ سورۃ البقرة آیت ۲۲۹ میں ہم پڑھ چکے ہیں، عورت کو مہر چھوڑنا پڑے گا، اور اگر لیا تھا تو کچھ واپس کرنا پڑے گا۔ ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ط﴾ ”اور صلح بہر حال بہتر ہے۔ البتہ انسانی نفس پر لالچ مسلط رہتا ہے۔“

مرد چاہے گا کہ میرا پورا مہر واپس کیا جائے جبکہ عورت چاہے گی کہ مجھے کچھ بھی واپس نہ کرنا پڑے۔ یہ مضامین سورۃ البقرة میں بیان ہو چکے ہیں۔

﴿وَإِنْ تَحْسَبُوا أَنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۷۸﴾﴾ ”اور اگر تم احسان کرو اور



تقویٰ اختیار کرو تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔“

تم مرد ہو مردانگی کا ثبوت دو اس معاملے میں اپنے اندر نرمی پیدا کرو بیوی کا حق فراخ دلی سے ادا کرو۔

**آیت ۱۲۹** ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ ”اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کر سکو چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو“

سورۃ کے آغاز (آیت ۳) میں فرمایا گیا تھا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کئی طور پر اطمینان ہے اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو ورنہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو گنتی اور ناپ تول کی ہوتی ہیں ان میں تو عدل کرنا ممکن ہے، لیکن جو قلبی میلان ہے یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ہر چیز گن گن کر طے کی ہوئی تھی۔ شب بستی کے لیے سب کی باریاں مقرر تھیں۔ دن میں بھی آپ ہر گھر میں چکر لگاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان تھوڑی تھوڑی دیر ہر زوجہ محترمہ کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اگر کہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو گویا کھلبلی بچ جاتی تھی کہ آج وہاں زیادہ دیر کیوں ٹھہر گئے؟ یہ چیزیں انسانی معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا آپس کا معاملہ بہت اچھا تھا، لیکن سوکنا پے کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ہوتے ہیں یہ عورت کی فطرت ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس لیے فرمایا کہ مکمل انصاف کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ اس سے مراد دراصل قلبی میلان ہے۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں بھی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں نے ظاہری چیزوں میں پورا پورا عدل کیا ہے، باقی جہاں تک میرے دل کے میلان کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ اس بارے میں تو مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ تم چاہو بھی تو عدل نہیں کر سکتے۔

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُواهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط﴾ ”تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلق کر کے چھوڑ دو۔“

دوسری بیوی اس طرح معلق ہو کر نہ رہ جائے کہ اب وہ نہ شوہر والی ہے اور نہ آزاد ہے۔ اس سے خاوند کا گویا کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

﴿وَإِنْ تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾﴾ ”اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔“

اب اگلی آیت میں طلاق کے معاملے میں ایک اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے۔ طلاق یقیناً ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ)) (۱) ”حلال چیزوں میں

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق۔ و سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب حدثنا



اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لڑائیاں ہو رہی ہیں، مقدمات چل رہے ہیں، مزاجوں میں موافقت نہیں ہے، ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں، دن رات کا جھگڑا ہے، لیکن طلاق نہیں دیتے۔ یہ طرزِ عمل نہایت احمقانہ ہے اور شریعت کی منشاء کے بھی خلاف ہے۔ لہذا اس آیت میں آپ دیکھیں گے کہ ایک طرح سے طلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

**آیت ۱۳۰** ﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلاًّ مِّنْ سَعَتِهِ ۗ﴾ ”اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں علیحدہ ہو جائیں گے تو اللہ ان کو اپنی کثادگی سے غنی کر دے گا۔“

ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو بھی کوئی بہتر رشتہ مل جائے جو اس کے ساتھ مزاجی موافقت رکھنے والا ہو اور اس مرد کو بھی اللہ تعالیٰ کوئی بہتر بیوی دے دے۔ میاں بیوی کا ہر وقت لڑتے رہنا، دنگا فساد کرنا اور عدم موافقت کے باوجود طلاق کا اختیار (option) استعمال نہ کرنا، یہ سوچ ہمارے ہاں دراصل ہندو معاشرت اور عیسائیت کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہندومت کی طرح عیسائیت میں بھی طلاق حرام ہے۔ دراصل انجیل میں تو شریعت اور قانون ہے ہی نہیں، صرف اخلاقی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَبْغَضُ الْخَلَالَ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ)) ایسی ہی کوئی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمائی تھی تاکہ کوئی شخص بلا وجہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ ظاہر ہے معاشرے میں طلاق کے منفی اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ تو ہوتا ہے۔ طلاق شدہ عورت کی دوسری شادی نہ ہونے کی صورت میں اس کے آوارہ ہو جانے کا امکان بھی ہے اور اگر ایسا ہو تو اس کا وبال اسے بلا وجہ طلاق دینے والے کے سر ہی جائے گا۔ بہر حال حضرت مسیح کا ایسا فرمان محض ایک اخلاقی نصیحت تھی، کوئی قانونی شق نہیں تھی۔ عیسائیت کا قانون تو وہی ہے جو تورات کے اندر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تم پر بدستور نافذ رہے گی، میں اس قانون کو ختم کرنے نہیں آیا۔ قانون بہر حال قانون ہے، اخلاقی ہدایات کو قانون کا درجہ تو نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن عیسائیت میں اس طرح کی اخلاقی تعلیمات کو قانون بنا دیا گیا، جس کی وجہ سے بلا جواز پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ان کے ہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اس وقت تک طلاق نہیں دے سکتا جب تک اس پر بدکاری کا جرم ثابت نہ ہو جائے۔ لہذا وہ لوگ طلاق دینے کے لیے طرح طرح کے طریقے استعمال کر کے بیوی کو پہلے بدکردار بناتے ہیں، پھر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، تب جا کر اس سے جان چھڑاتے ہیں۔ تو جب شریعت کے درست اور آسان راستے چھوڑ دیے جاتے ہیں تو پھر اسی طرح غلط اور مشکل راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں عدم موافقت کی صورت میں طلاق کے بارے میں ایک طرح کی ترغیب نظر آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۝﴾ ”اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا حکمت والا ہے۔“

اللہ کے خزانے بڑے وسیع ہیں اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

**آیت ۱۳۱** ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ﴾ ”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے



اور جو کچھ زمین میں ہے۔“

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ﴾ ”اور (دیکھو مسلمانو!) تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہیں بھی ہم نے وصیت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی وصیت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

احکام شریعت کی تعمیل کے سلسلے میں اصل جذبہ محرکہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر شریعت بھی مذاق بن جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ بہت مشہور ہیں اور خطبات جمعہ میں بھی اکثر انہیں شامل کیا جاتا ہے: ((أَوْصِيكُمْ وَنَفْسِي بِتَقْوَى اللَّهِ)) (۱) ”مسلمانو! میں تمہیں بھی اور اپنے نفس کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔“ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہاں بھی تقویٰ کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔

﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ۝﴾ ”اور اگر تم نہ مانو گے تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو خود غنی ہے وہ اپنی ذات میں خود ستودہ صفات ہے۔“

**آیت ۱۳۲** ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝﴾ ”اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے اعتبار سے۔“

اگر میاں بیوی میں واقعی نباہ نہیں ہو رہا تو بے شک وہ علیحدگی اختیار کر لیں دونوں کا کارساز اللہ ہے۔ عورت بھی یہ سمجھے کہ اگر میں اس شوہر سے تعلق منقطع کر لوں گی تو اللہ کارساز ہے وہ میرے لیے کوئی اور راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسی طرح کی سوچ مرد کی بھی ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس یہ سوچ انتہائی احمقانہ اور خلاف شریعت ہے کہ ہر صورت میں عورت سے نباہ کرنا ہے چاہے اللہ سے بغاوت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ لہذا ہر چیز کو اُس کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

**آیت ۱۳۳** ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِالْآخِرِينَ ۗ﴾ ”اے لوگو! وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے۔“

اللہ کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے سامنے تم سب نفسِ واحد کی طرح ہو اللہ تعالیٰ جب چاہے تم سب کو نسیا منسیا کر دے اور تمہاری جگہ نئے لوگوں کو پیدا کر دے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا ۝﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔“

**آیت ۱۳۴** ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ﴾ ”جو کوئی بھی دنیا کا

(۱) یہ الفاظ اگرچہ مشہور ہیں لیکن دستیاب کتب احادیث میں ان کا حوالہ نہیں مل سکا۔ البتہ ((أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ)) کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے خطبات میں بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً: سنن الترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع۔ و سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة۔ (مرتب)



ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔“

جو شخص اپنی ساری بھاگ دوڑ اور دن رات کی محنت دنیا کمانے، دولت اور جائیداد بڑھانے، عہدوں میں ترقی پانے اور مادی طور پر پھلنے پھولنے میں لگا رہا ہے اور اس وجہ سے اللہ کے احکام اور حقوق کو نظر انداز کر رہا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے خزانے بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔ اور یہ کہ وہ صرف دنیاوی چیزوں کی خواہش کر کے گویا سمندر سے قطرہ حاصل کرنے پر اکتفا کر رہا ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے!

لہذا اللہ سے دنیا بھی مانگو اور آخرت بھی۔ اور اس طرح مانگو جس طرح اس نے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرہ) ”پروردگارا! ہمیں اس دنیا میں بھی خیر عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر عطا فرما اور ہمیں بچالے آگ کے عذاب سے“۔ تم لوگ اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرو اس کے ساتھ اپنا تعلق خلوص و اخلاص کی بنیادوں پر استوار کرو اس کی طرف سے جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کرو پھر اللہ تعالیٰ یقیناً دنیا میں بھی تمہیں نوازے گا اور آخرت میں بھی۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

## آیات ۱۳۵ تا ۱۴۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ  
وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن  
تَلَّوْا أَوْ تُعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۖ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ  
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ  
كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا ۖ لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۗ  
بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ ۖ إِنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ  
الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۗ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ  
أَن إِذَا سَمِعْتُمُ آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيَسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَعْدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي  
حَدِيثٍ غَيْرَةٍ ۗ إِنَّكُمْ إِذَا مِثَلْتُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۗ  
الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَإِن كَانَ  
لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ ۗ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعَكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۗ



**آیت ۱۳۵** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ ”اے اہل ایمان، کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر“

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورہ آل عمران (آیت ۱۸) میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ”اللہ گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور سارے فرشتے اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں، وہ عدل کا قائم کرنے والا ہے“۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر عدل قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے وہ اپنے دین کا غلبہ چاہتا ہے، اور اس عظیم کام کے لیے اُس کے کارندے اور سپاہی اہل ایمان ہی ہیں۔ انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عدل قائم کرے گا۔ لیکن اہل ایمان کو اس عظیم مقصد کے لیے کوشش کرنی ہوگی، جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہوگا، ایثار کرنا ہوگا، قربانیاں دینی ہوں گی، تب جا کر کہیں دین غالب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ معاشرے میں عدل و قسط کے قیام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ”اللہ کے گواہ“ کہا گیا ہے۔ عدل اجتماعی (Social Justice) پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے بد قسمتی سے آج ہمارا مذہبی طبقہ اتنا ہی اس سے بے بہرہ ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں سرے سے شعور ہی نہیں کہ عدل اجتماعی کی بھی کوئی اہمیت اسلام میں ہے۔ اسلامی قوانین اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کی اہمیت تو سب جانتے ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ باطل نظام کی ناانصافیاں کیسے ختم ہوں گی؟ اس جاگیر دارانہ ظلم و ستم اور غریبوں کے استحصال (exploitation) کی بیخ کنی کس طرح ہوگی؟ سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس چوس کر روز بروز موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ نظام ایک ایسی چٹکی ہے جو آٹا پیس پیس کر ایک ہی طرف ڈالتی جا رہی ہے، جبکہ دوسری طرف محرومی ہی محرومی ہے۔ یہاں دولت کی تقسیم کا نظام ہی غلط ہے، ایک طرف وسائل کی ریل پیل ہے تو دوسری طرف بھوک ہی بھوک۔ ایک طرف امیر امیر تر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف غریب غریب تر، اور غربت تو ایسی لعنت ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، از روئے حدیث نبوی: ((كَأَدَ الْفَقْرِ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا)) (۱) ”قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے“۔ لہذا سب سے پہلے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل ہو، انصاف ہو، جس میں ضمانت دی گئی ہو کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہوگی۔ کفالت عامہ کی یہ ضمانت نظام خلافت میں دی جاتی ہے۔ جب نظام درست ہو جائے تو پھر حدود و تعزیرات کا نفاذ ہو۔ پھر جو کوئی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن موجودہ حالات میں اگر اسلامی قوانین نافذ ہوں گے تو ان کا فائدہ الثائثیوں اور حرام خوروں کو ہوگا، بلیک مارکیٹنگ کرنے والے ان سے مستفید ہوں گے۔ جنہوں نے حرام خوری سے دولت جمع کر رکھی ہے، وہ خوب پاؤں پھیلا کر سوئیں گے۔ چور کا ہاتھ کٹے گا تو انہیں چوری کا ڈر رہے گا نہ ڈاکے کا۔ تو اصل کام نظام کا بدلنا ہے۔ اس کا یہ

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ما ینہی عنہ من التہاجر

والتقاطع واتباع العورات۔ راوی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ



مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) شریعت نافذ نہ کی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ شریعت نافذ کرنے سے پہلے نظام (system) کو بدلا جائے، دین کا نظام قائم کیا جائے اور پھر اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے اسے مستقل طور پر چلانے کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ کیونکہ قانون ہی کسی نظام کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے، قانون کے صحیح نفاذ سے ہی کوئی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

یہی مضمون آگے چل کر سورۃ المائدہ (آیت ۸) میں بھی آئے گا، لیکن وہاں اس کی ترتیب بدل گئی ہے۔ وہاں ترتیب اس طرح ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾۔ اس ترتیب کے بدلنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ اور عدل و قسط گویا مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے ”گواہ بن جاؤ اللہ کے“ اور دوسری جگہ فرمایا: ”گواہ بن جاؤ قسط کے“۔ ایک جگہ فرمایا: ”کھڑے ہو جاؤ قسط (عدل و انصاف) کے لیے“ جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ”کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے“۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور قسط کے الفاظ جو ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں، آپس میں مترادف ہیں۔

﴿وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ ”خواہ یہ (انصاف کی بات اور شہادت) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا تمہارے قرابت داروں کے۔“

ایک مومن کا تعلق عدل و انصاف اور قسط کے ساتھ ہونا چاہیے رشتہ داری کے ساتھ نہیں۔ یہاں پر حرف جار کے بدلنے سے معانی میں ہونے والی تبدیلی مد نظر رہے۔ شہادۃ علی کا مطلب ہے لوگوں پر گواہی، ان کے خلاف گواہی جبکہ شہادۃ لیلہ کا مطلب ہے اللہ کے لیے گواہی، لہذا شہادۃ لیلہ کے معنی ہیں اللہ کے گواہ۔ ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا﴾ ”چاہے وہ شخص غنی ہے یا فقیر، اللہ ہی دونوں کا پشت پناہ ہے۔“

ہر کسی کا رازق اور کفیل اللہ تعالیٰ ہے، تم کسی کے کفیل اور ذمہ دار نہیں ہو۔ تمہیں تو وہ فیصلہ کرنا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ تمہیں کسی کی جانب داری نہیں کرنی، نہ ماں باپ کی، نہ بھائی کی، نہ خود اپنی اور نہ کسی غریب و مسکین کی۔ اِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا کے الفاظ نے یہاں جانبدارانہ فیصلوں کا یہ چور دروازہ بھی بند کر دیا ہے کہ اس کا حق تو نہیں بنتا، لیکن یہ غریب ہے، لہذا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمایا کہ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، تمہیں اس کی جانب داری نہیں کرنی۔ یہ حکم ہمیں واضح طور پر ہمارا فرض یاد دلاتا ہے کہ ہم سب اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ ہر حق بات جو اللہ کی طرف سے ہو اس کے علمبردار بن جائیں اور اس حق کو قائم کرنے کے لیے تن من اور دھن کی قربانی دینے کے لیے اپنی کمر کس لیں۔

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوْنَا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ”تو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو، مبادا کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم زبانوں کو مروڑو گے یا اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔“

یعنی اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا حق گوئی سے پہلو تہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اس کی پوری



پوری خبر ہے۔ ”تَلُّوْا“ کا صحیح مفہوم آج کی زبان میں ہوگا chewing the words۔ یعنی اس طریقے سے زبان کو حرکت دینا کہ بات کہنا بھی چاہتے ہیں لیکن کہہ بھی نہیں پارہے ہیں، حق بات زبان سے نکالنا نہیں چاہتے، غلط بات نکل نہیں رہی ہے۔ یا پھر ویسے ہی حق بات کہنے والی صورتِ حال کا سامنا کرنے سے کئی کترارہے ہیں، موقع سے ہی بچ نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ ایسی کسی کوشش سے انسانوں کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے مگر اللہ تو تمہاری ہر سوچ، ہر نیت اور ہر حرکت سے باخبر ہے۔

اس کے بعد جو مضمون آرہا ہے وہ شاید اس سورہ مبارکہ کا اہم ترین مضمون ہے۔

**آیت ۱۳۶** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط﴾ ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے نازل فرمائی اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل فرمائی۔“

ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ!“ چہ معنی دارد؟ اس کا مطلب ہے کہ اقرار باللسان والا ایمان تو تمہیں موروثی طور پر حاصل ہو چکا ہے۔ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہو گئے تو وراثت میں ایمان بھی مل گیا یا یہ کہ جب پورا قبیلہ اسلام لے آیا تو اس میں بچے مسلمانوں کے ساتھ کچھ کچھ مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ زبان سے تو سب نے ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ پڑھ لیا۔ اس طرح اقرار باللسان کے درجے میں تو ایمان سب کو حاصل ہو گیا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ ایمان کا محض قانونی درجہ ہے۔ پیچھے اسی سورہ (آیت ۹۴) میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص راستے میں ملے اور وہ اپنا اسلام ظاہر کرے تو تم اس کے ایمان کو جھٹلا نہیں سکتے، کیونکہ جس نے زبان سے کلمہ شہادت ادا کر لیا تو قانونی طور پر وہ مؤمن ہے۔ لیکن کیا حقیقی ایمان یہی ہے؟ نہیں، بلکہ حقیقی ایمان تو یقینِ قلبی کا نام ہے۔ اس لیے فرمایا: ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر.....“۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لیے ہم اس آیت کا ترجمہ اس طرح کریں گے کہ ”اے اہل ایمان! ایمان لاؤ اللہ پر جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے، مانو اللہ کے رسول ﷺ کو جیسا کہ ماننے کا حق ہے.....“ اور یہ حق اسی وقت ادا ہوگا جب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان دل میں گھر کر گیا ہو۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سورہ الحجرات (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبٌ إِلَيْكُمْ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ ”اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزیں کر دیا ہے“۔ آگے چل کر اسی سورہ (آیت ۱۴) میں کچھ لوگوں کے بارے میں یوں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط﴾ ”یہ بدولوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو، ہاں یوں کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا“۔ چنانچہ اصل ایمان وہ ہے جو دل میں داخل ہو جائے۔ یہ درجہ تصدیق بالقلب کا ہے۔ یاد رہے کہ آیت زیر مطالعہ میں دراصل روئے سخن منافقین کی طرف ہے، جو زبانی ایمان تو لائے تھے لیکن اس کے ساتھ دل کی تصدیق شامل نہیں تھی۔



(عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات یہ نکتہ بھی نوٹ کریں کہ قرآن کے لیے اس آیت میں لفظ نَزَّل اور تورات کے لیے اَنْزَلَ استعمال ہوا ہے۔)

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾<sup>(۳۳)</sup>  
 ”اور جو کوئی کفر (انکار) کرے گا اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا، تو وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔“

**آیت ۱۳** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا﴾ ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔“  
 یہاں کفر سے مراد کفر حقیقی، کفر معنوی یا کفر باطنی یعنی نفاق ہے، قانونی کفر نہیں۔ کیونکہ منافقین کے ہاں کفر و ایمان کے درمیان جو بھی کشمکش اور کھینچا تانی ہو رہی تھی، وہ اندر ہی اندر ہو رہی تھی، لیکن ظاہری طور پر ان لوگوں نے اسلام کا انکار نہیں کیا تھا۔

﴿لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيُهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾<sup>(۱۳)</sup> ”تو اللہ نہ ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور نہ وہ انہیں راہِ راست دکھائے گا۔“

واضح رہے کہ منافقت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی دن میں کوئی شخص منافق ہو گیا ہو۔ منافقین میں ایک تو شعوری منافق تھے، جو باقاعدہ ایک فیصلہ کر کے اپنی حکمتِ عملی اختیار کرتے تھے، جیسے ہم سورہ آل عمران (آیت ۷۲) میں ان کی پالیسی کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ صبح ایمان کا اعلان کریں گے، شام کو پھر کافر ہو جائیں گے، مرتد ہو جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان انہیں نصیب ہوا ہی نہیں اور انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔ وہ دل سے جانتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہی نہیں ہیں، ہم تو مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ شعوری منافقت ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگ غیر شعوری منافق تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کیا تھا، ان کے دل میں دھوکہ دینے کی نیت بھی نہیں تھی، لیکن انہیں اصل صورتِ حال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پھولوں کی بیج ہے، لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس وہ نکلا، کانٹوں والا بستر۔ اب انہیں قدم قدم پر کاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ارادے میں چونکہ پختگی اور ایمان میں گہرائی نہیں تھی، لہذا ان کا معاملہ ”ہرچہ باد اباد“ والا نہیں تھا۔ ایسے لوگوں کا حال ہم سورہ البقرہ کے آغاز (آیت ۲۰) میں پڑھ آئے ہیں کہ کچھ روشنی ہوئی تو ذرا چل پڑے، اندھیرا ہوا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ حالات بہتر ہوئے تو کچھ ہمت کی، دو چار قدم چلے، پھر حالات ناموافق دیکھ کر ٹھنک گئے، رک گئے، پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کو ملامت کرتے کہ یہ تم کیا کرتے ہو؟ چنانچہ ملامت سے بچنے کے لیے وہ جھوٹے بہانے بنانے لگے، اور پھر جب یہ مرض مزید بڑھا تو جھوٹی قسمیں کھانی شروع کر دیں، کہ خدا کی قسم یہ مجبوری تھی، اس لیے میں رک گیا تھا، ایسا تو نہیں کہ میں جہاد میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیوی مر رہی تھی، اُسے چھوڑ کر میں کیسے جاسکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی جھوٹی



قسمیں کھانا ایسے منافقین کا آخری درجے کا حربہ ہوتا ہے۔ تو ایمان اور کفر کا یہ معاملہ ان کے ہاں یوں ہی چلتا رہتا ہے، اگرچہ اوپر ایمان باللسان کا پردہ موجود رہتا ہے۔ جب کوئی شخص ایمان لے آیا اور اُس نے ارتداد کا اعلان بھی نہیں کیا تو قانونی طور پر تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے، لیکن جہاں تک ایمان بالقلب کا تعلق ہے تو وہ ”مُذَبِّبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ“ کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اس کے اندر ہر وقت تذبذب اور اتھراز (oscillation) کی کیفیت رہتی ہے کہ ابھی ایمان کی طرف آیا، پھر کفر کی طرف گیا، پھر ایمان کی طرف آیا، پھر کفر کی طرف گیا۔ اس کی مثال بعینہ اُس شخص کی سی ہے جو دریا یا تالاب کے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کبھی نیچے جاتا ہے، پھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو ایک لمحے کے لیے اوپر آجاتا ہے مگر اوپر ٹھہر نہیں سکتا اور فوراً نیچے چلا جاتا ہے۔ بالآخر نیچے جا کر اوپر نہیں آتا اور ڈوب جاتا ہے۔ بالکل یہی نقشہ ہے جو اس آیت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں کا تذکرہ ہے۔

**آیت ۱۳۸** ﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ان منافقوں کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یعنی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کو عذاب کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ عذاب کی بشارت دینا طزیہ انداز ہے۔

یہاں پر قبولِ حق کے دعویداروں کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں، ان کے لیے یہاں پھولوں کی بیج نہیں ہے، اس لیے جو شخص اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ یکسو ہو کر آئے، دل میں تحفظات (reservations) رکھ کر نہ آئے۔ یہاں تو قدم قدم پر آزمائشیں آئیں گی، یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ﴾ (البقرة: ۱۵۵) ”اور ہم تمہیں لازماً آزمائشیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔“ یہاں تو علی الاعلان بتایا جا رہا ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۗ﴾ (آل عمران: ۱۸۶) ”(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ اور تمہیں لازماً سنی پڑیں گی، ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا، بڑی تکلیف دہ باتیں۔“ یہاں تو مال و جان کا نقصان اٹھانا پڑے گا، ہر قسم کی تلخ و نازیب باتیں سنی پڑیں گی، کڑوے گھونٹ بھی حلق سے اُتارنے پڑیں گے، غرض قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بے شرط اول قدم این است کہ مجنوں باشی!

(لیلیٰ سے وصال کے راستے میں تو بہت سے خطرات پیش آئیں گے۔ اس راہ میں پہلا قدم رکھنے کی شرط

یہ ہے کہ تم مجنوں بن جاؤ!)

**آیت ۱۳۹** ﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ﴾ ”جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار



کو اپنا دوست بناتے ہیں۔“

ان منافقین کا وطیرہ یہ بھی تھا کہ وہ کفار کے ساتھ بھی دوستی رکھتے تھے۔ یعنی اپنی طرف سے وہ اس پالیسی پر عمل پیرا تھے: Don't keep all your eggs in one basket کہ اپنے تمام کے تمام انڈے ایک ہی ٹوکری میں مت رکھو۔ ان کا خیال تھا کہ آج اگر ہم سب تعلق دوستیاں چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تو کل کا کیا پتا؟ کیا معلوم کل حالات بدل جائیں، حالات کا پلڑا کفار کی طرف جھک جائے۔ تو ایسے مشکل وقت میں پھر یہی لوگ کام آئیں گے، اس لیے وہ ان سے دوستیاں رکھتے تھے۔

﴿اَيْتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ ”کیا وہ ان کے قرب سے عزت چاہتے ہیں؟“

کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ کیا ان کی محفلوں میں جگہ پا کر وہ معزز بننا چاہتے ہیں؟ جیسے ہمارے حکمرانوں کے لیے آج امریکہ جانا اور صدر امریکہ سے ملنا بہت بڑا اعزاز ہے، جسے پانے کے لیے ہمارے ہاں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ چند منٹ کی ایسی ملاقات کے لیے کس کس انداز سے lobbying ہوتی ہے، خواہ اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔

﴿فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ ”حالانکہ عزت تو کل کی کل اللہ کے اختیار میں ہے۔“

لیکن وہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں عزت ڈھونڈ رہے ہیں؟

**آیت ۱۴۰** ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ ”اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے کتاب میں“

﴿أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا﴾ ”کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے

ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے“

﴿فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ ”تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں

تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں“

یہ سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ہے جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تمہارے سامنے کافر لوگ اللہ کی آیات کا استہزاء کر رہے ہوں، قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں تو تم وہاں سے اٹھ جاؤ۔ یہ کی آیت ہے۔ چونکہ اُس وقت مسلمانوں میں اتنا زور نہیں تھا کہ کفار کو ایسی حرکتوں سے زبردستی منع کر سکتے اس لیے ان کو بتایا گیا کہ ایسی محفلوں میں تم لوگ مت بیٹھو۔ اگر کسی محفل میں ایسی کوئی بات ہو جائے تو احتجاجاً وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں سے تمہاری غیرت ایمانی میں بھی کچھ کمی آجائے یا تمہاری ایمانی حس گند پڑ جائے۔ ہاں جب وہ لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو پھر دوبارہ ان کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں۔ واضح رہے کہ یہ غیر مسلموں سے تعلق منقطع کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لیے کہ تبلیغ کی غرض سے ان کے پاس جانا بھی ضروری ہے۔

﴿إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ ط﴾ ”ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔“

اگر اس حالت میں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے تو پھر تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔



﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ ﴿۱۳۰﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا

ہے منافقوں کو بھی اور کافروں کو بھی جہنم میں سب کے سب۔“

**آیت ۱۳۱** ﴿الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ﴾ ”وہ لوگ جو تمہارے لیے انتظار کی حالت میں ہیں۔“

منافق تمہارے معاملہ میں گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ ”تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو“ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں اور نتیجے کے انتظار میں ہیں کہ آخری فتح کس کی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا طے شدہ منصوبہ ہے کہ دونوں طرف کچھ نہ کچھ تعلقات رکھو تا کہ وقت جیسا بھی آئے جو بھی صورت حال ہو ہم اس کے مطابق اپنے بچاؤ کی کچھ صورت بنا سکیں۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ﴾ ”تو اگر تم لوگوں کو اللہ کی طرف سے

کوئی فتح حاصل ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟“

اگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمان فتح حاصل کر لیتے ہیں تو وہ آجائیں گے باتیں بناتے ہوئے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے مسلمان تھے مالِ غنیمت میں سے ہمارا بھی حصہ نکالیے۔

﴿وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ﴾ ”اور اگر کوئی حصہ پہنچ جائے کافروں کو“

اگر کبھی وقتی طور پر کفار کو فتح حاصل ہو جائے جنگ میں ان کا پلڑا بھاری ہو جائے۔

﴿قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”تو وہ کہیں گے (اپنے کافر

ساتھیوں سے) کیا ہم نے تمہارا گھیراؤ نہیں کر لیا تھا؟ اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے؟“

یعنی ہم نے تو آپ کو مسلمانوں سے بچانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا ہم تو آپ کے لیے آڑ بنے ہوئے تھے۔

آپ سمجھتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے آئے تھے؟ نہیں ہم تو اس لیے آئے تھے کہ وقت آنے پر مسلمانوں کے حملوں سے آپ کو بچا سکیں۔

﴿فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے مابین قیامت کے دن۔“

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ ﴿۱۳۱﴾ ”اور اللہ اہل ایمان کے مقابلے میں

کافروں کو راہِ یاب نہیں کرے گا۔“

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے

اگرچہ ان سے براہِ راست خطاب میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ نٰفَقُوْا کے الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے بلکہ انہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کے دعوے دار تھے ایمان کے مدعی

تھے اور قانونی طور پر مسلمان تھے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے جو آئندہ آیاتِ مبارکہ میں انجام پذیر

(conclude) ہو رہا ہے۔



## آیات ۱۴۲ تا ۱۵۲

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ  
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ مَذْبُذِبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ ۗ  
وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ  
مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۗ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي  
الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۗ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا  
بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا  
عَظِيمًا ۗ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَائِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۗ لَا يُحِبُّ  
اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۗ إِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ  
تَخَفُوا أَوْ تَعَفَّوْا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ  
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۗ وَيُرِيدُونَ  
أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا  
مُهِينًا ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَكُمُ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ  
أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۗ

الجزء السادس

۱۴۲

**آیت ۱۴۲** ﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ﴾ ”یقیناً منافق کوشش کر رہے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے کی“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بھی آچکا ہے۔ مُخَادَعَة بابِ مفاعله کا مصدر ہے۔ اس باب میں کسی کے مقابلے میں کوشش کے معنی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ذوق فریقوں میں مقابلہ ہوتا ہے اور پتا نہیں ہوتا کہ کون جیتے گا اور کون ہارے گا۔ لہذا اس جملے کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ ”منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں“۔ اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے فرمایا گیا:

﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ ”حالانکہ وہ انہی کو دھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔“

خَادِع ثلثی مجرد سے اسمِ فاعل ہے اور یہ نہایت زوردار تاکید کے لیے آتا ہے۔ یہاں منافقین کے لیے دھوکہ والا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو ڈھیل دی ہوئی ہے اس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں ہمارے اوپر ابھی تک کوئی آنچ نہیں آئی، ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوئی، کوئی گرفت نہیں ہوئی، ہم دونوں طرف سے بچے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہ اپنی اس ڈھیل کی وجہ سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور درحقیقت یہی وہ دھوکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈال رکھا ہے۔



﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالِيٍّ﴾ ”اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے تو کھڑے ہوتے ہیں بڑی کسل مندی کے ساتھ“

یہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ طبیعت میں بشارت اور آمادگی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی ضروری ہے لہذا مجبوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قَامَ فعل ہے اور اس کے معنی ہیں کھڑے ہونا جبکہ قَائِمٌ اس سے اسم فاعل ہے۔ مختلف زبانوں میں عام طور پر verb کے بعد prepositions کی تبدیلی سے معنی اور مفہوم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں to give ایک خاص مصدر ہے۔ اگر to give up ہو تو معنی یکسر بدل جائیں گے۔ پھر اگر یہ to give in ہو تو بالکل ہی الٹی بات ہو جائے گی۔ اسی طرح عربی میں بھی حروف جار کے تبدیل ہونے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ لہذا اگر قَامَ عَلٰی ہو جیسے آیت ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ میں ہے تو اس کے معنی ہوں گے حاکم ہونا، سربراہ ہونا، کسی کے حکم کا نافرمان ہونا۔ لیکن اگر قَامَ اِلٰی ہو (جیسے آیت زیر نظر میں ہے) تو اس کا مطلب ہوگا کسی شے کے لیے کھڑے ہونا، کوئی کام کرنے کے لیے اٹھنا، کوئی کام کرنے کا ارادہ کرنا۔ اس سے پہلے ہم قَامَ بِ کے ساتھ بھی پڑھ چکے ہیں، یعنی: قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ اور قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ یہاں اس کے معنی ہیں کسی شے کو قائم کرنا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ حروف جار (prepositions) کی تبدیلی سے کسی فعل کے اندر کس طرح اضافی معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يُرَآءُ وَنَ النَّاسِ﴾ ”(وہ کھڑے ہوتے ہیں) محض لوگوں کو دکھانے کے لیے“

﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔“

یعنی ذکرِ الہی جو نماز کا اصل مقصد ہے ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ﴿طہ﴾ وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ مگر ممکن ہے اس بے دھیانی میں کسی وقت کوئی آیت بجلی کے کڑکے کی طرح کڑک کر ان کے شعور میں کچھ نہ کچھ اثرات پیدا کر دے۔

آیت ۱۲۳ ﴿مُذَبَذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ﴾ ”یہ اس کے مابین مذذب (ہو کر رہ گئے) ہیں۔“

کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، کسی طرف بھی یکسو نہیں ہو رہے۔ اسی لیے قرآن میں حضرت ابراہیم ؑ کے تذکرے کے ساتھ حَنِيفٌ كَالْفَصْلِ بَارِئًا آتَاہُ۔ دین کے بارے میں اللہ کی طرف سے ترغیب یہی ہے کہ یکسو ہو جاؤ۔ دنیا میں اگر انسان کفر پر بھی یکسو ہوگا تو کم از کم اس کی دنیا تو بن جائے گی، لیکن اگر دنیا اور آخرت دونوں بنانے ہیں تو پھر ایمان کے ساتھ یکسو ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ بیچ میں رہیں گے، نہ ادھر کے نہ ادھر کے ان کے لیے تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ کے مصداق دنیا اور آخرت دونوں کا گھانا اور نقصان ہوگا۔

﴿لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ﴾ ”نہ تو یہ ان کی جانب ہیں اور نہ ہی ان کی جانب ہیں۔“

نہ اہل ایمان کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ ہی اہل کفر کے ساتھ۔ نہ ان کے ساتھ یکسو ہیں اور نہ ان کے ساتھ۔



﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ ﴿۱۳۳﴾ ”اور جسے اللہ ہی نے گمراہ کر دیا ہو تو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔“

یعنی جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہو اس کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

**آیت ۱۳۴** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اے اہل ایمان! مت بناؤ کافروں کو اپنا دلی دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔“

یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۱۳۹ میں بھی آچکا ہے۔ یہ بھی نفاق کی ایک علامت ہے کہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستیوں کی پیٹنگیں بڑھائی جائیں ان کو اپنا حمایتی مددگار اور رازدار بنایا جائے۔

﴿اَتُرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ ﴿۱۳۳﴾ ”کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے خلاف اللہ کے ہاتھ میں ایک صریح حجت دے دو؟“

اس طرح تم لوگ خود ہی اپنے خلاف ایک حجت فراہم کر رہے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہارا محاسبہ کرے گا تب اس سوال کا تم کیا جواب دو گے کہ تمہاری دوستیاں کافروں کے ساتھ کیوں تھیں؟ اس طرح تمہارا یہ فعل تمہارے خلاف حجتِ قاطع بن جائے گا۔

اب جو آیت آرہی ہے وہ ایک اعتبار سے منافقین کے حق میں قرآن حکیم کی سخت ترین آیت ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے اعتبارات سے بلکہ ایک خاص لطیف پہلو سے سورۃ التوبہ کی آیت ۸۰ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دراصل طویل سورتوں میں سے سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ دو ایسی سورتیں ہیں جن میں نفاق کا مضمون بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

**آیت ۱۳۵** ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ ﴿۱۳۵﴾ ”یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔“

اگلی آیت میں ان لوگوں کے لیے ایک رعایت کا اعلان ہے۔ منافقت کا پردہ کُلّی طور پر تو سورۃ التوبہ میں چاک ہوا ہے۔ یعنی ان کے لیے آخری احکام سن ۹ ہجری میں آئے تھے جبکہ ابھی اس سورت میں سن ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو ابھی ان کے لیے رعایت رکھی گئی ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ فرمایا:

**آیت ۱۳۶** ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاَعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں اور اللہ سے چمٹ جائیں“

اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں ایمان کے ساتھ یکسو ہو جائیں۔ ”كُونُوا رَبَّانِيِّنَ“ (آل عمران: ۷۹) کے مصداق اللہ والے بن جائیں۔ شیطان سے محبت کی پیٹنگیں نہ بڑھائیں شیطان کے ایجنٹوں سے دوستیاں نہ کریں اور اپنے آپ کو دین اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیں کہ ہرچہ بادا بادا اب تو ہم اسلام کی کشتی پر سوار ہو گئے



ہیں اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیریں گے اور اگر خدا نخواستہ اس کے مقدر میں کوئی حادثہ ہے تو ہم بھی اس حادثے میں شامل ہوں گے۔

﴿وَإِخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ﴾ ”اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں“

یہ نہ ہو کہ زندگی کے کچھ حصے میں تو اطاعت اللہ کی ہو رہی ہے جبکہ کسی دوسرے حصے میں کسی اور کی اطاعت کی جا رہی ہے کہ کیا کریں جی! یہ معاملہ تو رواج کا ہے اب برادری کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا! گویا اطاعت کے علیحدہ علیحدہ حصے کر لیے ہیں اور پھر ان میں انتخاب کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ برادری کی اطاعت کا ہے اور یہ حصہ اللہ کی اطاعت کا۔ بہر حال اطاعت جب تک کل کی کل اللہ کے لیے نہ ہو اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۳) میں ہم نے پڑھا تھا: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ ”اور لڑوان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے“۔ یہاں پر دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر دین اللہ کے لیے ہو جائے، یعنی اسلامی ریاست قائم ہو جائے، پورا اسلامی نظام قائم ہو جائے، شریعت اسلامی کا نفاذ عمل میں آجائے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو کم از کم ہر مسلمان انفرادی سطح پر تو اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص کر لے۔ یہ گویا انفرادی توحید عملی ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”تو پھر یہ لوگ

اہل ایمان میں شامل ہو جائیں گے اور اللہ اہل ایمان کو عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔“  
یعنی ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، سچی توبہ کرنے کے بعد ان کو معافی مل سکتی ہے۔ ابھی ان کے لیے point of no return نہیں آیا ہے۔

**آیت ۱۴۷** ﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ ”(اے منافقو ذرا سوچو!) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟“

اللہ تعالیٰ معاذ اللہ کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی نہیں ہے کہ اُسے لوگوں کو دکھ پہنچا کر خوشی ہوتی ہے۔ اس طرح کے رویے تو perverted قسم کے انسانوں کے ہوتے ہیں جن کی شخصیتیں مسخ ہو چکی ہوتی ہیں جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں دوسروں کو تکلیف اور کوفت پہنچا کر انہیں راحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر تم سے کیا لے گا؟

﴿إِنْ شَكَرْتُمْ وَأَمَنْتُمْ﴾ ”اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو۔“

﴿وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ ”اور اللہ بہت ہی قدر دانی فرمانے والا اور ہر شے کا علم رکھنے

والا ہے۔“

جو بندہ اُس کے لیے کام کرے، محنت کرے اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے۔ اور جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے سب اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ہاں unaccounted رہ جائے اور اسے اس کا اجر نہ مل سکے۔



اب اس سورۃ کے آخری حصے میں فلسفہ دین کے بہت اہم بنیادی نکات کی کچھ تفصیل آئے گی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو تمدنی اور معاشرتی معاملات ہی سے متعلق ہے۔ معاشرے کے اندر کسی بری بات کا چرچا کرنا بالفعل کوئی اچھی بات نہیں ہے، لیکن اس میں ایک استثناء رکھا گیا ہے اور وہ ہے مظلوم کا معاملہ۔ اگر مظلوم کی زبان سے ظلم کے ردِ عمل کے طور پر کچھ نازیبا کلمات جلے کئے الفاظ بھی نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔

**آیت ۱۳۸** ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ۗ﴾ ”اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے کہ کسی بری بات کو بلند آواز سے کہا جائے، سوائے اُس کے جس پر ظلم ہوا ہے۔“

جس کا دل دکھا ہے، جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، نہ صرف یہ کہ اس کے جواب میں اس کی زبان سے نکلنے والے کلمات پر گرفت نہیں، بلکہ مظلوم کی دعا کو بھی قبولیت کی سند عطا ہوتی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کر دنِ اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید  
کہ مظلوم کی آہوں سے ڈرو کہ اس کی زبان سے نکلنے والی فریاد ایسی دعا بن جاتی ہے جس کی قبولیت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا استقبال کرنے کے لیے عرش سے آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝﴾ ”اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

اسے سب معلوم ہے کہ جس کے دل سے یہ آواز نکلی ہے وہ کتنا دکھی ہے۔ اس کے احساسات کتنے مجروح ہوئے ہیں۔

**آیت ۱۳۹** ﴿إِنْ تُبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تُخَفُّوهُ ۗ﴾ ”اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ“

جہاں تک تو خیر کا معاملہ ہے تم اسے بلند آواز سے کہو ظاہر کرو یا چھپاؤ برابر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خیر تو ہر حال میں خیر ہی ہے، عیاں ہو یا خفیہ۔

﴿أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا قَدِيرًا ۝﴾ ”یا تم برائی کو معاف کر دیا کرو تو یقیناً اللہ بھی معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا ہے۔“

اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دینا یقیناً نیکی کا ایک اونچا درجہ ہے۔ اس لیے یہاں ترغیب کے انداز میں مظلوم سے بھی کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ تمہیں چھوٹ ہے، تمہاری بدگوئی کی بھی تم پر کوئی گرفت نہیں، لیکن زیادتی کی تلافی کا اس سے اعلیٰ اور بلند تر درجہ بھی ہے، تم اس بلند درجے کو حاصل کیوں نہیں کرتے؟ وہ یہ کہ تم اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دو۔ اس کے ساتھ اللہ کی قدرت کا ذکر بھی ہوا ہے کہ انسان تو بسا اوقات بدلہ لینے کی طاقت نہ ہونے کے باعث معاف کرنے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ تو جب چاہے جیسے چاہے (there & then) خطا کار کو فوراً سزا دے کر حساب چکا سکتا ہے۔ لیکن اتنی قدرت کے باوجود بھی وہ معاف فرما دیتا ہے۔



اب آئندہ آیت میں پھر وحدت الادیان جیسے اہم مضمون کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تمام غلط نظریات کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ بات زیر بحث آچکی ہے کہ فلسفہ وحدتِ ادیان کا ایک حصہ صحیح ہے۔ وہ یہ کہ اصل (origin) سب ادیان کی ایک ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مختلف ادیان کی موجودہ شکلوں میں بھی ایک رنگی اور ہم آہنگی ہے تو اس سے بڑی حماقت، جہالت، ضلالت اور گمراہی کوئی نہیں۔

یہاں پر اب کانٹے کی بات بتائی جا رہی ہے کہ دین میں جس چیز کی وجہ سے بنیادی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے۔ وہ غلطی یا خرابی ہے اللہ اور رسولوں میں تفریق! ایک تفریق تو وہ ہے جو رسولوں کے درمیان کی جاتی ہے اور دوسری تفریق اللہ اور رسول ﷺ کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کی شکل میں سامنے آتی ہے اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ فتنہ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت اسی جہالت و گمراہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ قرآن سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ رسول ﷺ کا کام قرآن پہنچا دینا تھا، سو آپ نے پہنچا دیا، اب اصل معاملہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب عربی زبان میں ہے، ہم اس کو خود سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو جو اس کی تشریح سمجھائی تھی اور اُس زمانے کے لوگوں نے اسے قبول کیا تھا، وہ اُس زمانے کے لیے تھی۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی تشریح کوئی دائمی چیز نہیں، دائمی شے صرف قرآن ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کو جدا کر دیا۔ یہاں اسی گمراہی کا ذکر آ رہا ہے۔

**آیت ۱۵۰** ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کر دیں اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین“

مغل بادشاہ اکبر کے ”دین الہی“ کا بنیادی فلسفہ بھی یہی تھا کہ بس دین تو اللہ ہی کا ہے، رسول ﷺ کی نسبت ضروری نہیں، کیونکہ جب دین کی نسبت رسول ﷺ کے ساتھ ہو جاتی ہے تو پھر دین رسول کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ دین موسیٰ ہے، یہ دین عیسیٰ ہے، یہ دین محمد ﷺ ہے۔ اگر رسولوں کا یہ تفرقی عنصر (differentiating factor) درمیان سے نکال دیا جائے تو مذاہب کے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تو سب کا مشترک (common) ہے، چنانچہ جو دین اللہ کے ساتھ منسوب ہوگا صرف وہی دین الہی ہوگا۔

﴿وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مانیں گے“

یعنی اللہ کو مانیں گے رسولوں کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب کو مانیں گے رسول ﷺ کی سنت کا ماننا کوئی ضروری نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخَذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ ”اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین ایک راستہ نکال لیں۔“

اللہ کو ایک طرف کر دیں اور رسول (ﷺ) کو ایک طرف۔



**آیت ۱۵۱** ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۵۱﴾﴾ ”یہی لوگ حقیقت

میں پکے کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے لیے بڑا ہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

**آیت ۱۵۲** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَكَمْ يَفْرِقُوا بَيْنَ اٰحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ”اور جو لوگ ایمان رکھتے

ہیں اللہ اور اس کے رسولوں پر اور انہوں نے ان میں سے کسی کے مابین کوئی تفریق نہیں کی“

نہ اللہ کو رسول سے جدا کیا اور نہ رسول کو رسول سے جدا کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سب کو مانتے ہیں: ﴿لَا

نُفَرِّقُ بَيْنَ اٰحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ﴾ (البقرہ: ۲۸۵) ”ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں

کرتے“۔ ہم ان رسولوں کو بھی مانتے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں آگئے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے

علاوہ بھی اللہ کی طرف سے بے شمار نبی اور رسول ﷺ آئے ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اٰجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں

اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔“

## آیات ۱۵۳ تا ۱۶۲

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ

فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصُّعْقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۗ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۗ وَاتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۖ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

بَيْتًا قَاهِمًا وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ

مِيْثَاقًا غَلِيْظًا ۖ فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكَفَرْتُمْ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَقَتَلْتُمُ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۗ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكْفُرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَبِكْفُرِهِمْ

وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتٰنًا عَظِيْمًا ۗ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

اللّٰهِ ۗ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلْبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اَتْيَاعَ الظَّنِّ ۗ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۗ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۗ وَاِنَّ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

عَلَيْهِمْ شَهِدًا ۗ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحْلَتْ لَهُمْ وَيَصَدِّهِمْ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَاَخَذْتُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاكَلْتُمُ اَمْوَالَ النَّاسِ

بِالْبَاطِلِ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۗ لٰكِنِ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ



وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ

الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

**آیت ۱۵۳** ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”(اے نبی ﷺ!)

اہل کتاب آپ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لائیں۔  
یعنی جیسے تورات اُتری تھی ویسے ہی تحریری شکل میں ایک کتاب آسمان سے اترنی چاہیے۔ آپ تو کہتے ہیں  
مجھ پر وحی آتی ہے، لیکن کہاں لکھی ہوئی ہے وہ وحی؟ کون لایا ہے؟ ہمیں تو پتا نہیں۔ موسیٰ کو تو ان کی کتاب لکھی  
ہوئی ملی تھی اور وہ پتھر کی تختیوں کی صورت میں اسے لے کر آئے تھے۔ آپ پر بھی اسی طرح کی کتاب نازل ہو تو  
ہم مانیں۔

﴿فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ﴾ ”(یہ تعجب کی بات نہیں) انہوں نے موسیٰ سے اس سے

بھی بڑھ کر مطالبے کیے تھے“

اے نبی ﷺ آپ فکر نہ کریں، ان کی پروا نہ کریں۔ انہوں نے اور ان کے آباء و اجداد نے حضرت موسیٰ  
سے اس سے بھی بڑے بڑے مطالبات کیے تھے۔

﴿فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً﴾ ”انہوں نے تو (ان سے یہ بھی) کہا تھا کہ ہمیں دکھاؤ اللہ کو علانیہ“

کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھنا چاہتے ہیں، جب دیکھیں گے تب مانیں گے۔

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ ”تو ان کو آپکڑا تھا کڑک نے ان کے اس گناہ کی

پاداش میں۔“

﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ ”پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اس

کے بعد کہ ان کے پاس بہت واضح نشانیاں آچکی تھیں“

ان لوگوں کی ناہنجاری کا اندازہ کریں کہ نونو معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد بھی انہوں  
نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ ”تو ہم نے ان تمام چیزوں سے بھی

درگزر کیا، اور ہم نے موسیٰ کو عطا کیا بڑا واضح غلبہ۔“

فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔

**آیت ۱۵۴** ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِثْقَالِهَا وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ”اور ہم نے ان

کے سروں پر معلق کر دیا تھا طور پہاڑ کو جب کہ ان سے عہد لیا جا رہا تھا اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے  
میں داخل ہوں جھک کر“

یعنی جب اریحا (Jericho) شہر تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے اور اس میں داخل ہونے کا مرحلہ آئے تو



اپنے سروں کو جھکا کر عاجزی کے ساتھ داخل ہونا۔

﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ﴾ ”اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا تھا کہ سبت (ہفتے کے دن

کے قانون) میں حد سے تجاوز نہ کرنا“

﴿وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾ ”اور ہم نے ان سے (ان تمام باتوں کے بارے میں)

بڑے گاڑھے قول و قرار لیے تھے۔“

**آیت ۱۵۵** ﴿فِيمَا نَقَضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ﴾ ”تو انہوں نے جو اپنے اس میثاق کو توڑ ڈالا اس کے سبب“

اب ان کے جرائم کی فہرست آرہی ہے اور یوں سمجھئے کہ مبتدأ ہی کی تکرار ہو رہی ہے اور اس میں جو اصل خبر ہے وہ گویا محذوف ہے۔ گویا یہ جملہ یوں ہوگا: فِيمَا نَقَضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ کہ انہوں نے جو اپنے میثاق کو توڑا اور توڑتے رہے ہمارے ساتھ انہوں نے جو بھی وعدے کیے تھے جب ان کا پاس انہوں نے نہ کیا تو ہم نے ان پر لعنت کر دی۔ لیکن یہ ”لَعْنَهُمْ“ اتنی واضح بات تھی کہ اس کو کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، بلکہ ان کے جرائم کی فہرست بیان کر دی گئی۔

﴿وَكُفِّرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ﴾ ”اور ان کے اللہ کی آیات کے انکار اور

انبیاء کو ناحق قتل کرنے (کے سبب سے)“

﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور ان

کے اس طرح کہنے (کی پاداش) میں کہ ہمارے دل تو غلافوں میں بند ہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان (کے دلوں) پر مہر کر دی ہے ان کے کفر کے باعث پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت ہی سزا۔“

**آیت ۱۵۶** ﴿وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ ”اور بسبب ان کے کفر کے اور ان

باتوں کے جو انہوں نے مریم کے خلاف کیس ایک بہت بڑے بہتان کے طور پر۔“

حضرت مریم سلام علیہا پر یہودیوں نے بہتان لگایا کہ انہوں نے (معاذ اللہ) زنا کیا ہے اور مسیحؑ دراصل یوسف نجار کا بیٹا ہے۔ ان کی روایات کے مطابق یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم کی نسبت ہو چکی تھی، لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے مابین تعلق قائم ہو گیا، جس کے نتیجے میں یہ بیٹا پیدا ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت مسیحؑ کو ولد الزنا قرار دیا۔ یہ ہے وہ اتنی بڑی بات جو یہودی کہتے ہیں اور آج بھی اس گمراہ کن نظریے پر مبنی ”Son of Man“ جیسی فلمیں بنا کر امریکہ میں چلاتے ہیں جن میں عیسائیوں کو بتایا جاتا ہے کہ جس مسیح کو تم لوگ Son of God کہتے ہو وہ حقیقت میں son of man ہے۔

**آیت ۱۵۷** ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ﴾ ”اور بسبب ان کے یہ

کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کے رسول کو!“



یعنی اللہ کے رسول کو قتل کر دیا! یہاں یہ ”رَسُولَ اللَّهِ“ کے الفاظ اُن کے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں استعجابیہ نشان (sign of exclamation) کے ساتھ کہ اچھا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے! جبکہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا تو فیصلہ ہے ایک طے شدہ امر ہے اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے: ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ (المجادلة: ۲۱) تو ان کی یہ جرات کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے!

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ ”حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی بلکہ اس کی شبیہ بنا دی گئی ان کے لیے۔“

معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور ایک شخص کی حضرت مسیحؑ جیسی صورت بنا دی گئی ان کے ساتھ مشابہت کر دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے جس کو مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھایا، وہ مسیح نہیں تھا ان کی جگہ کوئی اور تھا۔ انجیل برنباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام ”یہودا اسخریوطی“ (Judas Iscariot) تھا اور وہ آپ کے حواریوں میں سے تھا۔ ویسے اُس کی نیت کچھ اور تھی اُس میں بد نیتی بہر حال نہیں تھی (تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) لیکن چونکہ اُس نے آپ کو گرفتار کرایا تھا، چنانچہ اس گستاخی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیحؑ جیسی بنا دی۔ اس وجہ سے حضرت مسیحؑ کی جگہ وہ پکڑا گیا اور اسے سولی چڑھا دیا گیا۔

﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ﴾ ”اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں وہ یقیناً شکوک و شبہات میں ہیں۔“

انہیں خود پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟  
﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتَّبَاعِ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا﴾ ”اُن کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔“

حضرت مسیحؑ ہرگز قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔  
**آیت ۱۵۸** ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ”بلکہ اللہ نے اُسے اٹھالیا اپنی طرف اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا۔“  
اس واقعہ کی تفصیل انجیل برنباس میں موجود ہے۔

**آیت ۱۵۹** ﴿وَإِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُوْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ؕ﴾ ”اور نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر اُس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل۔“  
یعنی حضرت مسیحؑ فوت نہیں ہوئے زندہ ہیں انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے اور جب آئیں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں رہے گا کہ جو ان پر ایمان نہ لے آئے۔



﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝﴾ ”اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن

کر کھڑا) ہوگا۔“

یہ اسی گواہی کا ذکر ہے جس کی تفصیل ہم آیت ۴۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝﴾ کہ ہر نبی کو اپنی امت کے خلاف گواہی دینی ہے۔ لہذا حضرت مسیح علیہ السلام اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔

**آیت ۱۶۰** ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ ”تو بسبب اُن یہودی بن جانے والوں کی ظالمانہ روش کے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو اصلاً ان کے لیے حلال تھیں“

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم اگر کسی معاملے میں حد سے گزرتی ہے تو سزا کے طور پر اسے حلال چیزوں سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہی اصول بیان ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر حضرت یعقوبؑ نے ذاتی وجوہات کی بنا پر اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور بنی اسرائیل نے اسے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تو اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ حرام نہیں ہے بلکہ اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر تنگی رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر حلال چیزیں بھی اُن پر حرام کر دیں۔

﴿وَبَصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝﴾ ”اور بسبب اس کے کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے (خود رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔“

یہ لوگ اللہ کے راستے سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔

**آیت ۱۶۱** ﴿وَآخِذْهُمْ بِالرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ﴾ ”اور بسبب ان کے سود کھانے کے جبکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا“

شریعتِ موسوی میں سود حرام تھا، آج بھی حرام ہے، لیکن انہوں نے اس حکم کا اپنا ایک من پسند مفہوم نکال لیا، جس کے مطابق یہودیوں کا آپس میں سود کا لین دین تو حرام ہے، کوئی یہودی دوسرے یہودی سے سودی لین دین نہیں کر سکتا، لیکن غیر یہودی سے سود لینا جائز ہے، کیونکہ غیر یہودی ان کے نزدیک Goyims اور Gentiles ہیں، یعنی انسان نما حیوان ہیں، جن سے فائدہ اٹھانا اور ان کا استحصال کرنا ان کا حق ہے۔ ہم سورہ آل عمران (آیت ۷۵) میں یہود کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿كَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ کہ ان اُمیّین کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت ہے ہی نہیں۔ ہم جیسے چاہیں ان سے لوٹ مار کریں، جس طرح چاہیں انہیں دھوکہ دیں، ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لہذا سود کھانے میں اُن کے ہاں عمومی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿وَأَكْثِلَهُمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۝﴾ ”اور بسبب ان کے لوگوں کے مال ناحق ہڑپ



کرنے کے۔“

﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶۱﴾﴾ ”اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے

بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

آیت ۱۶۲ ﴿لَكِنَّ الرِّسْخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ”البتہ جو لوگ ان میں سے پختہ علم

والے ہیں اور اہل ایمان ہیں“

یعنی یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے اہل علم اور راست باز لوگ جنہوں نے تورات کے علم کی بنا پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

﴿يَوْمُنُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”وہ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو (اے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا“

﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”اور وہ نماز

قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخرت

پر بھی“

﴿أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۶۳﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم ضرور اجر عظیم عطا

فرمائیں گے۔“

ان آیات میں ابھی بھی تھوڑی سی گنجائش رکھی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا عنصر اگر اب بھی موجود ہو جو حق کی طرف مائل ہو اب بھی اگر کوئی سلیم الفطرت فرد کہیں کوئے کھدرے میں پڑا ہو تو وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھالے۔ اور اگر اس کان میں ہیرے کا کوئی ٹکڑا کہیں ابھی تک پڑا رہ گیا ہو تو وہ بھی نکل آئے اس سے پہلے کہ آخری دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ابھی آخری دروازہ نہ تو منافقین پر بند کیا گیا ہے اور نہ ہی ان اہل کتاب پر بلکہ لَكِنَّ الرِّسْخُونَ فِي الْعِلْمِ فرما کر ایک دفعہ پھر صلوات عام دے دی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے اب بھی اگر کچھ لوگ مائل بہ حق ہیں تو وہ متوجہ ہو جائیں۔

## آیات ۱۶۳ تا ۱۶۹

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ

وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۗ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ

عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ۗ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى

اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۗ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ



إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ ط وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا  
وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُن  
اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ وَكَانَ  
ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

اس رکوع کے شروع میں انبیاء و رسل ﷺ کے ناموں کا ایک خوبصورت گلدستہ نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں ایسے گلدستے خوبصورتی سے سجائے گئے ہیں۔ یہاں آپ کو پے بہ پے انبیاء و رسل ﷺ کے نام ملیں گے اور پھر ان میں سے بعض کی اضافی شانوں کا ذکر بھی ملے گا۔ اس کے بعد فلسفہ قرآن کے اعتبار سے ایک بہت اہم آیت بھی آئے گی جس میں نبوت کا بنیادی مقصد اور اساسی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔

**آیت ۱۶۳** ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد بہت سے انبیاء پر وحی کی تھی۔“  
﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ﴾ ”اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھی وحی کی“

﴿وَعِيسَىٰ وَيُحْيَىٰ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝﴾ ”اور عیسیٰ، یحییٰ، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤد کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔“  
**آیت ۱۶۴** ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ﴾ ”اور (بھیجے) وہ رسول جن کا ہم اس سے پہلے آپ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں اور ایسے رسول (بھی) جن کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیے۔“

ظاہر ہے پوری دنیا کی تاریخ بیان کرنا تو قرآن مجید کا مقصد نہیں ہے کہ تمام انبیاء و رسل ﷺ کی مکمل فہرست دے دی جاتی۔ یہ تو کتاب ہدایت ہے تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝﴾ ”اور موسیٰ سے تو کلام کیا اللہ نے جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے۔“  
یہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان کا ذکر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ کا یہ مکالمہ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ تھا یعنی پردے کے پیچھے سے البتہ تھا ڈوبدو کلام۔ اب اس کے بعد وہ آیت آرہی ہے جس میں نبوت کا اساسی مقصد بیان ہوا ہے کہ یہ تمام رسول کس لیے بھیجے گئے تھے۔

**آیت ۱۶۵** ﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ ”یہ رسول (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر“

﴿لِيَأْتِيَ النَّاسَ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ﴾ ”تا کہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔“



یہاں پر ایک طرف لِلنَّاسِ کا 'ل' نوٹ کیجئے اور دوسری طرف عَلَى اللّٰهِ کا عَلٰی۔ یہ دونوں حروف متضاد معانی پیدا کر رہے ہیں۔ لِلنَّاسِ کے معنی ہیں لوگوں کے حق میں حجت جبکہ عَلٰی اللّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کے خلاف حجت۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾﴾ "اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔"

اس آیت کے حوالے سے یہاں احتسابِ آخرت کے فلسفے کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ قیامت کے دن ہر کسی کا امتحان ہوگا اور اس امتحان سے نتائج نکلیں گے، کوئی پاس ہوگا اور کوئی فیل۔ لیکن ظاہر ہے امتحان سے پہلے کچھ پڑھایا جانا بھی ضروری ہے، کسی کو جانچنے سے پہلے اسے کچھ دیا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قیامت کے امتحان کے لیے ہمیں کیا پڑھایا گیا ہے؟ اور اس آخری جانچ پڑتال سے پہلے ہمیں کیا کچھ دیا گیا ہے؟ قرآن مجید کے بنیادی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع، بصر اور عقل تین بڑی چیزیں دی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر روح بھی ودیعت کی ہے اور نفسِ انسانی میں خیر اور شر کا علم بھی رکھا ہے۔ ان باتوں کی بنا پر انسان وحیِ الہی کی راہنمائی کے بغیر بھی اللہ کے حضور جواب دہ (accountable) ہے کہ جب اس کی فطرت میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی تھی تو وہ بدی کی طرف کیوں گیا؟ تو گویا اگر کوئی نبی یا رسول نہ بھی آتا، کوئی کتاب نازل نہ بھی ہوتی، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کا محاسبہ ناحق نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ بنیادی چیزیں جو امتحان اور احتساب کے لیے ضروری تھیں وہ اللہ تعالیٰ انسان کو دے چکا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ اس کے علاوہ بھی انسانوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حجت کیا ہے؟ بنیادی حجت تو عقل ہے جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿۳۶﴾﴾ (بنی اسرائیل)

"یقیناً سماعت، بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی"۔ اس کے علاوہ انسانی نفس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز بھی ودیعت کر دی گئی ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿۷﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿۸﴾﴾ (الشمس)

"اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور جیسا کہ اس کو سنوارا۔ پس اس کے اندر نیکی اور بدی کا علم الہام کر دیا"۔ پھر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح بھی پھونکی گئی ہے۔ ان تمام صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنا پر جو اب وہی (accountability) کا جواز برحق ہے۔ کوئی نبی آتا یا نہ آتا، اللہ کی یہ حجت تمام انسانوں پر بہر حال قائم ہے۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ گویا اتمامِ حجت کا اضافی انتظام تھا کہ اللہ نے انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کو چننا، جو بڑے ہی اعلیٰ کردار کے لوگ تھے۔ ان کے دامنِ کردار پر کوئی داغ دھبہ نہیں تھا، ان کی سیرت و اخلاق کھلی کتاب کی مانند ان کی قوموں کے سامنے تھی۔ ان کے پاس اللہ نے اپنی وحی بھیجی اور واضح طور پر بتا دیا کہ انسان کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اس طرح اس نے انسانوں کے لیے اس امتحان کو آسان کر دیا، تاکہ اب کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے، کوئی یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ پروردگار! میں تو بے دین ماحول میں پیدا ہو گیا تھا، وہاں سب کے سب اسی



رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پروردگار! میں تو اپنی دو وقت کی روٹی کے دھندے میں ہی ایسا مصروف رہا کہ مجھے کبھی ہوش ہی نہیں آیا کہ دین و ایمان اور اللہ و آخرت کے بارے میں سوچتا۔ بہر حال رسولوں کے آنے کے بعد حق کھل کر سامنے آجاتا ہے، حق و باطل کے درمیان امتیاز بالکل واضح طور پر قائم ہو جاتا ہے اور لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے محاسبہ کے مقابلے میں پیش کرنے کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ تو یہ ہے اتمام حجت کا فلسفہ اور طریقہ اللہ کی طرف سے۔ رسول اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ وہ کسی کو زبردستی تو ہدایت پر نہیں لاسکتے۔ ہاں جن لوگوں کے اندر احساس جاگ جائے گا وہ رسول کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے، ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ان کے لیے اللہ کے رسول ”مبشر“ ہوں گے، یعنی اللہ کے فضل اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دینے والے: ﴿فَرُوحٌ وَرِيحَانٌ ۚ وَجَنَّتٌ نَعِيمٌ ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعه) کہ ان کے لیے آخرت میں راحت و سرور اور نعمتوں والی جنت ہوگی۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی غلط راستوں پر چلتے رہیں گے، تعصب میں، ضد اور ہٹ دھرمی میں، مفادات کے لالچ میں، اپنی چودھراہٹیں قائم رکھنے کے لالچ میں، ان کے لیے رسول ”نذیر“ ہوں گے۔ یعنی ان کو وہ خبردار کریں گے کہ اب تمہارے لیے بدترین انجام کے طور پر جہنم تیار ہے۔ تو رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہے، یعنی تبشیر اور انذار۔

تبشیر و انذار کے اس فلسفے کو سمجھ لینے کے بعد اب دوبارہ آیت کے الفاظ کو سامنے رکھیے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ ”رسول بھیجے گئے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر“۔ یہ تبشیر اور انذار کس لیے؟ ﴿لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط﴾ ”تا کہ باقی نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت، کوئی عذر، کوئی بہانہ رسولوں کے آنے کے بعد“۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾﴾ ”اور اللہ زبردست ہے، حکیم ہے“۔ وہ عزیز ہے، غالب ہے، زبردست ہے، وہ بغیر رسولوں کے بھی محاسبہ کر سکتا ہے، اس کا اختیار مطلق ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے، اُس نے محاسبہ، اخروی کے لیے یہ مٹی بر حکمت نظام بنایا ہے۔ اس ضمن میں ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ رسالت کا ایک تکمیلی مقصد بھی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر کامل ہوا، اور وہ ہے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ آپ نے دعوت کا آغاز اسی تبشیر اور انذار ہی سے فرمایا، جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۳۵﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿۳۶﴾﴾ ”اے نبی (ﷺ)! یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر“۔ بحیثیت رسول یہ آپ کی رسالت کے بنیادی مقصد کا اظہار ہے، لیکن اس سے بلند تر درجے میں آپ کی رسالت کی تکمیلی حیثیت کا اظہار سورۃ التوبہ آیت ۳۳، سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصف آیت ۹ میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ”وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق دے کر تا کہ وہ اسے غالب کر دے پورے دین پر“۔ تمام انبیاء و رسل ﷺ میں یہ آپ کی امتیازی شان ہے۔ میری کتاب ”نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت“ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔



**آیت ۱۶۶** ﴿لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۱۶۶﴾ ”لیکن اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ اُس نے نازل کیا ہے (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف وہ اُس نے نازل کیا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں اگرچہ اللہ (اکیلا ہی) گواہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔“

**آیت ۱۶۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ۝۱۶۷﴾ ”بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (خود کو بھی اور دوسروں کو بھی) تو یقیناً وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔“

اب آخری رسول کے آجانے کے بعد بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہے اللہ کے راستے سے رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے وہ راہِ حق سے بھٹک کر بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

**آیت ۱۶۸** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝۱۶۸﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم (شرک) کے مرتکب ہوئے اللہ انہیں ہرگز بخشنے والا نہیں ہے اور نہ انہیں کسی راستے کی ہدایت دے گا۔“

**آیت ۱۶۹** ﴿إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۱۶۹﴾ ”سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“

اب ذرا اس آیت کا تقابل کیجیے آیت ۱۴۷ کے ساتھ ﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ.....﴾ ”اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا.....؟“ یقیناً اللہ ایذا پسند (sadist) نہیں ہے اُسے لوگوں کو عذاب دے کر خوشی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ اُس کا ضابطہ اور قانون ہے اسی پر اس نے دنیا بنائی ہے اور اپنے اسی ضابطے اور قانون کے عین مطابق وہ مستحقین کو جزا و سزا دے گا۔ یہ اُس پر کوئی بھاری گزرنے والی بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ہی مخلوق کو سزا دے۔ بعض منگ قسم کے صوفی اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے کیا وہ اپنی ہی مخلوق کو جہنم میں جھونک دے گا؟ یہ تو ایسے ہی ڈراوے کے لیے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے عذاب اور سزا کی باتیں کی گئی ہیں۔ جیسے باپ بچوں کو ڈانٹتا ہے میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا، ماں کہتی ہے میں تیرا قیمہ کر دوں گی۔ تو کیا وہ سچ بچ اپنے بچوں کا قیمہ کر دے گی؟ لہذا یہ تو صرف ڈراوے، حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے خیالات و نظریات گمراہ کن ہیں۔ ماں کے لیے تو اپنے بچے کو بڑے سے بڑے قصور پر بھی آگ میں ڈالنا ممکن نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جہنم کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۱۶۹﴾ اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے، بہت ہلکی بات ہے۔



## آیات ۱۷۰ تا ۱۷۵

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْعُقُبَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۗ إِنَّمَا خَيْرًا لَكُمْ ۗ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۗ سُبْحَانَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۗ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۗ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۗ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ ۗ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ۗ

اب اگلی آیات اس سورۃ کا ”حرف آخر“ ہیں۔

**آیت ۱۷۰** ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۖ﴾ ”اے لوگو! تمہارے پاس آچکا ہے رسولِ حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے، تو اب تم ایمان لے آؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“

بلکہ آخری الفاظ کی صحیح تر ترجمانی یوں ہوگی کہ ”ایمان لے آؤ، اسی میں تمہاری خیریت ہے۔“ اس آیت کے ایک ایک لفظ میں بہت زور اور جلال ہے اور اب بات بالکل دو ٹوک انداز اور حتمی طور پر کی جا رہی ہے کہ اے لوگو! اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی راہنمائی نہیں کی گئی، ہمیں کچھ پتا نہیں تھا، ہم پر بات واضح نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے آخری نبی ﷺ کے آجانے کے بعد تمہارا یہ بہانہ اب ختم ہو گیا۔

﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ﴾ ”اور اگر تم لوگ کفر پر اڑے رہو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے؟) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ علیم بھی ہے، حکیم بھی۔“

آگے اہل کتاب سے جو خطاب ہے اس کے مخاطب خاص طور پر عیسائی ہیں، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی عقیدت و محبت میں حد سے گزر گئے تھے۔



**آیت ۱۱۱** ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ط﴾ ”اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو (مبالغہ) نہ کرو اور اللہ کی طرف کوئی شے منسوب نہ کرو سوائے اس کے جو حق ہو۔“

تم آپس کے معاملات میں تو جھوٹ بولتے ہی ہو، مگر اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا، جھوٹ بول کر اللہ پر اسے تھوپنا کہ اللہ کا یہ حکم ہے اللہ نے یوں کہا ہے یہ تو وہی بات ہوئی: بازی بازی باریش بابا ہم بازی! ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ﴾ ”دیکھو مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس اللہ کے رسول تھے“

وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک رسول تھے اور بس! الوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ ”اور وہ اُس کا ایک کلمہ تھے جو اُس نے القا کیا مریم پر اور ایک روح تھے اُس کی طرف سے“

یعنی حضرت مریم کے رحم میں جو حمل ہوا تھا وہ اللہ کے کلمہ کُن کے طفیل ہوا۔ بچے کی پیدائش کے طبعی عمل میں ایک حصہ باپ کا ہوتا ہے اور ایک ماں کا۔ اب حضرت مسیح کی ولادت میں ماں کا حصہ تو پورا موجود ہے۔ حضرت مریم کو حمل ہوا، نو مہینے آپ رحم میں رہے، لیکن یہاں باپ والا حصہ بالکل نہیں ہے اور باپ کے بغیر ہی آپ کی پیدائش ممکن ہوئی۔ ایسے معاملات میں جہاں اللہ کی مشیت سے ایک لگے بندھے طبعی عمل میں سے اگر کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی ہے تو وہاں پر اللہ کا مخصوص امر کلمہ کُن کی صورت میں کفایت کرتا ہے۔ یہاں پر اللہ کے ”کلمہ“ کا یہی مفہوم ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کو رُوحٌ مِّنْهُ“ قرار دینے کا تعلق ہے تو اگرچہ سب انسانوں کی روح اللہ ہی کی طرف سے ہے، لیکن ظاہر ہے تمام روحمیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ذرا تصور کریں روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کیا ہوگی! روحِ محمدی کو عام طور پر ہمارے علماء ”نورِ محمدی“ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ روح ایک نورانی شے ہے۔ ملائکہ بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور انسانی ارواح بھی نور سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن سب انسانوں کی ارواح برابر نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔

﴿فَامِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ط وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ط﴾ ”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور تثلیث (تین خداؤں) کا دعویٰ مت کرو۔“

﴿إِنَّتَهُوَ خَيْرٌأَلَيْكُمْ ط﴾ ”باز آ جاؤ اسی میں تمہاری بہتری (خیریت) ہے۔“  
یہ مت کہو کہ الوہیت تین میں ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کا عقیدہ مت گھڑو۔



﴿إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ”جان لو کہ اللہ تو بس ایک ہی الہ واحد

ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو۔“

﴿لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ ”آسمانوں اور زمین میں جو

کچھ ہے سب کچھ اُسی کا ہے اور اللہ کافی ہے بطور کارساز۔“

**آیت ۱۷۱** ﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ ”مسح کو تو اس

میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے کہ وہ بنے اللہ کا بندہ اور نہ ہی ملائکہ مقربین کو اس میں کوئی عار ہے (کہ انہیں اللہ

کا بندہ سمجھا جائے)۔“

مسح علیہ السلام کو تو اللہ کا بندہ ہونے میں یقیناً فخر محسوس ہوگا۔ جیسے ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں:

وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ”اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول

ہیں۔“ تو عبدیت کی شان تو بہت بلند و بالا ہے رسالت سے بھی اعلیٰ اور ارفع۔ (یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جس کی

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔) چنانچہ حضرت مسح کے لیے یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾ ”اور جو کوئی بھی عار

سمجھے گا اُس کی بندگی میں اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔“

**آیت ۱۷۳** ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ

فَضْلِهِ﴾ ”پس جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا پورا

اجر بھی دے گا اور انہیں مزید بھی دے گا اپنے خاص فضل میں سے۔“

ایسے لوگوں کو ان کے اجر کے علاوہ بونس بھی ملے گا۔ جیسے آپ کسی کام کرنے والے کو اچھا کام کرنے پر

اجرت کے علاوہ انعام (tip) بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ فضل سے انہیں ان کے مقررہ اجر سے

بڑھ کر نوازے گا۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اور جنہوں نے (عبدیت

کے اندر) عار محسوس کی تھی اور تکبر کیا تھا تو ان کو وہ دردناک عذاب دے گا۔“

﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ ”اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ

کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“

**آیت ۱۷۴** ﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس

ایک برہان تمہارے رب کی طرف سے۔“

یہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ تعارف قرآن کے دوران ذکر ہو چکا ہے کہ

کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم مل کر بَيِّنَاتٍ بنتے ہیں جیسا کہ سورۃ البینہ (آیات ۱ تا ۳) میں ارشاد ہوا ہے۔ آیت



زیر مطالعہ میں اسی بیٹہ کو بُرہان کہا گیا ہے۔

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا﴾ اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کر دیا ہے۔“

یہاں چونکہ نور کے ساتھ لفظ انزال آیا ہے اس لیے اس سے مراد لازماً قرآن مجید ہی ہے۔

**آیت ۵۵** ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ﴾ ”پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اُس

کے ساتھ چمٹ جائیں گے“

یکسو ہو جائیں گے، خالص اللہ والے بن جائیں گے، مذہب نہیں رہیں گے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر بلکہ پوری

طرح سے یکسو ہو کر اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے۔

﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمًا﴾ ”تو انہیں وہ

داخل کرے گا اپنی رحمت اور اپنے فضل میں اور انہیں ہدایت دے گا اپنی طرف صراطِ مستقیم کی۔“

یعنی انہیں سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنے کی توفیق بخشنے گا اور سب سے سچ، رفتہ رفتہ انہیں اپنے خاص فضل

و کرم اور جو رحمت میں لے آئے گا۔

## آیت ۱۷۶

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ۗ ط إِنَّ أَمْرُؤَآ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَوَلَةٌ أُخْتٌ فَلَهَا

نِصْفُ مَا تَرَكَ ۗ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۗ ط فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا

تَرَكَ ۗ ط وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۗ ط يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ

تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۗ

۲۴۵

اس آخری آیت میں پھر ایک استثناء ہے۔ آیت ۱۲ میں قانونِ وراثت کے ضمن میں ایک لفظ آیا تھا

کلالہ، یعنی وہ مرد یا عورت جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اس کے بارے میں بتایا

گیا تھا کہ اگر اُس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی وراثت کا حکم یہ ہے۔ لیکن وہ حکم لوگوں پر واضح نہیں ہو سکا تھا۔ لہذا

یہاں اس حکم کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ آیت ۱۲ کے حکم کو صرف اخیانی بہن بھائیوں کے ساتھ مخصوص مان لینے

کے بعد اس توضیحی حکم میں کلالہ کی وراثت کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔

**آیت ۱۷۶** ﴿يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ۗ ط﴾ ”(اے نبی ﷺ) یہ آپ سے فتویٰ مانگ

رہے ہیں۔ کہو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دے رہا ہے۔“

﴿إِنَّ أَمْرُؤَآ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَوَلَةٌ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۗ﴾ ”اگر کوئی شخص فوت ہو گیا

اور اس کی کوئی اولاد نہیں (اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کی صرف ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس کے

ترکے میں سے نصف ہے۔“



ایسی صورت میں اس کی بہن ایسے ہی ہے جیسے ایک بیٹی ہو تو اسے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔  
 ﴿وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ط﴾ ”اور وہ مرد (بھائی) اس (بہن) کا مکمل وارث ہوگا اگر  
 اس (بہن) کی کوئی اولاد نہیں۔“

یعنی اگر کلاہ عورت تھی جس کی کوئی اولاد نہیں، کوئی والدین نہیں تو اس کا وارث اس کا بھائی بن جائے گا،  
 اس کی پوری وراثت اس کے بھائی کو چلی جائے گی۔

﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَ ط﴾ ”پھر اگر دو (یادو سے زیادہ) بہنیں ہوں تو وہ  
 ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔“

﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ط﴾ ”اور اگر کئی بہن بھائی  
 ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔“

یعنی بھائی کو بہن سے دو گنا ملے گا۔ البتہ یہ بات اہم ہے کہ آیت ۱۲ میں جو حکم دیا گیا تھا وہ اخیافی بہن  
 بھائیوں کے بارے میں تھا۔ یعنی ایسے بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اُس زمانے  
 کے عرب معاشرے میں تعددِ ازواج کے عام رواج کی وجہ سے ایسے مسائل معمولات کا حصہ تھے۔ باقی عینی  
 یا علاتی بہن بھائیوں (جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں یا مائیں الگ الگ ہوں اور باپ ایک ہی ہو) کا وہی  
 عام قانون ہوگا جو بیٹے اور بیٹی کا ہے۔ جس نسبت سے بیٹے اور بیٹی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے ایسے ہی ان بہن  
 بھائیوں میں تقسیم ہوگی۔

﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾﴾ ”اللہ واضح کیے دیتا ہے تمہارے  
 لیے مبادا کہ تم گمراہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

تعارفِ قرآن کے دوران میں نے بتایا تھا کہ قرآن حکیم کی ایک تقسیم سات احزاب یا منزلوں کی ہے۔  
 اس اعتبار سے سورۃ النساء پر پہلی منزل ختم ہوگئی ہے۔ فالحمد لله على ذلك!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم. ونفَعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم 00



بَيَانُ الْقُرْآنِ  
سُورَةُ الْبَايَدَةِ  
(٥)



# سُورَةُ الْمَائِدَةِ

## تمہیدی کلمات

سورۃ المائدۃ سے قرآن مجید کی دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے، لیکن قرآن حکیم کے نگی اور مدنی سورتوں کے جو گروپس ہیں، ان کے اعتبار سے پہلا گروپ ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ سورۃ المائدۃ اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ ان گروپس کی تفصیل قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔ ان میں سے پہلا گروپ ایک ہی سورۃ (الفاتحہ) اور چار مدنی سورتوں (البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدۃ) پر مشتمل ہے۔ مضامین کی مماثلت کے اعتبار سے سورۃ المائدۃ کا ”جوڑا“ سورۃ النساء کے ساتھ بنتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کا اسلوب بھی کافی حد تک آپس میں ملتا جلتا ہے۔ اس گروپ کی مدنی سورتوں (البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدۃ) کے بنیادی موضوعات دو ہیں، یعنی اہل کتاب پر اتمام حجت اور احکام شریعت اسلامی۔ ان سورتوں میں ان دونوں موضوعات کا ایک تسلسل ہے جو قدرتی سبباً آگے بڑھتا نظر آتا ہے۔ لہذا شریعت اسلامی کا جو ابتدائی خاکہ ہمیں سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے اور پھر سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء میں اس کے خدوخال مزید واضح ہوئے ہیں، یہاں سورۃ المائدۃ میں آ کر یہ تکمیلی رنگ اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی بلند ترین (حکومتی) سطح کے احکام بھی ہمیں اس سورۃ میں ملتے ہیں۔ اسی طرح اہل کتاب سے جس خطاب کی ابتدا سورۃ البقرۃ میں ہوئی تھی، یہاں آ کر وہ بھی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ سے ہوا تھا، جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے

الفاظ سے ہو رہا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

## آیات اتا ۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ  
مُحَلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ  
وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ  
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۖ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ  
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۖ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ  
وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ  
الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلِكَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ  
السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۖ وَمَا ذَبَحَ عَلَى النَّصْبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۖ ذَلِكُمْ فِسْقٌ ۖ  
الْيَوْمَ يَبْسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۖ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ  
وَأَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ  
مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۖ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ  
الطَّيِّبَاتُ ۖ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا  
أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ الْيَوْمَ  
أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ۖ  
وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا  
أَتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ فَحُصْنَيْنِ غَيْرِ مُسْفِحِينَ وَلَا مَخْذِي أَخْدَانٍ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۖ

**آیت** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ﴾ ”اے اہل ایمان! اپنے عہد و پیمان (قول و قرار) کو پورا کیا کرو۔“

عقدہ گرہ کو کہتے ہیں جس میں مضبوطی سے بندھنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہذا ”عُقُود“ سے مراد وہ معاہدے ہیں جو باقاعدہ طے پا گئے ہوں۔ معاہدوں اور قول و قرار کی اہمیت یوں سمجھ لیجیے کہ ہماری پوری کی پوری سماجی و معاشرتی زندگی قائم ہی معاہدوں پر ہے۔ معاشرتی زندگی کا بنیادی یونٹ ایک خاندان ہے جس کی بنیاد



ایک معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ شادی کیا ہے؟ مرد اور عورت کے درمیان ایک ساتھ زندگی گزارنے کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انسانی معاشرے کی بلند و بالا عمارت کی بنیادی اینٹ رکھی جاتی ہے۔ اس معاہدے کے مطابق فریقین کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض۔ ایک طرف بیوی کے حقوق و فرائض ہیں اور دوسری طرف شوہر کے حقوق و فرائض۔ بڑے بڑے کاروبار بھی معاہدوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آجر اور مستاجر کا تعلق بھی ایک معاہدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح کاروبار حکومت، حکومتی اداروں میں عہدے اور مناصب، چھوٹے بڑے اہلکاروں کی ذمہ داریاں ان کی مراعات اور اختیارات وغیرہ کا معاملہ ہے۔ گویا تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست سمت پر چل سکتے ہیں اور وہ حکم ہے ”أَوْفُوا بِالْعُقُودِ“۔

﴿أَحَلَّتْ لَكُمْ بِهِمَةَ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ ”تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں مویشی قسم کے تمام حیوانات سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جا رہے ہیں“

جن کا حکم آگے چل کر تمہیں بتایا جائے گا، یعنی خنزیر، مردار وغیرہ حرام ہیں۔ باقی جو مویشی قسم کے جانور ہیں، وحوش نہیں (مثلاً شیر، چیتا وغیرہ وحشی ہیں) وہ حلال ہیں، جیسے ہرن، نیل گائے اور اس طرح کے جانور جو عام طور پر گوشت خور نہیں ہیں بلکہ سبزے پران کا گزارا ہے، ان کا گوشت تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ البتہ استثنائی صورتوں کی تفصیل بعد میں تمہیں بتادی جائے گی۔

﴿غَيْرَ مُجْلَى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ ”نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو جبکہ تم حالت احرام میں ہو۔“

یعنی اگر تم نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا ہوا ہے تو تم اس حالت میں ان حلال جانوروں کا بھی شکار نہیں کر سکتے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ ۱ ﴿ ”بے شک اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔“

یہ اللہ کا اختیار ہے، وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

**آیت ۲** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ﴾ ”اے اہل ایمان! مت

بے حرمتی کرو اللہ کے شعائر کی اور نہ حرمت والے مہینے کی“

یعنی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنی خواہش کے مطابق حلال مت کر لیا کرو۔

﴿وَلَا الْهَدْيَ﴾ ”اور نہ ہدی کے جانوروں کی (بے حرمتی کرو)“

یعنی قربانی کے وہ جانور جو حج یا عمرے پر جاتے ہوئے لوگ ساتھ لے کر جاتے تھے۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ حج یا عمرے پر جاتے وقت قربانی کے جانور ساتھ لے کر جاتے تھے۔ یہاں ان جانوروں کی بے حرمتی کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔

﴿وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ ”اور نہ (اُن جانوروں کی بے حرمتی ہونے پائے) جن کی گردنوں میں پٹے

ڈال دیے گئے ہوں“

یہ پٹے (قلادے) علامت کے طور پر ڈال دیے جاتے تھے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کعبے کی طرف



جار ہے ہیں۔

﴿وَلَا آمِنِينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ ”اور نہ عازمینِ بیتِ الحرام (کی عزت و احترام میں فرق آنے پائے)“  
یعنی وہ لوگ جو بیتِ الحرام کی طرف جار ہے ہوں حج یا عمرے کا قصد کر کے سفر کر رہے ہوں اب ان کی بھی اللہ کے گھر کے ساتھ ایک نسبت ہو گئی ہے وہ اللہ کے گھر کے مسافر ہیں جیسا کہ اہلِ عرب حجاجِ کرام کو کہتے ہیں: مَرْحَبًا بِضُيُوفِ الرَّحْمَنِ ”مرحبا ان لوگوں کو جو رحمن کے مہمان ہیں“۔ یعنی تمام حجاجِ کرام اصل میں اللہ کے مہمان ہیں اللہ ان تمام زائرینِ کعبہ کا میزبان ہے۔ تو اللہ کے ان تمام مہمانوں کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

﴿يَتَّغُونَ فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ وِرِضْوَانًا﴾ ”وہ طلب گار ہیں اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے۔“

یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں مکانِ محترم (کعبہ) کی طرف جار ہے ہیں۔

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ ”ہاں جب تم حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو پھر تم شکار کرو۔“  
حلال ہو جانا ایک اصطلاح ہے یعنی احرام کھول دینا، حالتِ احرام سے باہر آ جانا۔ اب تمہیں شکار کی آزادی ہے اس پر پابندی صرف احرام کی حالت میں تھی۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ ”اور تمہیں آمادہ نہ کر دے کسی قوم کی دشمنی“

﴿أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”کہ انہوں نے روکے رکھا تمہیں مسجدِ حرام سے“

﴿أَنْ تَعْتَدُوا﴾ ”کہ (تم بھی ان پر) زیادتی کرنے لگو۔“

یعنی جیسے اہلِ مکہ نے تم لوگوں کو چھ سات برس تک حج و عمرہ سے روکے رکھا اب کہیں اس کے جواب میں تم لوگ بھی ان پر زیادتی نہ کرنا۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ ”اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو“

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ”اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو“

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے

میں بہت سخت ہے۔“

دیکھئے یہ انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ النساء کا تھا وہی معاشرتی معاملات اور ان کے بارے میں بنیادی اصول بیان ہو رہے ہیں۔ اب آر ہے ہیں وہ استثنائی احکام جن کا ذکر آغازِ سورۃ میں إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ کے الفاظ میں ہوا ہے۔ کھانے پینے کے لیے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کا ذکر یہاں آخری مرتبہ آ رہا ہے اور وہ بھی بہت وضاحت کے ساتھ:



**آیت ۳** ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ ”حرام کیا گیا تم پر مردار“

وہ جانور جو خود اپنی موت مر گیا ہو وہ حرام ہے۔

﴿وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ﴾ ”اور خون اور خنزیر کا گوشت“

﴿وَمَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ ”اور جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کسی اور کا نام“

یعنی وہ جانور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نامزد ہے اور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو

ذبح کیا جا رہا ہے۔

﴿وَالْمُنْحِقَةُ﴾ ”اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو“

﴿وَالْمَوْقُوذَةُ﴾ ”اور چوٹ لگنے سے جس جانور کی موت واقع ہو گئی ہو“

﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ ”اور جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہو“

﴿وَالنَّطِيحَةُ﴾ ”اور جو جانور کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے ہلاک ہو گیا ہو“

﴿وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ﴾ ”اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے“

یعنی ”الْمَيْتَةُ“ کی یہ پانچ قسمیں ہیں۔ کوئی جانور ان میں سے کسی سبب سے مر گیا ذبح ہونے کی نوبت نہیں

آئی اس کے جسم سے خون نکلنے کا امکان نہ رہا بلکہ خون اس کے جسم کے اندر ہی جم گیا اور اس کے گوشت کا حصہ بن گیا تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ”مگر یہ کہ جسے تم (زندہ پا کر) ذبح کر لو۔“

یعنی مذکورہ بالا اقسام میں سے جو جانور ابھی مرانہ ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً

شیر نے ہرن کا شکار کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہرن مرتا شیر نے کسی سبب سے اسے چھوڑ دیا۔ اس حالت میں اگر

اسے ذبح کر لیا گیا اور اس میں سے خون بھی نکلا تو وہ حلال جانا جائے گا۔ جہاں جہاں شیر کا منہ لگا ہو وہ حصہ کاٹ

کر پھینک دیا جائے تو باقی گوشت کھانا جائز ہے۔

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ﴾ ”اور وہ جانور جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو“

یعنی کسی خاص آستانے پر خواہ وہ کسی ولی اللہ کا مزار ہو یا دیوتا دیوی کا کوئی استھان ہو ایسی جگہوں پر جا کر

ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے۔

﴿وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ ”اور یہ کہ جوئے کے تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرو۔“

یہ بھی جوئے کی ایک قسم تھی۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ قربانی کے بعد گوشت کے ڈھیر لگا دیتے تھے

اور تیروں کے ذریعے گوشت پر جو اٹھتے تھے۔

﴿ذَلِكُمْ فَسْقُ﴾ ”یہ تمام گناہ کے کام ہیں۔“

﴿الْيَوْمَ يَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ﴾ ”اب یہ کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں“



یعنی یہ لوگ اب یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ اللہ کا دین غالب ہو چاہتا ہے اور اس کا راستہ روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، سورۃ المائدۃ نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب عرب میں اسلام کے غلبہ کے آثار صاف نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ ”تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔“

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل

کر دیا ہے“

﴿وَأَتَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ ”اور تم پر اتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا“

﴿وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت

دین کے۔“

میرے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین ہمیشہ ہمیش کے لیے صرف اسلام ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ﴾ ”لیکن جو شخص بھوک میں مضطر ہو جائے (اور کوئی حرام شے

کھالے)“

اگر کسی انسان پر شدید فاقہ کی کیفیت ہو، بھوک سے اس کی جان نکل رہی ہو تو وہ ان حرام کردہ چیزوں میں

سے جان بچانے کے بقدر کھا سکتا ہے۔

﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ﴾ ”(بشرطیکہ) اس کا گناہ کی طرف کوئی رجحان نہ ہو“

نیت میں کوئی فتور نہ ہو، بلکہ حقیقت میں جان پر بنی ہو اور دل میں نافرمانی کا کوئی خیال نہ ہو۔

﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

**آیت ۴** ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے

لیے کیا کیا حلال ہے؟“

﴿قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ﴾ ”آپ (ﷺ) بتائیں کہ تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں

حلال کر دی گئیں ہیں“

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ﴾ ”اور یہ جو تم سدھاتے ہو

شکاری جانوروں کو پھر چھوڑتے ہو ان کو شکار کے لیے، انہیں تم نے سکھایا ہے اس میں سے جو اللہ نے تمہیں

سکھایا ہے“

﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ”تو تم ان کے اُس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے

روکے رکھیں“

﴿وَأَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ ”اور اس پر اللہ کا نام لے لو۔“



﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ”یقیناً اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔“

اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔

**آیت ۵** ﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ﴾ ”آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔“

یہ وہی الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ..... والا انداز ہے۔

یعنی اس سے پہلے اگر مختلف مذاہب کے احکام کی وجہ سے یہود کی شریعت یا حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر اگر کچھ رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں یا معاشرے میں رائج مشرکانہ رسومات و اوہام کی وجہ سے تمہارے ذہنوں میں کچھ الجھنیں تھیں تو آج ان سب کو صاف کیا جا رہا ہے اور آج تمہارے لیے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ ”اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“

لیکن یہ صرف اُس صورت میں ہے کہ وہ کھانا اصلاً بھی حلال ہو، کیونکہ اگر ایک عیسائی سور کھا رہا ہوگا تو وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہوگا۔ اس کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے، دو بنیادی شرائط کے ساتھ: ایک یہ کہ جانور حلال ہو اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ﴾ ”اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے۔“

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ ”اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہل ایمان میں سے

خاندانی عورتیں“

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ”اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو

تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی“

یعنی مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

﴿إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ ”جب کہ تم انہیں ادا کرو اور ان کے مہر“

﴿مُحْصِنِينَ﴾ ”قید نکاح میں لا کر ان کے محافظ بنتے ہوئے“

نیت یہ ہو کہ تم نے ان کو اپنے گھر میں بسانا ہے، مستقل طور پر ایک خاندان کی بنیاد رکھنی ہے۔

﴿غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ ”نہ کہ آزاد شہوت رانی کے لیے“

﴿وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾ ”اور نہ ہی چوری چھپے آشنائی کرنے کے لیے۔“

بلکہ معروف طریقے سے علی الاعلان نکاح کر کے تم انہیں اپنے گھروں میں آباد کرو اور ان کے محافظ بنو۔ اس ضمن میں یہاں بعض اشکالات کا رفع کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک شریعت اسلامی کا حکم ہے تو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکی ہے، اب اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ قانون اپنی جگہ قائم ہے اور



قائم رہے گا۔ یہ تو ہے اس کا جواز، لیکن اگر آج اس کے خلاف کسی کو کوئی مصلحت نظر آتی ہے تو وہ اپنی جگہ درست ہو سکتی ہے، بہر حال اس کے باوجود قانون کو بدلا نہیں جاسکتا۔ البتہ ایک خالص اسلامی ریاست کے تحت حالات کی سنگینی کے پیش نظر کچھ عرصے کے لیے کسی ایسی اجازت یا حکم کو موقوف کیا جاسکتا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانے میں قحط کے سبب قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو موقوف کر دیا تھا۔ اس طرح کسی قانون میں اسلامی حکومت کے کسی عارضی انتظامی حکم (Executive Order) کے ذریعے سے کوئی عارضی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ مزید برآں اس اجازت کے پس منظر میں جو فلسفہ اور حکمت ہے اس کی اصل روح کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ اجازت صرف مسلمان مردوں کو دی گئی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں، مسلمان عورت عیسائی یا یہودی مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورت پر غالب ہوتا ہے، لہذا امکان غالب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام کی طرف راغب کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں یہ بات مسلمہ تھی کہ اولاد مرد کی ہے اور مرد کے غالب اور فعال ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ایسے میاں بیوی کی اولاد عیسائی یا یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہوگی۔ اُس وقت ویسے بھی مسلمانوں کا غلبہ تھا اور یہودی اور عیسائی ان کے تابع ہو چکے تھے۔ آج کل حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج عیسائی اور یہودی غالب ہیں، جبکہ مسلمان انتہائی مغلوب۔ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں عورتوں کا غلبہ ہے۔ لہذا موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی شادیاں نہ ہوں، لیکن بہر حال ان کو حرام نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس کے جواز کا واضح حکم موجود ہے۔ ہاں اگر کوئی اسلامی ریاست کہیں قائم ہو جائے تو وہ عارضی طور پر (جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ آجائے) اس اجازت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ ”تو جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کیا اُس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے“

اس میں اشارہ اہل کتاب کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تھے تب تک وہ اہل ایمان تھے لیکن اب اگر وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لارہے تو گویا وہ کفر کر رہے ہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان کا مدعی ہو کر کافرانہ حرکتیں کرے تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝﴾ ”اور آخرت میں وہ ہوگا خسارہ اٹھانے والوں میں۔“

## آیات ۶ تا ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ  
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ  
مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءِ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً



فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ط مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ  
 مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ  
 اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۝ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۝ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
 شَنَاةُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۝ وَإِعْدِلُوا ۝ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۝ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۝ أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
 إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ  
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

**آیت ۶** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ ”اے اہل ایمان! جب تم کھڑے ہو نماز

کے لیے“

یعنی جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو۔

﴿فَاغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ ”تو دھولیا کرو اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ

بھی کہنیوں تک“

﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ ”اور اپنے سروں پر مسح کر لیا کرو“

﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ط﴾ ”اور (دھولیا کرو) اپنے دونوں پاؤں بھی ٹخنوں تک۔“

یہاں پر واضح رہے کہ اَرْجُلِكُمْ اور اَرْجُلِكُمْ دونوں قراءتیں مستند ہیں، لہذا اہل تشیع اس کو  
 مستقلاً اَرْجُلِكُمْ پڑھتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک اس میں پاؤں پر مسح کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ ﴿وَامْسَحُوا  
 بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ﴾ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ”اور مسح کر لیا کرو اپنے سروں پر بھی اور اپنے پاؤں پر  
 بھی“۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ اَرْجُلِكُمْ ہے اور اِلَى الْكَعْبَيْنِ کے اضافے سے یہاں پاؤں کو دھونے کا  
 حکم بالکل واضح ہو گیا ہے۔ اگر صرف مسح کرنا مطلوب ہوتا تو اس میں کوئی حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔  
 لہذا اِلَى الْكَعْبَيْنِ کی شرط سے یہ نکلنا ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ کے بالکل مساوی  
 ہو گیا ہے۔ جیسے ہاتھوں کا دھونا ہے کہنیوں تک، ایسے ہی پاؤں کا دھونا ہے ٹخنوں تک۔ اس حکم میں وضو کے فرائض  
 بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ط﴾ ”اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو پھر تم اور زیادہ پاکی حاصل کرو۔“

یعنی پورے جسم کا غسل کرو۔ جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا



جائز نہیں۔

﴿وَأَنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو“  
 ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ ”یا تم میں سے کوئی کسی نشیبی جگہ سے ہو کر آئے“  
 یہ استعارہ ہے قضائے حاجت کے لیے۔ عام طور پر لوگ قضائے حاجت کے لیے نشیبی جگہوں پر جاتے تھے۔  
 ﴿أَوْ لِمَسْتُمْ النِّسَاءَ﴾ ”یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو“  
 ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ ”اور تمہیں پانی دستیاب نہ ہو“  
 ﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ ”تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا“  
 یعنی پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ ”تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو مل لو۔“  
 ﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ ”اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے“  
 ﴿وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ ”بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے“  
 ﴿وَلِيَتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔“

**آیت کے** ﴿وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ﴾ ”اور اللہ نے تمہیں جو اپنی نعمت عطا کی ہے اس کو یاد رکھو اور اس معاہدے کو بھی جو اس نے تم سے باندھ لیا ہے (یا جس میں اس نے تمہیں باندھ لیا ہے)“

ایک میثاق وہ تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اب ایک میثاق یہ ہے جو اہل ایمان سے ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ شروع ہوئی تھی یٰٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے، یعنی اس کے آغاز میں اہل ایمان سے خطاب ہے لہذا اس میثاق میں بھی اہل ایمان ہی مخاطب ہیں۔

﴿إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ ”جب تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔“  
 سورۃ البقرۃ کی آخری آیت سے پہلے والی آیت میں اہل ایمان کا یہ اقرار موجود ہے: ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾  
 غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۸۵﴾۔ اب جو مسلمان بھی سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہتا ہے وہ گویا ایک میثاق اور ایک بہت مضبوط معاہدے کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندھ جاتا ہے۔ یعنی اب اُسے اللہ کی شریعت کی پابندی کرنی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔“

**آیت ۸** ﴿يٰٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو“



اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ“

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں الفاظ کی ترتیب عکسی ہے (دونوں سورتوں کی نسبت زوجیت بھی مد نظر رہے)۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ اور یہاں الفاظ ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾۔ اس سے ایک نکتہ تو یہ معلوم ہوا کہ گویا ”اللہ“ اور ”قسط“ مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ”قسط کے لیے کھڑے ہو جاؤ“ اور دوسری جگہ فرمایا جا رہا ہے: ”اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ“۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ کے گواہ بن جانے اور دوسری جگہ قسط کے گواہ بننے کا حکم ہے۔ تو گویا ان دونوں آیات میں ”اللہ“ اور ”قسط“ کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیت سے ہمارے سامنے یہ آرہا ہے کہ معاشرے میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ انسان فطرتاً انصاف پسند ہے۔ انصاف عام انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ آج پوری نوع انسانی انصاف کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انصاف ہی کے لیے انسان نے بادشاہت سے نجات حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا تا کہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو، انصاف میسر آئے، مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لیے اُس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس کی منتظر تھی۔ گویا ”رُست از یک بندتا اُفتاد در بندے دگر“ یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔ اب انسان عدل اور انصاف حاصل کرنے کے لیے آخر کہاں جائے؟ کیا کرے؟ یہاں پر ایک روشنی تو انسان کو اپنی فطرت کے اندر سے ملتی ہے کہ اس کی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے، مگر اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ ”العدل“ اللہ کی ذات ہے جس کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ نظام ہے۔ ہم اُس کے بندے ہیں، اُس کے وفادار ہیں، لہذا اُس کے نظام کو قائم کرنا ہمارے ذمے ہے، ہم پر فرض ہے۔ چنانچہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ میں اسی بلند تر منزل کا ذکر ہے کہ اے اہل ایمان! یہ صرف فطرت انسانی ہی کا تقاضا نہیں بلکہ تمہاری عبدیت کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری وفاداری کے رشتے کا تقاضا ہے کہ تم پوری قوت کے ساتھ اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ جو بھی اسباب و ذرائع تمہیں میسر ہوں ان سب کو جمع کر کے کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے! اور اللہ کے دین میں جو تصور ہے عدل، انصاف اور قسط کا اُس عدل و انصاف اور قسط کو قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے اس حکم کا تقاضا۔

اب دیکھئے وہاں (سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں) فرمایا گیا ہے: ”اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ واسطے کے گواہ بن جاؤ“۔ ﴿وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ ”اگرچہ اس کی



(تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی) زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔“

انصاف سے روکنے والے عوامل میں سے ایک اہم عامل مثبت تعلق یعنی محبت ہے۔ اپنی ذات سے محبت والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کی محبت انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ میں اپنے خلاف کیسے فتویٰ دے دوں؟ اپنے ہی والدین کے خلاف کیونکر فیصلہ سنا دوں؟ سچی گواہی دے کر اپنے عزیز رشتہ دار کو کیسے پھانسی چڑھا دوں؟ لہذا ”وَلَوْ عَلَيَّ اَنْفُسِكُمْ.....“ فرما کر اس نوعیت کی تمام عصبیتوں کی جڑ کاٹ دی گئی کہ بات اگر حق کی ہے انصاف کی ہے تو پھر خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جا رہی ہو تمہارے والدین پر ہی اس کی زد کیوں نہ پڑ رہی ہو تمہارے عزیز رشتہ دار ہی اس کی کاٹ کے شکار کیوں نہ ہو رہے ہوں اس کا اظہار بغیر کسی مصلحت کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا عامل منفی تعلق ہے یعنی کسی فرد یا گروہ کی دشمنی جس کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے پہلو تہی کر جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ بات تو حق کی ہے مگر ہے تو وہ میرا دشمن لہذا اپنے دشمن کے حق میں آخر کیسے فیصلہ دے دوں؟ آیت زیر نظر میں اس عامل کو بیان کرتے ہوئے دشمنی کی بنا پر بھی کتمان حق سے منع کر دیا گیا:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط﴾ ”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے منحرف ہو جاؤ۔“

﴿اِعْدِلُوْا ق﴾ ”عدل سے کام لو“

﴿هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ ”یہی قریب تر ہے تقویٰ کے“

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کر رہے

ہو اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے۔“

تمہارا کوئی عمل اور کوئی قول اس کے علم سے خارج نہیں لہذا ہر وقت چوکس رہو چوکے رہو۔ (آیت زیر نظر اور سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے معانی و مفہوم کا باہمی ربط اور الفاظ کی عکسی اور reciprocal ترتیب کا حسن لائق توجہ ہے۔)

**آیت ۹** ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹﴾ ”اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجر عظیم بھی۔“

**آیت ۱۰** ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكٰذَبُوْا بِآٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰﴾ ”اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔“

**آیت ۱۱** ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلٰيْكُمْ اِذْ هُمْ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ



﴿أَيْدِيَهُمْ﴾ ”اے اہل ایمان! ذرا یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر کیا جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ تمہارے خلاف اپنے ہاتھ بڑھائیں“

﴿فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا تم سے۔“

یہ غزوہ احزاب کے بعد کے حالات پر تبصرہ ہے۔ اس غزوہ کے بعد ابھی کفار میں سے بہت سے لوگ پیچ و تاب کھا رہے تھے اور بعید نہیں تھا کہ وہ دوبارہم جوئی کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ دوبارہ لشکر کشی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس صورت حال کا ذکر اللہ تعالیٰ یہاں اپنے انعام کے طور پر کر رہے ہیں۔ اس میں خاص طور پر صلح حدیبیہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت بھی قریش لڑائی کے لیے بیتاب ہو رہے تھے ان کے نوجوانوں کا خون کھول رہا تھا، لیکن بالآخر انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ اب ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھنے سے روک دیا۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ١١﴾ ”اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اہل

ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔“

## آیات ۱۲ تا ۱۹

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فَبِمَا نَقُضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۝ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۝ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۝ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْحُسَيْنِينَ ۝ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۝ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۝ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ



جَمِيعًا ۖ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۖ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اب یہاں سے آگے بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند واقعات کا ذکر ہے۔

**آیت ۱۲** ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی ميثاق لیا تھا۔“

یعنی اے مسلمانو! جس طرح آج تم سے یہ ميثاق لیا گیا ہے اور اللہ نے تمہیں شریعت کے ميثاق میں باندھ لیا ہے بالکل اسی طرح کا ميثاق اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا۔

﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ ”اور ان میں ہم نے مقرر کیے تھے بارہ نقیب۔“

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نقیب مقرر کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انصار میں بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے نو خزر ج میں سے اور تین اوس میں سے۔

﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ﴾ ”اور اللہ نے (ان سے) فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

میری مدد میری تائید میری نصرت تمہارے شامل حال رہے گی۔

﴿لَئِن أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ﴾ ”اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور تم زکوٰۃ ادا کرتے رہے“

﴿وَأَمَنْتُمْ بِرُسُلِي﴾ ”اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے“

﴿وَعَزَّزْتُمُوهُمْ﴾ ”اور ان (رسولوں) کی تم مدد کرتے رہے“

یہ ان رسولوں کا ذکر ہے جو پے در پے بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو بنی اسرائیل میں رسالت کا یہ سلسلہ ایک تاریکی مانند تھا جو چھ سو برس تک ٹوٹا ہی نہیں۔ پھر ذرا سا وقفہ چھ سو برس کا آیا اور اس کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

﴿وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ”اور (اگر) تم اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہے“

یعنی اللہ کے دین کے لیے مال خرچ کرتے رہے۔

﴿لَا كُفْرَانَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ ”تو میں لازمًا دور کر دوں گا تم سے تمہاری برائیاں“

﴿وَلَا دُخْلَنَّاكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”اور میں لازمًا داخل کر دوں گا تمہیں ان



باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔“

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۲﴾ ”تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم

میں سے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر رہ گیا۔“

**آیت ۱۳** ﴿فَبِمَا نَقُضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ﴾ ”پس ان کے اپنے اس عہد کو توڑنے کے باعث ہم نے ان پر لعنت فرمائی“

قبل ازیں سورۃ النساء آیت ۱۵۵ میں ”لَعَنَّاهُمْ“ کے محذوف ہونے کا ذکر ہوا تھا، لیکن یہاں پر یہ واضح ہو کر آ گیا ہے کہ ہم نے ان کے اس میثاق کو توڑنے کی پاداش میں ان پر لعنت فرمائی۔

﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾ ”اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔“

جیسے سورۃ البقرہ (آیت ۷۴) میں فرمایا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ”پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس کے بعد پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی بڑھ کر سخت۔“ یہاں پر وہی بات دہرائی گئی ہے۔

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ ”وہ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹاتے تھے“

﴿وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ ”اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا نصیحت کے طور پر اس کے اکثر حصے

کو وہ بھول گئے۔“

اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا۔

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے

خیانت کی اطلاع پاتے رہیں گے“

رسول اللہ ﷺ جیسے ہی مدینہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ نے اس نئی جگہ پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے

پہلے چھ مہینوں میں جو تین کام کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ نے یہود کے تینوں قبیلوں سے مدینہ کے

مشترکہ دفاع کے معاہدے کر لیے کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوگا تو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے، لیکن بعد میں ان

میں سے ہر قبیلے نے ایک ایک کر کے غداری کی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی طرف سے

مسلسل خیانتیں ہوتی رہیں گی، لہذا آپ کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کی سازشوں کا توڑ کرنے

کے لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ ”سوائے ان میں سے چند ایک کے“

ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾ ”لہذا (ابھی) آپ انہیں معاف کرتے رہیں اور درگزر سے

کام لیں۔“



﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿۱۳﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“  
**آیت ۱۴** ﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَايَ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ﴾ ”اور جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی میثاق لیا“  
 ﴿فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ ”تو وہ بھی بھول گئے بڑا حصہ اُس کا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔“

وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

﴿فَاغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”تو ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔“

اس میں عیسائیوں کی یہودیوں کے ساتھ دشمنی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ ماضی میں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان پورے انیس سو برس شدید دشمنی رہی ہے۔ موجودہ دور میں صورت حال عارضی طور پر کچھ تبدیل ہو گئی ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بلکہ خدا سمجھتے ہیں جبکہ یہودیوں نے انہیں ولد الزنا قرار دیا اور کافر و مرتد کہتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا۔ یہ بنیادی اختلاف دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں اس قدر اہم اور شدید ہے کہ اس کی موجودگی میں دونوں میں اتحاد و اتفاق ممکن ہی نہیں۔ لیکن آیت زیر نظر میں بنیادی طور پر عیسائیوں کی آپس کی دشمنی اور ان کا باہمی بغض و عناد مراد ہے۔ ان کے مختلف فرقوں کے درمیان نظریاتی اختلافات ان کی دلی کدورتوں اور نفرتوں سے بڑھ کر بارہا باہمی جنگ و جدل کی شکل میں نمودار ہوتے رہے ہیں۔ مذہبی بنیادوں پر عیسائی فرقوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مذہب کے نام پر عیسائیوں کی خون ریزی اور قتل و غارت گری کی عبرت آموز اور رو نگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات ”Blood on the Cross“ نامی ضخیم کتاب میں ملتی ہیں جو لندن سے شائع ہوئی ہے۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹس (Protestants) اور کیتھولکس (Catholics) کی باہمی چپقلش تو کوئی پوشیدہ راز نہیں، جس کی ہلکی سی جھلک آج بھی ہمیں آئرلینڈ میں نظر آتی ہے۔

﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ﴿۱۴﴾ ”اور عنقریب اللہ تعالیٰ جتلا دے گا انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔“

اگلی آیات کا انداز سورۃ النساء کی آخری آیات سے ملتا جلتا ہے۔

**آیت ۱۵** ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ ”اے اہل کتاب آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول“

﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ﴾ ”جو ظاہر کر رہا ہے تم پر وہ بہت سی باتیں جن کو تم چھپا رہے تھے کتاب میں سے“



﴿وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ ”اور بہت سی باتوں سے تو درگزر بھی کر رہا ہے۔“  
 ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ ”آچکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے  
 ایک نور بھی اور ایک روشن کتاب بھی۔“

یہاں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۴ میں جو فرمایا گیا:  
 ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾ ”اور نازل کر دیا ہے ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور“ وہاں نور سے مراد  
 قرآن ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کے لیے فعل انزلنا درست نہیں۔ لیکن یہاں زیادہ احتمال یہی ہے کہ نور سے  
 مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے یعنی آپ ﷺ کی روح پر نور۔ آپ ﷺ کی روح اور روحانیت  
 آپ ﷺ کے پورے وجود پر غالب تھی اس لحاظ سے آپ ﷺ کو نور مجسم بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک رائے یہ  
 ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کو استعارہ ”نور“ کہا گیا ہے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں نور بھی قرآن پاک  
 ہی کو کہا گیا ہو اور ”و“ اس میں واو تفسیری ہو۔ اس صورت میں مفہوم یوں ہوگا: ”آگیا ہے تمہارے پاس نور یعنی  
 کتاب مبین۔“

**آیت ۱۶** ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ ”اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رہنمائی  
 فرماتا ہے ان کی جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے راستوں کی طرف“  
 ﴿وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”اور  
 نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے سیدھے راستے  
 کی طرف۔“

**آیت ۱۷** ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”یقیناً کفر کیا انہوں نے جنہوں  
 نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے ہاں جو دو عقیدے رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ  
 اللہ ہی مسیح ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ خدا خود ہی انسانی شکل میں ظہور کر لیتا ہے۔ اس  
 عقیدے کو God Incarnate کہا جاتا ہے یعنی اوتار کا عقیدہ جو ہندوؤں میں بھی رائج ہے۔ جیسے رام چندر جی  
 کرشن جی مہاراج ان کے ہاں خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا فرقہ Jacobites خاص طور  
 پر God Incarnate کے عقیدے کا سختی سے قائل رہا ہے کہ اصل میں اللہ ہی نے حضرت مسیح کی شکل میں دنیا  
 میں ظہور فرمایا۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ نبی مکرم ﷺ کی محبت و عقیدت اور عظمت کے اظہار میں غلو سے  
 کام لے کر حد سے تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں:۔

وہی جو مستویٰ عرش تھا خدا ہو کر  
 اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر



اس آیت میں عیسائیوں کے اسی عقیدے کا ابطال کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ ”تو ان سے پوچھئے کون ہے جسے اختیار ہو اللہ کے مقابلے میں

کچھ بھی“

﴿إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ﴾ ”اگر وہ ہلاک کرنا چاہے مسیح ابن مریم کو اور

اُس کی ماں کو“

﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ”اور جو زمین میں ہیں ان سب کو“

اگر اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اُس کا ہاتھ روک لے گا؟

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں

اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب کی)۔“

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ ”وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

وہ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ اُس نے حضرت آدم، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کو

معجزانہ طور پر پیدا فرمایا۔

**آیت ۱۸** ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصْرَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ ”یہودی اور نصرانی کہتے ہیں

کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔“

یعنی بیٹوں کی مانند ہیں بڑے لاڈلے اور پیارے ہیں۔

﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾ ”(تو ان سے) کہیے کہ پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے

تمہارے گناہوں کی پاداش میں؟“

اگر تم اللہ کی اولاد ہو اُس کے بڑے چہیتے ہو تو کیا اسی لیے بخت نصر (Nebukadnezar) کے ہاتھوں

اُس نے تمہیں پٹوایا تھا۔ اس نے تمہارے چھ لاکھ افراد قتل کروادے تھے چھ لاکھ قیدی بنا لیے تھے اور تمہارا ہیکل اول

بھی شہید کر دیا تھا۔ پھر آشوریوں نے تمہاری سلطنت اسرائیل کو روند ڈالا۔ پھر یونانیوں کے ہاتھوں تمہارا استحصال

ہوا۔ پھر رومیوں نے تمہارے اوپر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے اور رومن جنرل ٹیٹس (Titus) نے تمہارا

دوسرا ہیکل بھی مسمار کر دیا۔ کیا ایسے ہی لاڈلے ہوتے ہیں اللہ کے؟ کیا اللہ اتنا ہی لاچار اور عاجز ہے کہ اپنے

لاڈلوں کو ذلت و خواری اور ظلم و ستم سے بچا نہیں سکتا؟

﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ ”(نہیں) بلکہ تم بھی انسان ہو جیسے دوسرے انسان اس نے پیدا

کیے ہیں۔“



﴿يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ ”وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا

دیتا ہے۔“

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین

اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کی بادشاہی“

﴿وَالِيهِ الْمَصِيْرُ﴾ ”اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

**آیت ۱۹** ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ ”اے اہل کتاب! تمہارے پاس آچکا ہے

ہمارا رسول“

﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فِتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُوْلِ﴾ ”جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے رسولوں کے

ایک وقفے کے بعد“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ اس دوران دنیا میں

کوئی نبی کوئی رسول نہیں رہا۔ اس وقفے کو اصطلاح میں ’فترت‘ کہا جاتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور

پھر اس کے بعد تا قیام قیامت رسالت کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۤءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ ”مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی

بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا“

﴿فَقَدْ جَاۤءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ ”تو (سن لو!) آ گیا ہے تمہارے پاس بشارت دینے والا اور

خبردار کرنے والا۔“

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

سورۃ النساء میں یہی بات اس انداز سے بیان ہو چکی ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ لِّئَلَّا يَكُوْنَ

لِلنَّاسِ عَلٰى اللّٰهِ حُجَّةٌۭۤ اۡۢبَعَدَ الرَّسُوْلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ”یہ رسول (بھیجے گئے) بشارت دینے

والے اور خبردار کرنے والے بنا کرتا کہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل)

رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

## آیات ۲۰ تا ۲۶

وَ اِذْ قَالَ مُّوْسٰى لِقَوْمِهٖ لِقَوْمِهٖ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاۡءًا وَجَعَلَكُمْ

مُلُوْكَا۟ۤ اۡ وَ اٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُوْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۗ لِقَوْمٍ اَدْخَلُوْا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَّلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۗ قَالَوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا

قَوْمًا جَبّٰرِيْنَ ۗ وَاِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۗ فَاِنَّا



دَاخِلُونَ ۝ قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ  
فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَآتِكُمْ مِنْهُ غَلِيظًا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَُوا يَا مَوْسَى  
إِنَّا لَن نَدْخُلُهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ۝  
قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ قَالَ  
فَاتَّهَا مُحْرَمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۗ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ  
الْفَاسِقِينَ ۝

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ آ رہا ہے جب آپ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے صحرائے سینا میں رہے  
آپ کو کوہ طور پر بلایا گیا اور تورات دی گئی۔ اس کے بعد آپ کو حکم ہوا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد  
مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ جنگ کرو اور انہیں وہاں سے نکالو کیونکہ یہ ارض مقدس  
تمہارے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت  
یعقوب علیہ السلام کا تعلق اس خطہ سے تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے  
بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے۔ پھر جب حضرت موسیٰ انہیں مصر سے لے کر نکلے تو انہیں حکم ہوا کہ اب جاؤ اپنے  
اصل گھر (ارض فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے  
دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت کے  
اندر بے زاری کی جو کیفیت پیدا ہوئی اس کی شدت یہاں نظر آتی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رسول اپنی  
امت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کی مانند ہے۔ جیسے اللہ  
رؤف بھی ہے، و دود بھی، لیکن ساتھ ہی وہ عزیز و ذوالنقام بھی ہے (اللہ کی یہ دونوں شانیں ایک ساتھ ہیں) اسی  
طرح رسول کا معاملہ ہے کہ رسول شفیق اور رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ غیور بھی ہوتا ہے۔ اس کے دل میں دین کی  
غیرت اپنے پیروکاروں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہذا قوم کے منفی رد عمل پر نبی کی بے زاری لازمی ہے۔

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ سمجھنے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پے درپے معجزات کے ظہور نے تساہل پسند بنا دیا  
تھا۔ پیاس لگی تو چٹان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بھوک محسوس ہوئی تو من  
وسلوئی نازل ہو گیا، دھوپ نے ستایا تو ابر کا سائبان ساتھ ساتھ چل پڑا، سمندر راستے میں آیا تو عصا کی ضرب  
سے راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ آرام طلب ہو گئے تھے اور مشکل کی ہر گھڑی  
میں انہیں معجزے کے ظہور کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ بہر حال جنگ کے اس موقع پر انہوں نے دشمن کا سامنا کرنے  
سے صاف انکار کر دیا، باوجودیکہ اس وقت ان کے کم از کم ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے  
تھے۔ یہی حکمت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں اس قسم کا کوئی معجزہ نظر نہیں آتا، بلکہ یہاں تو یہ نقشہ  
نظر آتا ہے کہ مسلمانو! تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی جان دے کر ایثار و قربانی سے، محنت و مشقت سے، بھوک جھیل کر  
اور فاقے برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ایثار و قربانی،



جرات و بہادری اور بلند ہمتی کا جذبہ موجزن نظر آتا ہے جس کی واضح مثال غزوہ بدر کے موقع پر حضرت  
مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَهُنَا  
قَاعِدُونَ﴾ وَلَكِنْ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ، فَكَانَتْ سُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ (۱)  
”یا رسول اللہ! ہم آپ سے بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر قتال کرو  
ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم کہیں گے) آپ قدم بڑھائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں! اس پر گویا رسول  
اللہ ﷺ کی پریشانی کا ازالہ ہو گیا۔“

**آیت ۲۰** ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ﴾ ”اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے“  
﴿يَقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو جو تم  
پر ہوا ہے“

﴿إِذْ جَعَلْ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ﴾ ”جب اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے“  
یعنی خود میں نبی ہوں میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور  
حضرت ابراہیم علیہم السلام سب نبی تھے۔

﴿وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا﴾ ”اور تمہیں بادشاہ بنایا“  
اگرچہ اُس وقت تک اُن کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں  
اللہ تعالیٰ زمین کی سلطنت اور خلافت عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے  
میں بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار  
کی طرف اشارہ ہے آپ اگرچہ مصر کے بادشاہ تو نہیں تھے لیکن بادشاہوں کے بھی مخدوم و ممدوح تھے۔ آپ کی  
اس حیثیت کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں پیرزادوں کا سا مقام و احترام حاصل ہو گیا تھا۔  
﴿وَأَتَّكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہان والوں میں  
سے کسی کو نہیں دیا۔“

**آیت ۲۱** ﴿يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”(تو) اے میری قوم کے لوگو!  
اب داخل ہو جاؤ اس ارض مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے“  
اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ زمین تمہیں ملے گی۔

﴿وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ﴾ ”اور اپنی پیٹھوں کے بل واپس نہ پھرنا“  
﴿فَتَقَبِّلُوا خِيسِرِينَ﴾ ”(اگر ایسا کرو گے) تو نا کام و نامراد پلٹو گے۔“

(۱) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَهُنَا قَاعِدُونَ۔



**آیت ۲۲** ﴿قَالُوا يَمْوَسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَارِينَ﴾ ”انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں“

ہم فلسطین میں کیسے داخل ہو جائیں؟ یہاں تو جو لوگ آباد ہیں وہ بڑے طاقت ور گراں ڈیل اور زبردست ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

﴿وَإِنَّا لَنُدْخِلُهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا﴾ ”اور ہم اس (سرزمین) میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔“

﴿فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ﴾ ﴿۳۳﴾ ”ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔“

**آیت ۲۳** ﴿قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ﴾ ”کہا دو اشخاص نے جو (اللہ کا) خوف رکھنے والوں میں سے تھے“

﴿أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا﴾ ”اور اللہ نے بھی ان دونوں پر انعام کیا تھا“  
یہ دو اشخاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور قریبی حواری تھے۔ ایک تو یوشع بن نون تھے جو حضرت موسیٰ کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے اور گمان غالب ہے کہ وہ نبی بھی تھے جبکہ دوسرے شخص کالب بن یفثا تھے۔ ان دونوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا چاہا کہ ہمت کرو:

﴿ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ﴾ ”تم ان کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاؤ۔“  
تم لوگ ایک دفعہ دروازے میں گھس کر ان کا سامنا تو کرو۔  
﴿فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ﴾ ”اور جب تم اس میں داخل ہو گے تو لازماً تم غالب ہو جاؤ گے۔“

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿۳۴﴾ ”اور اللہ پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو۔“  
**آیت ۲۴** ﴿قَالُوا يَمْوَسَىٰ إِنَّا لَنُدْخِلُهَا أَبَدًا﴾ ”انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے“

﴿مَا دَامُوا فِيهَا﴾ ”جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں“  
﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا﴾ ”بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو“  
گویا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ساتھ اپنی یہ لٹھیا بھی لیتے جاؤ جس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں اس کی مدد سے ان جباروں کو شکست دے دو۔

﴿إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ﴾ ﴿۳۵﴾ ”ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔“  
ہم تو یہاں ٹکے ہوئے ہیں یہاں سے نہیں ہلیں گے، زمیں جنب نہ جنب گل محمد!



مقام عبرت ہے! تورات (Book of Exsodus) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لگ بھگ چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان میں سے عورتیں بچے اور بوڑھے نکال دیں تو ایک لاکھ افراد تو جنگ کے قابل ہوں گے۔ مزید محتاط اندازہ لگائیں تو پچاس ہزار جنگجو تو دستیاب ہو سکتے تھے، مگر اس قوم کی پست ہمتی اور نظریاتی کمزوری ملاحظہ ہو کہ چھ لاکھ کے ہجوم میں سے صرف دو اشخاص نے اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار!

اب نبی کی بیزاری ملاحظہ فرمائیں۔ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہم قوم اسرائیلی کی مدافعت کرتے ہوئے ایک ٹکڑا رسید کر کے قبیلے کی جان نکال دی تھی ﴿فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ﴾ (القصص: ۱۵) اب اپنی قوم سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

**آیت ۲۵** ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي﴾ ”موسیٰ نے عرض کیا: پروردگار مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارون کی جان) کے“

باقی یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے۔ میرا کسی پر کچھ زور نہیں ہے۔ یہاں مضمون کی مناسبت سے سورۃ النساء کی آیت ۸۴ کے وہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے جن میں حضور کے لیے حکم ہے: ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النساء: ۸۴)۔ ”(اے نبی ﷺ!) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے، آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں، البتہ اہل ایمان کو بھی ترغیب دیں۔“ آپ پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی جان کے، البتہ آپ اہل ایمان کو جس قدر ترغیب و تشویق دلا سکتے ہیں دلائیں ان کے جذبات ایمانی کو جس جس انداز سے اپیل کرنا ممکن ہے کریں اور بس اس سے زیادہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

﴿فَأَفْرَقُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (۲۵) ”تو اب تفریق کر دئے ہمارے اور ان نافرمان

لوگوں کے درمیان۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے رویے سے اس درجہ آزرده خاطر ہوئے کہ قوم سے علیحدگی کی تمنا کرنے لگے کہ میں اب ان نانبجاروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تیری عطا کردہ کیا کچھ نعمتیں برتی ہیں اور میرے ہاتھوں سے کیا کیا معجزے یہ لوگ دیکھ چکے ہیں، اس کے باوجود ان کا یہ حال ہے تو مجھے ان سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی لیکن اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

**آیت ۲۶** ﴿قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ ”فرمایا اب یہ (ارض مقدس) حرام رہے گی ان پر چالیس سال تک۔“

یہ ہماری طرف سے ان کی بزدلی کی سزا ہے۔ اگر یہ بزدلی نہ دکھاتے تو ارضِ فلسطین ابھی ان کو عطا کر دی جاتی، مگر اب یہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی۔

﴿يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”یہ بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔“

اس صحرائے سینا میں یہ چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہیں گے۔



﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (تو (اے موسیٰ) آپ افسوس نہ کریں اس فاسق

قوم پر۔“

اب آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھائیے۔ اب جو کچھ ان پر بیٹے گی اس پر آپ کو ترس نہیں کھانا چاہیے۔ آپ بہر حال ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں؛ جب تک زندگی ہے آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے اور صحرا میں ان کی نئی نسل پروان چڑھی جو خوائے غلامی سے مبرا تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں یہ لوگ اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

اب پانچویں رکوع میں قتلِ ناحق، ملک میں فساد پھیلانے اور چوری ڈاکے جیسے جرائم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور پھر ان کی سزاؤں کا ذکر ہوگا۔

### آیات ۲۷ تا ۳۴

وَإِنل عَلَيْهِم نَبَأُ ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخِرِ ط قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ط إِنَّمَا يَتَقَبَلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِن بَسَطتَ إِلى يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطِ يَدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ ۝ إِنِّي أَخَافُ اللّهُ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ وَذَلِكَ جَزَاؤُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الخَاسِرِينَ ۝ فَبَعثَ اللّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوَاءَ أَخِيهِ ط قَالَ يُوَيْلُنِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الغُرَابِ فَأُوَارِي سَوَاءَ أَخِي ۝ فَأَصْبَحَ مِنَ التَّوَّابِينَ ۝ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۝ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۝ وَلَقَدْ جَاءتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ ان كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الأَرْضِ لَاسْرِفُونَ ۝ إِنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِينَ يُجَارُونَ اللّهُ وَرَسُولَهُ وَيَسْعُونَ فِي الأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأرجُلُهُمْ مِنْ خِلافي أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الأَرْضِ ط ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ

تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تُقَدَّرُوا عَلَيْهِمْ ۝ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝



**آیت ۲۷** ﴿وَآتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَىٰ آدَمَ بِالْحَقِّ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ان کو پڑھ کر سنائیے آدم کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ۔“

﴿إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ ”جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی“

﴿فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ﴾ ”تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی جبکہ دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔“

آدم کے یہ دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور قابیل کاشت کار تھا۔ ان دونوں نے اللہ کے حضور قربانی دی۔ ہابیل نے کچھ جانور پیش کیے جبکہ قابیل نے اناج نذر کیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی مگر قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے ایک شعلہ نیچے اترتا تھا اور وہ قربانی کی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے قربانی کو قبول فرمایا۔

﴿قَالَ لَا قُتِلَنَّكَ﴾ ”اُس نے کہا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا۔“

قابیل نے جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی حسد کی آگ میں جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ ”اُس نے جواب دیا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔“

ہابیل نے کہا بھائی جان اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

**آیت ۲۸** ﴿لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي﴾ ”اگر آپ اپنا ہاتھ چلائیں گے مجھ پر مجھے قتل کرنے کے لیے“

﴿مَا أَنَا بِبَاسٍ بِيَدَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ﴾ ”(تب بھی) میں اپنا ہاتھ نہیں چلاؤں گا آپ کو قتل کرنے کے لیے۔“

یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ یک طرفہ قتل ہی ہوگا۔

﴿إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ ”مجھے تو اللہ کا خوف ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

**آیت ۲۹** ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوَ آبَائِي وَإِنَّكَ﴾ ”میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تم ہی اپنے سر لے لو“

﴿فَتَكُونَنَّ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ﴾ ”تو پھر تم ہو جاؤ گے جہنم والوں میں سے۔“

اگر آپ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے کہ مجھے قتل کر ہی دیں گے تو آپ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ میری خطاؤں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھالیں گے۔ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے والا گویا مقتول کے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھالیتا ہے۔ یعنی اگر آپ مجھے ناحق قتل کریں گے تو میرے گناہوں کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا اور



میرے لیے تو یہ کوئی گھائے کا سودا نہیں ہے۔ البتہ اس جرم کی وجہ سے آپ جہنمی ہو جائیں گے۔

﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۲۹﴾ ”اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔“

**آیت ۳۰** ﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ﴾ ”بالآخر اُس کے نفس نے آمادہ کر ہی لیا اسے اپنے بھائی کے قتل پر“

ان الفاظ کے بین السطور اس کے ضمیر کی کش مکش کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ ایک طرف اللہ کا خوف، نیکی کا جذبہ، خون کا رشتہ اور دوسری طرف شیطانی ترغیب، حسد کی آگ اور نفسانی خواہش کی اُکساہٹ۔ اور پھر بالآخر اس اندرونی کشمکش میں اس کا نفس جیت ہی گیا۔

﴿فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الخٰسِرِينَ ۳۰﴾ ”تو اس نے اسے قتل کر دیا اور ہو گیا تباہ ہونے والوں

میں سے۔“

**آیت ۳۱** ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْاَرْضِ﴾ ”تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین گریڈ کرنے لگا“  
یہ پہلا خون تھا جو نسلِ آدم میں ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا لیکن اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے اسے کیسے dispose off کرے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیج دیا جو اُس کے سامنے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا۔

﴿لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءًا اَخِيهِ ۳۱﴾ ”تا کہ (اللہ) اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو

کیسے چھپائے۔“

کوئے کے زمین کھودنے کے عمل سے اسے سمجھ آ جائے کہ زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جاسکتا ہے۔

﴿قَالَ يٰوَيْلَتِي اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِي سَوْءًا اَخِي ۳۲﴾ ”(یہ دیکھا تو)

اُس نے کہا ہائے میری شامت! میں اس کوئے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔“

افسوس مجھ پر! کیا میرے اندر اس کوئے جیسی عقل بھی نہ تھی کہ یہ طریقہ مجھے خود ہی سوجھ جاتا۔

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِينَ ۳۳﴾ ”پھر وہ بہت پشیمان ہوا۔“

اس احساس پر اس کے اندر بڑی شدید ندامت پیدا ہوئی۔

**آیت ۳۴** ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِي اِسْرٰءِیْلَ﴾ ”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر

(تورات میں) یہ بات لکھ دی تھی“

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ﴾ والا فقرہ پچھلی آیت کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اس آیت کے ساتھ بھی یہ

دونوں طرف بامعنی بن سکتا ہے۔

﴿اِنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ ”کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے“

یعنی اگر کسی نے قتل کیا ہے اور وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جائے تو یہ قتل ناحق نہیں ہے۔



﴿أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ﴾ ”یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے“

اگر کوئی شخص ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل بھی قتلِ ناحق نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بے قصور انسان کا قتل کر دیا۔

﴿فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ”گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔“

اُس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے اُس نے پوری نوعِ انسانی کو تہ تیغ کر دیا۔ اس لیے کہ اُس نے قتلِ ناحق سے تمدن و معاشرت کی جڑ کاٹ ڈالی۔ جان اور مال کا احترام ہی تو تمدن کی جڑ اور بنیاد ہے۔

﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ”اور جس نے اُس (کسی ایک انسان) کی جان

بچائی تو گویا اُس نے پوری نوعِ انسانی کو زندہ کر دیا۔“

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولُنَا بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ”اور ان کے پاس ہمارے رسول آئے تھے واضح نشانیاں

لے کر“

﴿ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾ ”لیکن اس کے باوجود ان میں

سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے پھر رہے ہیں۔“

اب ”آیتِ محاربہ“ آرہی ہے جو اسلامی قوانین کے لحاظ سے بہت اہم آیت ہے۔ محاربہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی گروہ فتنہ و فساد مچا رہا ہے، دہشت گردی کر رہا ہے، خونریزی اور قتل و غارت کر رہا ہے، راہزنی اور ڈاکہ زنی کر رہا ہے، گینگ ریپ ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے، جہاں اسلامی قانون نافذ ہو، جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں، ایمان فروش موجود ہوں، ججوں کو خریدنا جاسکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الثابدا نام ہوگی۔ لہذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

**آیت ۳۳** ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”یہی ہے سزا ان لوگوں کی جو لڑائی کرتے

ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے“

یعنی اسلامی ریاست کی عملداری کو چیلنج کرتے ہیں۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ ”اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں“

﴿أَنْ يُقْتَلُوا﴾ ”کہ انہیں (عبرت ناک طور پر) قتل کیا جائے“

واضح رہے کہ یہاں فعل يُقْتَلُوا استعمال نہیں ہوا بلکہ يُقْتَلُوا ہے کہ ان کے ٹکڑے کیے جائیں۔

﴿أَوْ يُصَلَّبُوا﴾ ”یا انہیں سولی چڑھایا جائے“



﴿أَوْ تَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ﴾ ”یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں“

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کاٹا جائے۔

﴿أَوْ يَنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ط﴾ ”یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے۔“

﴿ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ”یہ تو ان کے لیے دنیا کی زندگی میں رسوائی ہے“

﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾﴾ ”اور آخرت میں ان کے لیے (مزید) بہت بڑا

عذاب ہے۔“

**آیت ۳۳** ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ﴾ ”سوائے ان کے جو توبہ کر لیں اس سے

پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔“

یعنی پکڑے جانے سے پہلے ایسے لوگ اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے رعایت کی گنجائش ہے، لیکن جب پکڑ لیے گئے تو توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ”پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا“

مہربان ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوراج کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا کہ اگر تم اپنے غلط عقیدے کو اپنے تک رکھو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، لیکن اگر تم خوزری کرو گے، قتل و غارت کرو گے تو پھر تمہارے ساتھ رعایت نہیں کی جاسکتی۔

## آیات ۳۵ تا ۴۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۰﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا



يَا قَوْمِهِمْ وَلَمْ تُوْمِنُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۗ سَمَّعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّعُونَ لِقَوْمٍ  
 آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يَحْرِفُونَ الْحِكْمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۗ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا  
 فَخُدُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاحْذَرُوا ۗ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ  
 أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۗ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ  
 عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَمَّعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلسُّحْتِ ۗ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ  
 أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۗ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۗ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ  
 بِالْقِسْطِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكِمُوكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمٌ  
 اللَّهُ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۗ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝

بج

**آیت ۳۵** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ  
 اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قرب تلاش کرو“

یہاں لفظ ”وسیلہ“ قابل غور ہے اور اس لفظ نے کافی لوگوں کو پریشان بھی کیا ہے۔ لفظ ”وسیلہ“ اردو میں تو  
 ”ذریعہ“ کے معنی میں آتا ہے، یعنی کسی تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بنا لینا، سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنا لینا۔ لیکن عربی  
 زبان میں ”وسیلہ“ کے معنی ہیں ”قرب“۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں  
 کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ ”ذلیل“ ہے عربی میں اس کے معنی ”کمزور“ جبکہ اردو میں ”کمینے“ کے ہیں۔ جیسا کہ ہم  
 پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ  
 نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔ اب اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو  
 ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اسی طرح عربی میں ”جہل“ کے معنی جذباتی ہونا ہے، اُن پڑھ ہونا  
 نہیں۔ ایک پڑھا لکھا شخص بھی جاہل یعنی جذباتی، اکھڑ مزاج ہو سکتا ہے لیکن اردو میں جاہل عالم کا متضاد ہے، یعنی  
 جو اُن پڑھ ہو۔ اسی طرح کا معاملہ لفظ ”وسیلہ“ کا ہے۔ اس کا اصل مفہوم ”قرب“ ہے اور یہاں بھی یہی مراد لیا  
 جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوا ہے:

”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (آگے بڑھ کر) اس کا قرب تلاش کرو“

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کے غضب سے اللہ کی ناراضگی سے اور اللہ کے احکام توڑنے سے بچنا۔ یہ ایک منفی  
 محرک ہے جبکہ قرب الہی کی طلب ایک مثبت محرک ہے کہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جاؤ۔ لیکن  
 اس کے قرب کا ذریعہ کیا ہوگا؟

﴿وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۳۵) ”اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“  
 اس سے بات بالکل واضح ہو گئی کہ تقرب الی اللہ کے لیے جہاد کرو۔ تقویٰ شرط لازم ہے۔ یعنی پہلے جو



حرام چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ، جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔ اور پھر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔

**آیت ۳۶** ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اگر ان کے پاس وہ ساری دولت ہو جو کہ زمین میں ہے کل کی کل اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو“

﴿لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”(اور وہ چاہیں) کہ وہ اس کے ذریعے سے فدیہ دے کر چھوٹ سکیں قیامت کے دن کے عذاب سے“

﴿مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ﴾ ”تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔“

یہ حکم گویا ”تعلیق بالحال“ ہے کہ نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ایسا ہوگا۔ لیکن بات کی سختی واضح کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا ہے اور آخری درجے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض ان کے پاس اتنی دولت موجود بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں ان کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

**آیت ۳۷** ﴿يُرِيدُونَ أَن يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا﴾ ”وہ چاہیں گے کہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں لیکن نکل نہیں پائیں گے“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے ہوگا قائم رہنے والا عذاب۔“

یعنی ان کو مسلسل دائم اور قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

**آیت ۳۸** ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ ”اور چور خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو“

یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔

﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا﴾ ”یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا“

﴿نَكَالًا مِنَ اللَّهِ﴾ ”اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے۔“

دیکھئے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہو سکتا کسی بھی جانب سے (حتم السجدہ: ۴۲)۔ ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو، ریاست کی طرف سے کفالت عامہ کی سہولت موجود ہوتا کہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے، لیکن ”فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر فرض کر لیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر ﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی



کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کر دیا جائے؟ اس کے بعد پھر ﴿نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ﴾ کے الفاظ مزید آئے ہیں۔ ”نکال“ کہتے ہیں عبرتناک سزا کو۔ تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہوگی؟ آپ نے دیکھا قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے بھی الفاظ کے کیسے کیسے پہرے بٹھائے گئے ہیں!

در اصل حدود و تعزیرات کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے لفظ ”نکال“ بہت اہم ہے۔ قرآن میں تعزیرات اور حدود کے سلسلے میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اگر سزا ہوگی تو عبرت ناک ہوگی۔ اسلام میں شہادت کا قانون بہت سخت رکھا گیا ہے۔ ذرا سا شبہ ہو تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے سزا کا نفاذ آسان نہیں۔ لیکن اگر تمام مراحل طے کر کے جرم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر سزا ایسی دی جائے کہ ایک کو سزا ملے اور لاکھوں کی آنکھیں کھل جائیں تاکہ آئندہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ فلسفہ ہے اسلامی سزائوں کا۔ یہ درحقیقت ایک تسدید (deterrence) ہے جس کے سبب معاشرے سے برائی کا استیصال کرنا ممکن ہے۔ آج امریکہ جیسے (نام نہاد) مہذب معاشرے میں بھی آئے دن انتہائی گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتساب اور سزا کا نظام درست نہیں۔ لوگ جرم کرتے ہیں سزا ہوتی ہے، جیل جاتے ہیں، کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آتے ہیں، پھر جرم کرتے ہیں، پھر جیل چلے جاتے ہیں۔ جیل کیا ہے؟ سرکاری مہمان داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ﴿۳۸﴾ ”اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

**آیت ۳۹** ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ﴾ ﴿۳۹﴾ ”تو جس نے بھی توبہ کر لی اپنے اس ظلم کے بعد اور اصلاح کر لی تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے اس کی توبہ کو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ﴿۳۹﴾ ”یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے۔“

لیکن اس توبہ سے جرم کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوگی۔ یہ جرم ہے دنیا (قانون) کا اور گناہ ہے اللہ کا۔ جرم کی سزا دنیا میں ملے گی، گناہ کی سزا اللہ نے دینی ہے، اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کی سزا بھی ملے گی۔

**آیت ۴۰** ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ﴿۴۰﴾ ”کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ہی کے

لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی؟“

﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ﴿۴۰﴾ ”وہ سزا دے گا جس کو چاہے گا اور بخش دے گا جس کو

چاہے گا۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ﴿۴۰﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اب یہاں پھر ذکر آ رہا ہے ان لوگوں کا جو دوغلی پالیسی پر کاربند تھے، لیکن سورۃ البقرۃ کی طرح یہاں بھی روئے سخن قطعیت کے ساتھ واضح نہیں کیا گیا۔ لہذا اس کا انطباق منافقین پر بھی ہوگا اور اہل کتاب پر بھی۔ منافق



اہل کتاب میں سے بھی تھے جن کا میلان اسلام کی طرف بھی تھا اور چاہتے بھی تھے کہ مسلمانوں میں شامل رہیں لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ تو یہ لوگ جو ”مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ“ کی مثال تھے یہ دونوں طرف کے لوگ تھے۔

**آیت ۱۴** ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ ”اے نبی (ﷺ) یہ لوگ

آپ کے لیے باعثِ رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں“

﴿مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ﴾ ”ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے

تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔“

آپ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور بھاگ دوڑ سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

﴿وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا﴾ ”اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔“

﴿سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ ”یہ بڑے ہی غور سے سنتے ہیں جھوٹ کو“

﴿سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ﴾ ”اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس

نہیں آتے۔“

یعنی ایک تو یہ لوگ اپنے ”شیاطین“ کی جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴)

میں فرمایا: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْتَبُونَ﴾ ”اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب یہ

خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو محض

مذاق کر رہے ہیں۔ پھر یہ لوگ ان کی طرف سے جاسوس بن کر مسلمانوں کے ہاں آتے ہیں کہ یہاں سے سن کر

ان کو رپورٹ دے سکیں کہ آج محمد (ﷺ) نے یہ کہا آج آپ کی مجلس میں فلاں معاملہ ہوا۔ ﴿سَمْعُونَ لِقَوْمٍ

آخَرِينَ﴾ کا ترجمہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے: ”دوسری قوم کے لوگوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں“ یا

”سنتے ہیں دوسری قوم کے لوگوں کے لیے“ یعنی انہیں رپورٹ کرنے کے لیے ان کے جاسوس کی حیثیت سے۔

ان کے جو لیڈر اور شیاطین ہیں وہ آپ کے پاس خود نہیں آتے اور یہ جو بین بین کے لوگ ہیں یہ آپ کے پاس

آتے ہیں اور ان کے ذریعے سے جاسوسی کا یہ سارا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ ”وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع

و محل معین ہو جانے کے بعد۔“

﴿يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ﴾ ”وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول

کر لینا“

﴿وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا﴾ ”اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کئی کترا جانا۔“



اہل کتاب کے سرداروں کو اگر کسی مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہوتا تو اپنے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجتے اور پہلے سے انہیں بتا دیتے کہ اگر فیصلہ اس طرح ہو تو تم قبول کر لینا، ورنہ رد کر دینا۔ واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست اور پورے طور پر ایک ہمہ گیر اسلامی حکومت دراصل فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی اور یہ صورت حال اس سے پہلے کی تھی۔ ورنہ کسی ریاست میں دو ہر اعدالتی نظام نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جب چاہتے اپنے فیصلوں کے لیے حضور ﷺ کے پاس آجاتے اور جب چاہتے کسی اور کے پاس چلے جاتے تھے۔ گویا بیک وقت دو متوازی نظام چل رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ لوگ یہ کہنے کی جسارت کرتے تھے کہ یہ فیصلہ ہوا تو قبول کر لینا، ورنہ نہیں۔

﴿وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ ”اور جس کو اللہ ہی نے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔“

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔“

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ”ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے“

﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

**آیت ۲۲** ﴿سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ ”یہ خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو“

﴿أَكُلُونَ لِّلسُّحْتِ﴾ ”خوب کھانے والے ہیں حرام کو۔“

﴿فَإِنْ جَاءَ وَكَ﴾ ”پھر اگر یہ آپ کے پاس (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آئیں“

﴿فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ”تو آپ (کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔“

آپ کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کا مقدمہ سنیں اور فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو مقدمہ لینے ہی سے انکار کر دیں، کیونکہ ان کی نیت درست نہیں ہوتی اور وہ آپ کا فیصلہ لینے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لہذا ایسے لوگوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ پراپیگنڈا کریں گے کہ دیکھو جی ہم تو گئے تھے محمد (ﷺ) کے پاس مقدمہ لے کر یہ کیسے نبی ہیں کہ مقدمے کا فیصلہ کرنے کو ہی تیار نہیں! اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔

﴿وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا﴾ ”اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔“

یعنی ان کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے قطعاً فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ﴾ ”اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان



انصاف کے عین مطابق فیصلہ کریں۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ﴿۳۳﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

**آیت ۳۳** ﴿وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کو کیسے حکم بناتے ہیں“

﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ﴾ ”جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے“

﴿فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ﴾ ”جس میں اللہ کا حکم موجود ہے“

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بدینتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہو تو تورات سے راہنمائی حاصل کر لیں۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾ ”پھر بھی وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔“

﴿وَمَا أَوْلَىٰكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ ﴿۳۴﴾ ”اور حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔“

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان سے تہی دست ہیں ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ ہے ان کا اصل روگ۔

## آیات ۳۳ تا ۵۰

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا  
وَالرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا  
النَّاسَ وَآخِشُونِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۖ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ  
بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۖ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ  
كَفَّارَةٌ لَّهُ ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ وَقَفِينَا عَلَىٰ أُنثَاهُمْ  
بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى  
وَنُورٌ ۖ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۖ وَلِيَحْكُمَ  
أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ  
وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ  
الْحَقِّ ۖ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً  
وَلَكِن لِّيَلْذُقُوا فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۖ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا



كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ يَأْتِزِلِ اللَّهُ لَآ تَتَّبِعُوا هُوَ أَحَدُهُمْ وَاحِدٌ رَّهُمْ  
 أَنْ يَقْتُلُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ  
 يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ  
 يَبْغُونَ ۗ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

سورۃ المائدۃ کا یہ ساتواں رکوع حسن اتفاق سے سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سخت تہدید، تنبیہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعوے دار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں میں کہیں کہیں تین تین آیتوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ملتے ہیں جو معانی و مفہوم کے لحاظ سے بہت جامع ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴ ہیں۔ ابھی سورۃ المائدۃ میں بھی تین آیات پر مشتمل نہایت جامع احکامات کا حامل ایک مقام آئے گا۔ اسی طرح کہیں کہیں سات سات آیات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع کی سات آیات (۳۰ تا ۳۶) بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں نہایت جامع ہیں۔ یہ دعوت کے ابتدائی انداز پر مشتمل ہیں اور دعوت کے باب میں بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ اسی طرح قانون شریعت کی تنفیذ، اس کی اہمیت اور اس سے پہلو تہی پر وعید کے ضمن میں زیر مطالعہ رکوع کی سات آیات نہایت تاکید اور جامع ہیں بلکہ یہ مقام اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذرۃ سنام (climax) ہے۔

**آیت ۲۴** ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ﴾ ”یقیناً ہم نے ہی نازل فرمائی تھی تورات“

﴿فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ ”اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔“

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ﴾ ”اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے انبیاء“

﴿الَّذِينَ اسْلَمُوا﴾ ”جو کہ سب فرمانبردار تھے (اللہ کے)“

ظاہر ہے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔

﴿لِلَّذِينَ هَادُوا﴾ ”(اور وہ فیصلے کرتے تھے) یہودیوں کے لیے“

یعنی انبیا کرام علیہم السلام یہودیوں کے تمام فیصلے تورات (شریعت موسوی) کے مطابق کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے ((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ))<sup>(۱)</sup> یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت کے معاملات انبیاء کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ اس لیے وہی ان کے مابین نزاعات کے فیصلے کرتے تھے۔

﴿وَالرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ﴾ ”اور درویش اور علماء“

ان کے ہاں اللہ والے صوفیاء اور علماء و فقہاء بھی تورات ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ،

باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء الاول فالاول۔



﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ ”بِسَبَبِ اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے نگران بنائے گئے تھے“  
انہیں ذمہ داری دی گئی تھی کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔

﴿وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾ ”اور وہ اس پر گواہ تھے۔“

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنَا﴾ ”(تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے مت ڈرو اور

مجھ سے ڈرو“

﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”اور میری آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہ کرو۔“

یعنی اللہ کا طے کردہ قانون موجود ہے اس کے مطابق فیصلے کرو۔ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند اس سے تمہارا

بالکل کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اب آرہی ہے وہ کانٹے والی بات:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ”اور جو اللہ کی اتاری ہوئی

شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔“

بقول علامہ اقبال۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

**آیت ۲۵** ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا﴾ ”اور ہم نے لکھ دیا تھا ان پر اس (تورات) میں“

﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ ”کہ جان کے بدلے جان“

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ ”اور آنکھ کے بدلے آنکھ“

﴿وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ﴾ ”اور ناک کے بدلے ناک“

﴿وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ﴾ ”اور کان کے بدلے کان“

﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ”اور دانت کے بدلے دانت“

﴿وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ ”اور اس طرح زخموں کا بدلہ بھی ہوگا برابر کا۔“

﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾ ”پھر جو کوئی اس کو معاف کر دے تو یہ اُس کے لیے

(گناہوں کا) کفارہ ہوگا۔“

کسی نے ایک شخص کا کان کاٹ دیا اب وہ جواباً اُس کا کان کاٹنے کا حق دار ہے، لیکن اگر وہ قصاص نہیں

لیتا اور معاف کر دیتا ہے تو اسے اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ بنا لے گا۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو

جب معاف کر دیا گیا تو اس کے ذمے سے وہ گناہ دُھل گیا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی

اتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔“



اور ظالم یہاں بمعنی مشرک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان) اب دیکھئے ایک قانون اللہ کا ہے اور ایک انسانوں کا۔ پھر انسانوں کے بھی مختلف قوانین ہیں، ایک Roman Law ہے، ایک پاکستانی قانون ہے، ایک رواج پر مبنی قانون ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ فیصلہ کس قانون کے مطابق کر رہے ہیں؟ اللہ کے قانون کے تحت یا کسی اور قانون کے مطابق؟ اگر آپ نے اللہ کے قانون کے ساتھ ساتھ کسی اور قانون کو بھی مان لیا یا اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور قانون کو ترجیح دی تو یہ شرک ہے۔

**آیت ۳۶** ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ”اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے نقش قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا“

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ ”(وہ آئے) تصدیق کرتے ہوئے اُس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے“

﴿وَأَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ ”اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی، اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا“

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ ”اور وہ (انجیل بھی) تصدیق کر رہی تھی اس کی جو تورات میں سے اُس کے سامنے موجود تھا“

﴿وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور وہ ہدایت (راہنمائی) اور نصیحت تھی تقویٰ والوں کے لیے۔“

**آیت ۴۷** ﴿وَلِيُحْكُمَ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ﴾ ”اور چاہیے کہ انجیل کے ماننے والے فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ”اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اتارے ہوئے احکامات و قوانین کے مطابق وہی توفاسق ہیں۔“

وہی تو سرکش ہیں، وہی تو نافرمان ہیں، وہی تو ناہنجار ہیں۔ غور کیجیے ایک رکوع میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾

ان آیات قرآنیہ کو سامنے رکھیے اور ملت اسلامیہ کی موجودہ کیفیت کا جائزہ لیجیے کہ دنیا میں کتنے ممالک ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ ہے؟ آج روئے زمین پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں شریعت اسلامی



پورے طور پر نافذ ہو اور اسلام کا مکمل نظام قائم ہو۔ اگرچہ ہم انفرادی اعتبار سے مسلمان ہیں لیکن ہمارے نظام کا فرانہ ہیں۔

**آیت ۲۸** ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ ”اور (اب اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ“

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ﴾ ”جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے“

یہ کتاب تورات اور انجیل کی مصداق بھی ہے اور مُصَدِّق بھی۔ اور اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہو گئی تھیں اب ان کی تصحیح اس کے ذریعے سے ہوگی۔

﴿فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ ”تو (آپ بھی) فیصلہ کریں ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے“

﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ”اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی، اس حق کو چھوڑ کر جو آپ (ﷺ) کے پاس۔“

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ ”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہ عمل طے کر دی ہے۔“

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ موسویٰ شریعتِ محمدیٰ سے مختلف تھی۔ مزید برآں رسولوں کے منہاج (طریق کار) میں بھی فرق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہاج میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک مسلمان امت (بنی اسرائیل) کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ امت جو کہ دبی ہوئی تھی، پس ہوئی تھی، غلام تھی۔ اس میں اخلاقی خرابیاں بھی تھیں، دینی اعتبار سے ضعف بھی تھا، وہ آل فرعون کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے مقصدِ بعثت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان امت کو کافروں کے تسلط اور غلبے سے نجات دلائیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بتایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک مسلمان امت کے لیے مبعوث کیے گئے، یعنی یہودیوں ہی کی طرف۔ اس قوم میں نظریاتی فتور آچکا تھا، ان کے معاشرے میں اخلاقی و روحانی گراؤٹ انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ان کے علماء کی توجہ بھی دین کے صرف ظاہری احکام اور قانونی پہلوؤں پر رہ گئی تھی اور وہ اصل مقاصدِ دین کو بھول چکے تھے۔ دین کی اصل رُوح نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس سارے بگاڑ کی اصلاح کے لیے حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منہج، ایک خاص طریقہ کار عطا فرمایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں میں مبعوث کیا گیا جو مشرک تھے، ان پڑھ تھے، کسی نبی کے نام سے ناواقف تھے سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ ان کا احترام بھی وہ اپنے جدا مجد کے طور پر کرتے تھے، ایک نبی کے طور پر نہیں۔ کوئی شریعت ان میں موجود نہیں تھی، کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ گویا ”ضَلَّ“



ضَلَالًا بَعِيدًا“ کی مجسم تصویر! آپ ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ان میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم جماعت پیدا کی، انہیں حزب اللہ بنایا، اور پھر اس جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ نے کفر، شرک اور ائمہ کفر کے خلاف جہاد و قتال کیا، اور بالآخر اللہ کے دین کو اس معاشرے میں قائم کر دیا۔ یہ منہاج ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ تو یہ مفہوم ہے اس آیت کا ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَآءُ﴾ ”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (طریقہ کار، منہج عمل) مقرر کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت بہت اہم ہے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا“  
﴿وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ ”مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی“

یعنی اللہ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ جس کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے اس کو آزمائے۔ چنانچہ اب ہمارے لیے اصل اُسوہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بلکہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) کے مصداق ہمارے لیے اُسوہ ہے تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر شادی نہیں کی تو یہ ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ ہمیں تو حضور ﷺ کے فرمان کو پیش نظر رکھنا ہے، جنہوں نے فرمایا: ((الِنِكَاحُ مِنْ سُنَّتِي))<sup>(۱)</sup> ”نکاح میری سنت میں سے ہے“۔ اور مزید فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))<sup>(۲)</sup> ”پس جس نے میری سنت کو لائق التفات نہ سمجھا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں“۔ تو واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ ہی کی طرف سے مبعوث تھے اور ہر ایک کے لیے جو بھی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا وہ ان کو عطا کیا، البتہ ہمارے لیے قابل تقلید منہاج محمدی ﷺ ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اس منہج انقلاب نبویؐ کا گہرا شعور حاصل کریں، پھر اس راستے پر اسی طرح چلیں جس طرح حضور ﷺ چلے۔ جس طرح آپ نے دین کو قائم کیا، غالب کیا، ایک نظام برپا کیا، پھر اُس نظام کے تحت اللہ کا قانون نافذ کیا، اسی طرح ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ”تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔“

﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ ”اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے“

﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ”تو وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں

جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔“

**آیت ۲۹** ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ ”اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے

مطابق جو کہ اللہ نے اتاری ہے“

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح۔ و صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب

النکاح لمن تاقت نفسه اليه .....



﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ ”اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے“

آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم کن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟ آج ہم احکامِ الہی کو پس پشت ڈال کر اپنے سیاسی پیشواؤں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں قانون بنا دیتے ہیں جو چاہتے ہیں فیصلہ کر دیتے ہیں اور پوری قوم اس کی پابند ہوتی ہے۔ ہم اس جال سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں کہ ایک زبردست جماعت بنائیں، طاقت پیدا کریں، ایک بھرپور تحریک اٹھائیں، قربانیاں دیں، جانیں لڑائیں تاکہ یہ موجودہ نظام تبدیل ہو، اللہ کا دین قائم ہو اور پھر اس دین کے مطابق ہمارے فیصلے ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کو ایک بار پھر سے تاکید کی جا رہی ہے کہ آپ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کیجیے۔

﴿وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ ”اور ان سے ہوشیار رہیے ایسا نہ

ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے۔“

یعنی ہر طرف سے دباؤ آئے گا، لیکن آپ کو ثابت قدمی سے کھڑے رہنا ہے اُس شریعت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ ”پھر اگر وہ روگردانی کریں“

﴿فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ ”تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان

کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔“

یہ دراصل لرزادینے والا مقام ہے۔ اگر ہم اپنے اس ملک کے اندر اسلام کو قائم نہیں کرتے اور ہماری ساری کوششوں کے باوجود دین نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی کوڑا مقدر ہو چکا ہے۔ واضح الفاظ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے احکامات سے منہ موڑیں، شریعت کے فیصلوں کا انکار کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے اور ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ (البروج) کے مصداق انہیں کوئی سزا دینا چاہتا ہے۔

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾ (۴۹) ”اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے

اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔“

**آیت ۵۰** ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ ”تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟“

جاہلیت سے مراد حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔ یعنی کیا قانونِ الہی نازل ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ جاہلیت کے دستور، اپنی روایات اور اپنی رسومات پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں مسلمان زمیندار انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اپنی وراثت کے مقدمات میں شریعت کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ رواج کا فیصلہ چاہیے۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (۴۲) ”اور اللہ کے حکم (اور فیصلے) سے بہتر کس کا



حکم ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں۔“  
اللہ تعالیٰ ہمیں اس یقین اور ایمان حقیقی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

## آیات ۵۶ تا ۵۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ نَدِيمِينَ ۗ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ أَنَّهُمْ لَعَكُمْ ۗ حِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۗ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۗ

ع ۱۴

**آیت ۵۱** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ ”اے ایمان والو! یہود و

نصاریٰ کو اپنا دلی دوست (حمایتی اور پشت پناہ) نہ بناؤ۔“

﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۗ﴾ ”وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

ان میں سے بعض بعض کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو اس دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو صورت حال وہ تھی جو ہم قبل ازیں (اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں) پڑھ آئے ہیں: ﴿فَاغْرَبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ﴾ ”پس ہم نے ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکادی روز قیامت تک کے لیے۔“ چنانچہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہمیشہ شدید دشمنی رہی ہے اور آپس میں کشت و خون ہوتا رہا ہے، لیکن زیر نظر الفاظ ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ میں جو پیشین گوئی تھی وہ بیسویں صدی میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ بالفور ڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے بعد کی صورت حال میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ شروع ہوا، جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے زیر اثر اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی، اور اب بھی اگر وہ قائم ہے تو اصل میں انہی عیسائی ملکوں کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ عیسائی اب یہودیوں کی اس لیے پشت پناہی کر رہے ہیں کہ ان کی ساری معیشت یہودی بینکاروں کے زیر تسلط ہے۔ عیسائیوں کی معیشت پر



یہودیوں کے قبضہ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کا یہ گٹھ جوڑ اس درجہ مستحکم ہو چکا ہے کہ آج عیسائیوں کی پوری عسکری طاقت یہودیوں کی پشت پر ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ط﴾ ”اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔“

یعنی جو کوئی ان سے دوستی کے معاہدے کرے گا ان سے نصرت و حمایت کا طلب گار ہوگا، ہماری نگاہوں میں وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۵۱﴾ ”یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“  
آج ہمارے اکثر مسلمان ممالک کی پالیسیاں کیا ہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا فتویٰ کیا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔

**آیت ۵۲** ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ ”تو تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے“

﴿يُسَارِعُونَ فِيهِمْ﴾ ”وہ انہی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں“  
فلاں ملک سے دوستی کا معاہدہ فلاں سے مدد کی درخواست فلاں سے حمایت کی توقع، ان کی ساری بھاگ دوڑ، تگ و دو، خارجہ پالیسی ”يُسَارِعُونَ فِيهِمْ“ کی عملی تصویر ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں روگ یعنی نفاق ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہو، اعتماد اور یقین ہو، اس سے خلوص اور اخلاص کا رشتہ ہو تو پھر اسی سے نصرت و حمایت کی امید ہو اور ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد: ۷) کے وعدے پر یقین ہو!

﴿يَقُولُونَ نَحْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ط﴾ ”وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گردشِ زمانہ (اور کسی مصیبت کے چکر) میں نہ پھنس جائیں۔“

یعنی ہم یہود و نصاریٰ سے اس لیے تعلقات استوار کر رہے ہیں کہ کل کلاں کسی ناگہانی آفت سے بچ سکیں۔  
﴿فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ﴾ ”تو بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور فیصلہ صادر فرمادے“

﴿فِيُضِطُّوا عَلَى مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ نَدِيمِينَ ۝۵۲﴾ ”تو پھر جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں نادم ہونا پڑے۔“

انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی دوستی کا سہارا انہوں نے اپنے زعم میں لے رکھا تھا وہی انہیں دھوکا دے رہے ہیں، ع ”جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہو دینے لگے!“

**آیت ۵۳** ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُ الْأَوْلِيَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ط﴾ ”اور (اُس وقت) اہل ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ وہ



تو تمہارے ساتھ ہیں۔“

﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ﴾ ﴿۵۳﴾ ”ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ

خسارے والے بن کر رہ جائیں گے۔“

اب جو تین آیتیں آرہی ہیں ان میں اہل ایمان کا ذکر ہے جو پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق دے کہ کمر ہمت کس کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا فرمادے کہ اُس کی شریعت کو نافذ کرنا ہے اور الکافرون، الظالمون اور الفاسقون (المائدة: ۲۴، ۲۵ اور ۴۷) کی صفوں سے باہر نکلنا ہے۔ اس طرح کی جدوجہد میں محنت کرنا پڑتی ہے، مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں، تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ ایسے حالات میں بعض اوقات انسان کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور عزم و ہمت میں کچھ کمزوری آنے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر اس راہ کے مسافروں کی ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تین آیات نہایت اہم اور جامع ہیں۔

**آیت ۵۴** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ﴾ ”اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم

میں سے اپنے دین سے“

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ﴾ ”تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں، وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی

قوم کو لے آئے گا“

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ ”جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے“

﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے“

﴿أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”کافروں پر بہت بھاری ہوں گے“

﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے“

﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ ”اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں

کریں گے۔“

یہاں پر جو لفظ يَرْتَدَّ آیا ہے اس کے مفہوم میں ایک تو قانونی اور ظاہری ارتداد ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائے، یہودی یا نصرانی ہو جائے۔ یہ تو بہت واضح قانونی ارتداد ہے، لیکن ایک باطنی ارتداد بھی ہے، یعنی اُلٹے پاؤں پھرنے لگنا، پسپائی اختیار کر لینا۔ اوپر اسلام کا لبادہ توجوں کا توں ہے، لیکن فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ پہلے غلبہ دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے، محنتیں کر رہے تھے، وقت لگا رہے تھے، ایثار کر رہے تھے، انفاق کر رہے تھے، بھاگ دوڑ کر رہے تھے، اور اب کوئی آزمائش آئی ہے تو ٹھنک کر کھڑے رہ گئے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰) میں ارشاد ہے: ﴿كُلَّمَا أَصَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا﴾ ”جب ذرا



روشنی ہوتی ہے ان پر تو اس میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف کھڑے رہ گئے ہیں بلکہ کچھ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے بلکہ تم اللہ کے محتاج ہو۔ تمہیں اپنی نجات کے لیے اپنے اس فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے پسائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا اور کسی دوسری قوم کو لے آئے گا، کسی اور کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے گا۔

یہاں پر مؤمنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں جو تین جوڑے آئے ہیں ان پر ذرا دوبارہ غور کریں:

(۱) ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ ”اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔“ (اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!)

(۲) ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت ہوں گے۔“ یہی مضمون سورۃ الفتح (آیت ۲۹) میں دوسرے انداز سے آیا ہے: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ ”آپس میں بہت رحیم و شفیق، کفار پر بہت سخت“۔ بقول اقبال:۔

ہو حلقہٴ یاراں تو بریشم کی طرح نرم  
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

(۳) ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ ”اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔“ ان کے رشتہ دار ان کو سمجھائیں گے، دوست احباب نصیحتیں کریں گے کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ تم fanatic ہو گئے ہو؟ تمہیں اولاد کا خیال نہیں، اپنے مستقبل کی فکر نہیں! مگر یہ لوگ کسی کی کوئی پروا نہیں کریں گے، بس اپنی ہی دھن میں مگن ہوں گے۔ اور ان کی کیفیت یہ ہوگی:۔

تہا نہیں لوٹی کبھی آواز جس کی  
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی

تہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار  
گر بے ہیں بہت اہل حکم بر سر دربار

چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت  
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

یہ ایک کردار ہے جس کو واضح کرنے کے لیے دو دو اوصاف کے یہ تین جوڑے آئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اس کردار کو عملاً اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے بھائیوں، عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کو دیکھتے ہو



کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہوا ہے، انہوں نے کیسے کیسے مرحلے سر کر لیے ہیں، کیسی کیسی بازیاں جیت لیں ہیں، تو تم بھی اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ تمہیں بھی ہمت دے گا۔ اس لیے کہ اس دین کے کام میں اس قسم کا رشک بہت پسندیدہ ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رشک آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر۔ جب غزوہ تبوک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو آپ نے سوچا کہ آج تو میں ابو بکر سے بازی لے جاؤں گا، کیونکہ اتفاق سے اس وقت میرے پاس خاصا مال ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پورے مال کے دو برابر حصے کیے اور پورا ایک حصہ یعنی آدھا مال لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کہا میں نے جان لیا کہ ابو بکر سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ تو دین کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (المائدة: ۲۸) یعنی نیکیوں میں خیر میں بھلائی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہو!

اب پھر اہل ایمان کو دوستانہ تعلقات کے معیار کے بارے میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اہل ایمان کی دلی دوستی کفار سے، یہود ہنود اور نصاریٰ سے ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر دین کی غیرت و حمیت ہوگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں ہوگی تو ان کے دشمنوں سے دلی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔

**آیت ۵۵** ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ، اُس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل ایمان ہیں“

تمہارے دوست، پشت، پناہ، حمایتی، معتمد اور رازدار تو بس اللہ، اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ہیں۔ اور یہ اہل ایمان بھی پیدائشی اور قانونی مسلمان نہیں، بلکہ:

﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝۵۵﴾ ”جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔“

یہاں وَهُمْ رَاكِعُونَ کا مطلب ”وہ رکوع کرتے ہیں“ صحیح نہیں ہے۔ یہ درحقیقت زکوٰۃ دینے کی کیفیت ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فروتنی کرتے ہوئے۔ ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۳) میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق کون لوگ ہیں: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ.....﴾ جو اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے پاس اب اپنی معاشی جدوجہد کے لیے وقت نہیں ہے۔ لیکن وہ فقیر تو نہیں کہ آپ سے جھک کر مانگیں، یہ تو آپ کو جھک کر فروتنی کرتے ہوئے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ آپ انہیں دیں اور وہ قبول کر لیں تو آپ کو ان کا ممنون احسان ہونا چاہیے۔

**آیت ۵۶** ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ، اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان والوں کے ساتھ“

یوں سمجھ لیں کہ یہاں یہ فقرہ محذوف ہے: ”تو وہ شامل ہو جائے گا حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) میں۔“

﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝۵۶﴾ ”پس سن لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہنے والی ہے۔“



یہ شرائط پہلے پوری کی جائیں، ان تمام معیارات پر پورا اتر جائے، اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھا جائے، تو پھر یقیناً حزب اللہ ہی غالب رہے گی۔

## آیات ۷۶ تا ۷۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى  
الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُؤًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ  
تَنقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ ۚ وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ  
فَاسِقُونَ ۝ قُلْ هَلْ أَنْبَيْتُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ  
عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن  
سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ  
أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ  
السُّحْتَ ۚ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ  
وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ  
أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا ۚ بَلْ يَدُهُ مَبْسُوتَاتٌ لَا يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا  
مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى  
يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلُّهَا أَوْقَدُوا نَارَ الْحَرْبِ أَطْفَاهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ  
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ  
وَلَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ  
رَبِّهِمْ لَا كَلُومًا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمَنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ

سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝

**آیت ۷۵** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ﴾ ”اے اہل ایمان، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے  
تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور  
دوسرے کافروں میں سے بھی۔“

پھر وہی بات فرمائی گئی کہ مشرکین اور اہل کتاب میں سے کسی کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔



﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾﴾ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مومن ہو۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُؤًا وَلَعِبًا ۗ﴾ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔“

یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾﴾ ”یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ عقل سے عاری ہیں۔“

**آیت ۵۹** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ (اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ اے کتاب والو!

﴿هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا﴾ ”تم کس بات کا انتقام لے رہے ہو ہم سے؟“

﴿إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ﴾ ”سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر“

﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ ”اور (اس پر) جو ہم پر نازل کیا گیا“

﴿وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ﴾ ”اور (اس پر بھی) جو پہلے نازل کیا گیا“

﴿وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَسِقُونَ ﴿۵۹﴾﴾ ”اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔“

**آیت ۶۰** ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ﴾ ”آپ (ﷺ) کہیے کیا میں تمہیں

بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟“

﴿مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ﴾ ”(وہ لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی“

﴿وَعَضِبَ عَلَيْهِ﴾ ”اور جن پر وہ غضب ناک ہوا“

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾ ”اور جن میں سے اُس نے بندر اور خنزیر بنا دیے“

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۗ﴾ ”اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔“

﴿أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۶۰﴾﴾ ”یہ سب کے سب بہت بُرے مقام میں

ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے۔“

**آیت ۶۱** ﴿وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا﴾ ”اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان

لے آئے“

﴿وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۗ﴾ ”حالانکہ وہ داخل بھی ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور

نکلے بھی ہیں کفر کے ساتھ۔“

میرے نزدیک یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر سورہ آل عمران (آیت ۷۲) میں آیا ہے

جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ ان کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفر

کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے ہیں ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں ایمان کی حلاوت نصیب نہیں



ہوئی۔ وہ شعوری طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ رہنا تو ہمیں اپنے دین پر ہے، لیکن اسلام کی جو ساکھ بن گئی ہے اس کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہم یہ دھوکہ اور سازش کر رہے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾ ﴿۶۱﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے تھے۔“

**آیت ۶۲** ﴿وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ”اور تم دیکھو گے ان میں سے اکثر کو کہ بہت بھاگ دوڑ کرتے ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی (کے کاموں) میں“

﴿وَآكَلِهِمُ السُّحْتُ﴾ ”اور حرام کے مال کھانے میں۔“

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿۶۲﴾ ”بہت ہی برا عمل ہے جو وہ کر رہے ہیں!“

**آیت ۶۳** ﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَآكَلِهِمُ السُّحْتُ﴾ ”کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیر و مرشد) اور علماء و فقہاء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟“

آج ہمارے ہاں بھی اکثر و بیشتر پیر اپنے مریدوں کو حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ انہیں اس میں سے نذرانے مل جانے چاہئیں اللہ اللہ خیر سلا۔ کہاں سے کمایا؟ کیسے کمایا؟ اس سے کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ اللہ والوں کا کام تو برائی سے روکنا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ﴿۶۳﴾ ”بہت بُرا ہے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں۔“

**آیت ۶۴** ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ﴾ ”اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا۔“

ان کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت جو ہمارے لیے تھی وہ بند ہو گئی ہے، نبوت کی رحمت ہمارے لیے مختص تھی اور اب یہ دستِ رحمت ہماری طرف سے بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو منافقین کہا کرتے تھے کہ اللہ ہم سے قرضِ حسنه مانگتا ہے تو گویا اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم اغنیاء ہیں۔ جواب میں فرمایا گیا:

﴿غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ﴾ ”ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں“ یا ”بندھ جائیں ان کے ہاتھ“

﴿وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا﴾ ”اور ان پر لعنت ہے اس کے سبب جو انہوں نے کہا“

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ ”بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں“

﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ ”وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔“

﴿وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ ”اور یقیناً اضافہ

کرے گا ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں جو کچھ (اے نبی ﷺ!) نازل کیا گیا ہے آپ پر آپ کے رب کی طرف سے۔“

یعنی ضد میں آکر انہوں نے حق و صداقت پر مبنی اس کلام کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے جیسے جو جو احسانات بھی آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو غیبتیں دے رہا ہے، دین کو رفتہ رفتہ جو غلبہ حاصل ہو رہا ہے، اس کے حسد کے نتیجے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی



بڑھتی جا رہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد تو خاص طور پر عرب کے اندر بہت تیزی کے ساتھ صورتحال بدلنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے حق ہے اور یک سو ہو کر اس کا ساتھ دیتے، ان کے اندر کی جلن اور حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

﴿وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ط﴾ ”اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔“

﴿كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ﴾ ”جب کبھی یہ آگ بھڑکاتے ہیں جنگ کے لیے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے“

جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہودی اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر غزوہ احزاب تو ان ہی کی سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ مدینے کے یہودی قبائل عرب کے پاس جا جا کر ادھر ادھر و فذ بھیج کر لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ آؤ تم باہر سے حملہ کرو، ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ ان کی انہی سازشوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ط﴾ ”اور (پھر بھی) یہ زمین میں فساد مچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔“

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾﴾ ”اور اللہ ایسے مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔“

**آیت ۶۵** ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ ”اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے“

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ ”تو ہم ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دیتے“

﴿وَلَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۶۵﴾﴾ ”اور ہم لازماً انہیں داخل کرتے نعمتوں والے باغوں میں۔“

جو آیت آگے آرہی ہے اس پر غور کیجیے اور اسے خود پر بھی منطبق کر کے ذرا سوچیے۔

**آیت ۶۶** ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”اور اگر انہوں نے

قائم کیا ہوتا تو تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے“

﴿لَا كَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ط﴾ ”تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں

کے نیچے سے بھی۔“

یعنی ہم نے انہیں تورات اس لیے دی تھی کہ اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے۔ اسی سورت کے ساتویں رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں اس کا مفصل ذکر ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے فیصلے تورات کے احکامات کے مطابق کرو۔ اس سے اگلا مرحلہ اس پورے نظام کے نفاذ کا تھا جو تورات نے دیا تھا۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کا وہ نظام قائم کیا ہوتا تو ان کے اوپر سے بھی ان کے



رب کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دھارے پھوٹتے۔ اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم بھی قرآن کے نظام کو قائم کریں۔

﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط﴾ ”ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔“

﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۳۶﴾﴾ ”لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بری

حکمتیں کر رہے ہیں۔“

ان کا عمل اور رویہ نہایت غلط ہے۔

## آیات ۶۷ تا ۷۷

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللَّهُ  
يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى  
شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ط وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا  
مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿۳۸﴾ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ  
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۴۰﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَارْسَلْنَا  
إِلَيْهِمْ رَسُولًا ط كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿۴۱﴾  
وَحَسِبُوا أَنَّهُمْ لَنُؤْتِيَهُمْ مَّا عَدَّوْا وَعَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَبُّوا كَثِيرًا مِّنْهُمْ ط  
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۴۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ  
الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ رَبِّي وَرَبُّكُمْ ط إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ  
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۴۳﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ  
ثَلَاثُ ثَلَاثٍ ط وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ط وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۴﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۵﴾ مَا  
الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ط كَانَ يَأْكُلُ  
الطَّعَامَ ط أَنْظِرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اتَّعَبُونَ مِنْ دُونِ  
اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ط وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۷﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا  
فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ  
سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۴۸﴾



**آیت ۶۷** ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ﴾ ”اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ

نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔“

﴿وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ﴾ ”اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے

اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔“

اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ بہت سخت آیت ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اگر وحی میں کہیں رسول اللہ ﷺ پر تنقید نازل ہوئی ہے تو وہ بھی قرآن میں جوں کی توں موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایسی چیزوں کو چھپا لیا گیا ہو۔ تیسویں پارے میں سورۃ عبس کی ابتدائی آیات ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى ۙ ۱ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۙ ۲﴾ بھی ویسے ہی موجود ہیں جیسے نازل ہوئی تھیں۔ سورۃ آل عمران میں بھی ہم پڑھ کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ.....﴾ (آیت ۱۲۸)۔ ظاہر ہے الْعَبْدُ عَبْدٌ وَإِنْ تَرَقَّى وَالرَّبُّ رَبٌّ وَإِنْ تَنَزَّلَ! ”بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے اور رب رب ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرمائے۔“ اس طرح کی آیات اپنی جگہ پر من و عن موجود ہیں اور یہ قرآن کے محفوظ من اللہ ہونے پر حجت ہیں۔ آیت زیر نظر میں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وحی الہی میں سے کوئی چیز کسی وجہ سے پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ لوگوں کے خوف سے یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے بالفرض اگر ایسا ہوا تو گویا آپ ﷺ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کا ثبوت دیں گے۔

﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ﴾ ”اور اللہ آپ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔“

آپ کو لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۙ ۶۷﴾ ”یقیناً اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔“

**آیت ۶۸** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے کتاب والو تم

کسی چیز پر نہیں ہو“

تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے، کوئی مقام نہیں ہے، کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے، تم ہم سے ہم کلام ہونے کے مستحق

نہیں ہو۔

﴿حَتَّىٰ تَقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ﴾ ”جب تک تم قائم نہ کرو

تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔“

اب امت مسلمہ کے حوالے سے اس آیت کو آپ اس طرح پڑھ لیجیے: يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ

حَتَّىٰ تَقِيمُوا الْقُرْآنَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ”اے قرآن کے ماننے والو! تمہاری کوئی حیثیت

نہیں.....“ تم سمجھتے ہو کہ ہم امت مسلمہ ہیں، اللہ والے ہیں، اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں، اللہ کے آخری



رسول ﷺ کے امتی ہیں۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ذلت و خواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے ہر طرف سے تم پر یلغار ہے، عزت و وقار نام کی کوئی شے تمہارے پاس نہیں رہی۔ تم کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہو دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں، بلکہ تم اس سے زیادہ بے توقیری کے لیے بھی تیار رہو۔ یاد رکھو! ”تمہاری کوئی اصل نہیں جب تک تم قائم نہ کرو قرآن کو اور اس کے ساتھ جو کچھ مزید تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔“ قرآن وحی جلی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے بھی تو احکامات ملتے تھے اور سنت رسول وحی خفی کا ظہور ہی تو ہے۔ تو جب تک تم کتاب و سنت کا نظام قائم نہیں کرتے، تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ”یا اھل القرآن“ کا خطاب خود حضور ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ میرے کتابچے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ میں وہ حدیث موجود ہے جس میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

(( يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ، وَاتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَفْشُوهُ وَتَغْنُوهُ وَتَدَبَّرُوهُ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ )) (۱)

”اے اہل قرآن، قرآن کو اپنا تکیہ نہ بنا لینا، بلکہ اسے پڑھا کرو رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی، جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، اور اسے عام کرو اور خوش الحانی سے پڑھو اور ۲۱، ۳۰ تدبر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

(( وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا )) (۲) ”لیکن (اے نبی ﷺ!)“

جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے یہ ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کرے گا۔“

ان کی سرکشی اور طغیانی میں اور اضافہ ہوگا، ان کی مخالفت اور بڑھتی چلی جائے گی، حسد کی آگ میں وہ مزید جلتے چلے جائیں گے۔

(( فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ )) (۳) ”تو آپ ان کافروں کے بارے میں افسوس نہ کریں۔“

نبی چونکہ اپنی امت کے حق میں نہایت رحیم و شفیق ہوتا ہے لہذا قوم پر عذاب کے تصور سے اسے صدمہ ہوتا ہے۔ پھر خصوصاً جب وہ لوگ اپنی برادری بھی ہوں، جیسا کہ بنی اسماعیل تھے، تو یہ رنج و صدمہ دو چند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب قریش مکہ کے بارے میں سورہ یونس اور سورہ ہود میں عذاب کی خبریں آنا شروع ہوئیں تو حضور ﷺ بہت فکر مند اور غمگین رہتے۔ اس فکر اور تشویش کی وجہ سے آپ کے بالوں میں یک دم سفیدی آگئی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، حضور ﷺ کیا ہوا؟ آپ پر بڑھا پا طاری ہو گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (( شَيْبَتِي هُوَ وَأَخْوَاتُهَا )) (۴) ”مجھے سورہ ہود اور اس کی بہنوں (ہم مضمون سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے۔“

(۱) رواہ البيهقي في شعب الایمان، عن عبدة الملیکی۔ مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة ودروس القرآن۔

(۲) مشکاة المصابیح، کتاب الرقاق، باب البكاء والخوف، بحوالہ الترمذی۔ سلسلہ الاحادیث الصحیحة للالبانی ۶۴۱۲ و ۶۴۲۔



ان سورتوں کا انداز ایسا ہے کہ جیسے اب مہلت ختم ہوئی چاہتی ہے اور عذاب کا دھارا چھوٹنے ہی والا ہے۔

**آیت ۶۹** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِغُونَ وَالنَّصَارَى﴾ ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی، صابی اور نصاریٰ (عیسائی) ہوئے“

اس آیت میں تقریباً وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آٹھویں رکوع (آیت ۶۲) میں آچکا ہے جس سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ شاید نجات کے لیے ایمان بالرسالت کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ سورۃ النساء (آیات ۵۰، ۵۱ اور ۵۲) میں اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کے لیے بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا﴾ ”وہی لوگ تو پکے کافر ہیں“۔ دوسری بات یہاں ذہن میں یہ رکھیے کہ ان تمام سورتوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت قدم قدم پر ہے بار بار ہے لہذا اس سے استغناء کا کوئی جواز رہتا ہی نہیں سوائے اس کے کہ کسی کی نیت میں فساد ہو اور دل میں کجی پیدا ہو چکی ہو۔

﴿مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۶۹) ”(اپنے اپنے زمانے میں جس قوم اور جس گروہ سے) جو کوئی ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اس نے اچھے عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔“

یہاں وہ تمام لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے تھے اور اپنے وقت کے نبی اور گزشتہ انبیاء پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے ما قبل زمانہ میں یہودی تھے جو کتاب اللہ تو رات پر یقین رکھتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے دوسرے نبیوں کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے۔ لیکن عمل کے معاملے میں اصل چیز اور اصل بنیاد اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی جزا طلبی ہے جس سے کوئی عمل عمل صالح بنتا ہے۔

**آیت ۷۰** ﴿لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَآرَسَلْنَا إِلَيْهِمُ رُسُلًا﴾ ”ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔“

یہاں بہت سے رسول بھیجنے سے مراد ہے بہت سے انبیاء بھیجے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن مجید میں رسول کا لفظ نبی کی جگہ بھی استعمال ہوا ہے البتہ جہاں تک لفظ رسول کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں رسول صرف ایک آئے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام باقی سب نبی تھے۔ ﴿كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ﴾ ”(لیکن) جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی رسول لے کر آیا وہ چیز جو ان کی خواہشات نفس کے خلاف تھی“

﴿فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ﴾ ”تو ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو وہ قتل کرتے رہے۔“

**آیت ۷۱** ﴿وَحَسِبُوا إِلَّا تَكُونُ فِتْنَةً﴾ ”اور انہوں نے سمجھا کہ ان پر کوئی پکڑ نہیں آئے گی“



ہم پر کوئی عقوبت نہیں ہوگی، کوئی سرزنش نہیں ہوگی۔

﴿فَعَمُّوْا وَصَمُّوْا﴾ ”تو وہ بہرے بھی ہو گئے اور اندھے بھی ہو گئے“

﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”پھر اللہ نے انہیں معاف کر دیا“

اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں فوراً نہیں پکڑا۔ انہیں توبہ کی مہلت دی، موقع دیا۔

﴿ثُمَّ عَمُّوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ط﴾ ”(نتیجہ یہ ہوا کہ) پھر ان میں سے اکثر لوگ اور زیادہ

اندھے اور بہرے ہو گئے۔“

بجائے اللہ کے دامنِ رحمت میں آنے کے اپنی گمراہی میں اور بڑھتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَّعْمَلُوْنَ ۝۴۱﴾ ”اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

**آیت ۴۱** ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط﴾ ”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے

جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔“

یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے اسی سورۃ کی آیت ۷۱ میں آچکی ہے، یعنی اللہ ہی نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا

لبادہ اوڑھ لیا ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَبْنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَعْبُدُوْۤا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط﴾ ”جبکہ مسیح نے تو کہا تھا کہ

اے بنی اسرائیل، بندگی اور پرستش کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

﴿اِنَّهُۥ مَنۢ يُشْرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ ”یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو

اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے“

﴿وَمَا وَاوَاهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِّنۡ اَنْصَارٍ ۝۴۲﴾ ”اور اُس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ایسے ظالموں

کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

اب عیسائیوں کے شرک کی ایک دوسری شکل کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا ایک عقیدہ تو خدا کی تجسیم

(God incarnate) کا تھا۔ یہ ان میں سے ایک فرقے Jacobites کا عقیدہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے عیسیٰ

کی شکل میں انسانی روپ دھا رہا ہے۔ اوپر اسی عقیدے کا ذکر ہوا ہے، لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک عقیدہ ”ثلیث“

کا بھی ہے اور اس عقیدہ کی بھی ان کے ہاں دو شکلیں ہیں۔ ابتدا میں جو ثلیث تھی اس میں اللہ حضرت مریم اور

حضرت مسیح شامل تھے۔ یعنی ”God the Father, God the Mother and God the Son.“

در اصل یہ ثلیث مصر میں فراعنہ کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ اسی کے اندر انہوں نے عیسائیت کو ڈھال دیا

تاکہ مصر کے لوگ آسانی سے عیسائیت قبول کر لیں۔ اس کے بعد حضرت مریم کو اس ثلیث میں سے نکال دیا گیا

اور Holy Ghost یا Holy Spirit (روح القدس) کو ان کی جگہ شامل کر لیا گیا اور اس طرح

”God the father, God the Son and God the Holy Ghost“ پر مشتمل ثلیث وجود میں آئی۔



**آیت ۷۳** ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ ”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ ”جبکہ حقیقتاً نہیں ہے کوئی الہ سوائے ایک ہی الہ کے۔“  
 ﴿وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ﴾ ”اور اگر یہ باز نہ آئے اس سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں“  
 ﴿لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”تو ان میں سے جو کافر ہیں ان پر بہت دردناک عذاب آکر رہے گا۔“

**آیت ۷۴** ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ﴾ ”تو کیا یہ لوگ اللہ کی جناب میں توبہ اور اس سے استغفار نہیں کرتے؟“

﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”اور اللہ تو غفور اور رحیم ہے۔“

**آیت ۷۵** ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ ”مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسول تھے۔“

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ”ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔“

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو سورہ آل عمران (آیت ۱۴۴) میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آئے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ”محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔“ تو اسی طرح فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اللہ کے ایک رسول کی ہے جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ ”اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔“

قبل ازیں ہم سورہ النساء (آیت ۶۹) میں پڑھ چکے ہیں کہ نبیوں کے بعد سب سے اونچا درجہ صدیقین کا ہے۔ خواتین کو اگرچہ نبوت تو نہیں ملی ہے لیکن انبیاء کے بعد کا جو دوسرا درجہ ہے اس میں بہت چوٹی کی حیثیتیں انہیں ملی ہیں۔ ہماری امت کی صدیقہ الکبریٰ یعنی سب سے بڑی صدیقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں (صدیق اکبر کی حیثیت اس امت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدیقہ ہیں۔ اسی طرح حضرت مریم بھی صدیقہ تھیں۔

﴿كَانَا يَأْكُلِنِ الطَّعَامَ﴾ ”وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔“

وہ ماں بیٹا دونوں انسان تھے بشر تھے اور سارے بشری تقاضے ان کے ساتھ تھے۔

﴿أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ نَمْ أَنْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ ”دیکھو کس طرح ہم ان کے

لیے اپنی آیات واضح کرتے ہیں پھر دیکھو کہ وہ کہاں سے الٹا دیے جاتے ہیں۔“

**آیت ۷۶** ﴿قُلْ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ ”آپ کہیے کیا تم



پوجتے ہو اللہ کے سوا انہیں جو تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا؟“

﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۵۶﴾﴾ ”جبکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

**آیت ۷۷** ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ”کہہ دیجیے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو“

یہ تم نے حضرت عیسیٰ کو محبت اور عقیدت کی وجہ سے جو کچھ بنا دیا ہے وہ سراسر مبالغہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی مبالغہ آرائی اگر لوگ کرتے ہیں تو محبت کی وجہ سے کرتے ہیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرتے ہیں، عقیدت کے غلو کی وجہ سے کرتے ہیں۔ تو غلو (مبالغہ) درحقیقت انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور مت پیروی کرو ان لوگوں کی بدعات کی جو تم سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہوئے“

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، یہ تثلیث مصر میں زمانہ قدیم سے موجود تھی، اسی کو انہوں نے اختیار کیا۔ ﴿وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷۸﴾﴾ ”اور انہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“

### آیات ۷۸ تا ۸۶

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۹﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ ﴿۸۲﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَسِيصِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۳﴾ وَإِذْ سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۴﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۵﴾ فَأَنبَأَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۶﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ

الجزء السابع (۷)

أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۷﴾



**آیت ۷۸** ﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط﴾  
 ”لعنت کی گئی ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان سے اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بھی۔“

بنی اسرائیل کا جو کردار رہا ہے اس پر ان کے انبیاء ان کو مسلسل لعن طعن کرتے رہے ہیں۔ عہد نامہ قدیم (Old Testament) میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ گوسپلز / عہد نامہ جدید (New Testament) میں حضرت مسیح علیہ السلام کے تنقیدی فرمودات بار بار ملتے ہیں جن میں اکثر ان کے علماء اہبار اور صوفیاء مخاطب ہیں کہ تم سانپوں کے سنیو لیے ہو۔ تمہارا حال ان قبروں جیسا ہے جن کے اوپر تو سفیدی پھری ہوئی ہے، مگر اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے اوپر صرف مذہبی لبادے اوڑھے ہوئے ہیں، لیکن تمہارے اندر خیانت بھری ہوئی ہے۔ تم چھڑ چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نکل جاتے ہو یعنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو زور دار بحثیں ہوتی ہیں جبکہ بڑے بڑے گناہ کھلے بندوں کرتے ہو۔ یہ تو یہودی قوم اور ان کے علماء کے کردار کی جھلک ہے ان کے اپنے نبی کی زبان سے، مگر دوسری طرف یہی نقشہ بعینہ آج ہمیں اپنے ہاں علماء سوء میں بھی نظر آتا ہے۔

**﴿ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾** ﴿۷۸﴾ ”یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔“

**آیت ۷۹** ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط﴾ ”یہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے ان منکرات سے جو وہ کرتے تھے۔“

جس معاشرے سے نبی عن المنکر ختم ہو جائے گا، وہ پورا معاشرہ سنڈ اس بن جائے گا۔ یہ تو گویا انتظام صفائی ہے۔ اس لیے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارد گرد نگاہ رکھے ایک دوسرے کو روکتا رہے کہ یہ کام غلط ہے یہ مت کرو! جس معاشرے سے یہ تنقید اور احتساب ختم ہو جائے گا، اس کے اندر لازماً خرابی پیدا ہو جائے گی۔

**﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾** ﴿۷۹﴾ ”بہت ہی برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔“

**آیت ۸۰** ﴿تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط﴾ ”تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔“

خود کافروں کے حمایتی بنتے ہیں اور اپنے لیے ان کی حمایت تلاش کرتے ہیں۔

**﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾** ”بہت ہی بُری کمائی ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے

بھیجی ہے“

یہ ان کے جو کروت ہیں وہ سب آگے اللہ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا وبال ان پر آئے گا۔

**﴿أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾** ”یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا ان پر“



﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

**آیت ۸۱** ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ﴾ اور اگر یہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی (ﷺ) پر اور اس پر جو نبی پر نازل کیا گیا (یعنی قرآن حکیم)۔“

﴿مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ ”تو پھر انہوں نے ان (کافروں) کو اپنا ولی نہ بنایا ہوتا“

﴿وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ﴾ ”لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔“

**آیت ۸۲** ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ ”تم لازماً پاؤ گے اہل ایمان کے حق میں شدید ترین دشمن یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں۔“

یہ بہت اہم آیت ہے۔ مکہ کے بت پرست مشرکین مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے وہ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں سے بدترین دشمنی یہود کی تھی وہ آستین کے سانپ تھے اور سازشی انداز میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں مشرکین مکہ سے کہیں آگے تھے۔ آج بھی یہود اور بت پرست ہندو مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔ بت پرستی کا شرک اب تو صرف ہندوستان میں رہ گیا ہے اور کہیں نہیں رہا۔ ہندوستان کے بھی اب یہ صرف نچلے طبقے میں ہے جبکہ عام طور پر اوپر کے طبقے میں نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اب بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور ہنود (مشرکین) کا گٹھ جوڑ ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرُكَ﴾ ”اور تم لازماً پاؤ گے موڈت

کے اعتبار سے قریب ترین اہل ایمان کے حق میں ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔“

یہ تاریخی حقیقت ہے اور سیرت محمد ﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح کی شدید دشمنی اُس وقت یہود نے آپ ﷺ سے کی ویسی نصاریٰ نے نہیں کی۔ حضرت نجاشی (شاہ حبشہ) نے اُس وقت کے مسلمان مہاجرین کو پناہ دی، مقوقس (شاہ مصر) نے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ ہرقل نے بھی حضور ﷺ کے نام مبارک کا احترام کیا۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ اگر میری پوری قوم مان لے تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا ذکر سورہ آل عمران (آیت ۶۱) میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ مسلمان تو نہیں ہوئے مگر ان کا رویہ انتہائی محتاط رہا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مخالفت میں وہ شدت نہ تھی جو یہودیوں کی مخالفت میں تھی۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ”یہ اس لیے کہ ان

(عیسائیوں) میں عالم بھی موجود ہیں اور درویش بھی اور (اس لیے بھی کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔“

یعنی عیسائیوں میں اُس وقت تک علمائے حق بھی موجود تھے اور درویش راہب بھی جو واقعی اللہ والے تھے۔ بحیرہ راہب عیسائی تھا جس نے حضور ﷺ کو بچپن میں پہچانا تھا۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کی تھی اور آپ کو بتایا تھا کہ آپ پر وہی ناموس نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور



حضرت عیسیٰ (ﷺ) پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل تھے تو عرب کے رہنے والے، لیکن وہ حق کی تلاش میں شام گئے اور عیسائیت اختیار کی۔ وہ عبرانی زبان میں تورات لکھا کرتے تھے۔ یہ اُس دور کے چند عیسائی علماء اور راہبوں کی مثالیں ہیں۔ لیکن وہ قِیسِیْن اور رُہبان اب آپ کو عیسائیوں میں نہیں ملیں گے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اس کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ بعد میں صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو وحشت و بربریت دکھائی، اور ان کے مذہبی پیشواؤں نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی یہ ایسے حقائق ہیں جو تاریخ کے چہرے پر بہت ہی بدنماداغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

**آیت ۸۳** ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ﴾ ”اور جب انہوں نے سنی وہ چیز جو کہ رسول (ﷺ) پر نازل کی گئی تھی“

﴿تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ﴾ ”تو تم دیکھتے ہو کہ حق کی جو پہچان انہیں حاصل ہوئی اس کے زیر اثر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔“

یہ ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ مکی دور میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے تو ان کے ذریعے سے وہاں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا اور عرب میں امن قائم ہو گیا تو حبشہ سے ایک وفد مدینہ آیا جو ستر (۷۰) افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں کچھ نو مسلم بھی شامل تھے۔ آیت زیر نظر میں اس وفد کے ارکان کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے قرآن سنا تو حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ (اور) وہ کہہ رہے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس تو ہمیں لکھ لے گا وہی دینے والوں میں سے۔“

**آیت ۸۴** ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ﴾ ”اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اُس حق پر جو ہم تک پہنچ گیا ہے“

﴿وَنَطْمَعُ أَنْ يَدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور ہمیں تو بڑی خواہش ہے کہ داخل کرے ہمیں ہمارا رب نیکو کار لوگوں کے ساتھ۔“

**آیت ۸۵** ﴿فَاتَّابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”تو اللہ نے ان کے اس قول کے بدلے انہیں وہ باغات عطا کیے جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور یہی بدلہ ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا۔“

جو خوش قسمت نفوس اسلام قبول کریں اور اسلام کے بعد ایمان اور پھر ایمان سے آگے بڑھ کر احسان کے درجے تک پہنچ جائیں ان کا بدلہ یہی ہے۔



**آیت ۸۶** ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ ”رہے وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلادیا ہماری آیات کو تو وہی لوگ ہیں جو جہنمی ہیں۔“

### آیات ۸۷ تا ۹۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْاِيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَوْ هَلِيكُمَا أَوْ كِسْوَتُهُمَا أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجُسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت اور تحلیل و تحریم الہامی شریعتوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی بار بار ان مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ موضوع سورۃ البقرۃ سے مسلسل چل رہا ہے۔ عربوں کے ہاں نسل در نسل رائج مشرکانہ ادہام کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں حلت و حرمت کے غلط تصورات ذہنوں میں پختہ ہو چکے تھے۔ اس قسم کے خیالات ذہنوں، دلوں اور مزاجوں سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے بار بار ان مسائل کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! نہ حرام ٹھہراؤ ان چیزوں کو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے“

﴿وَلَا تَعْتَدُوا﴾ ”اور حد سے تجاوز نہ کرو۔“

بعض اوقات لوگ تقویٰ کے جوش میں اور بہت زیادہ نیکی کمانے کے جذبے میں بھی کئی حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر بیٹھتے ہیں، اس لیے فرمایا گیا کہ حد سے تجاوز نہ کرو۔



﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ﴿۸۷﴾ ”یقیناً اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“  
**آیت ۸۸** ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلالًا طَيِّبًا﴾ ”اور کھاؤ ان حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں“

یعنی وہ چیزیں جو قانونی طور پر حلال ہوں اور ظاہری طور پر بھی صاف ستھری ہوں۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ ﴿۸۸﴾ ”اور اس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے۔“

**آیت ۸۹** ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا تم سے تمہاری ان قسموں میں جو لغو ہوتی ہیں“

قسموں کے سلسلے میں سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں ہدایات گزر چکی ہیں اب یہاں اس ضمن میں آخری حکم آرہا ہے۔ یعنی ایسی قسمیں جو بغیر کسی ارادے کے کھائی جاتی ہیں ان پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جیسے تکیہ کلام کے طور پر واللہ باللہ وغیرہ کا استعمال عربوں کی خاص عادت تھی اور آج بھی ہے۔ ظاہر ہے ایسی طرز گفتگو کو سن کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ شخص باقاعدہ قسم کھا رہا ہے۔ تو ایسی قسم کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾ ”لیکن وہ (ضرور) مواخذہ کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم نے پختہ کیا ہے۔“

عَقَدْتُمْ عقد سے باب تفعیل ہے۔ یعنی پورے اہتمام کے ساتھ ایک بات طے کی گئی اور اس پر کسی نے قسم کھائی۔ اب اگر ایسی قسم ٹوٹ جائے یا اس کو توڑنا مقصود ہو تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ﴾ ”سو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو“

﴿أَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ ”یا ان کو کپڑے پہنانا“

﴿أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ ”یا کسی غلام کو آزاد کرنا۔“

﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾ ”پھر جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے

روزے رکھے۔“

یعنی اگر کسی کے پاس ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی موجود نہ ہو، کوئی شخص خود فقیر اور مفلس ہو، اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

﴿ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ”یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔“

﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ ”اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔“

یعنی جب کسی جائز معاملے میں بالارادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے قسم توڑنے



کی نوبت آجائے تو اسے توڑنے کا باقاعدہ کفارہ دیا جائے۔

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾﴾ ”اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرما رہا ہے تاکہ تم شکر کرو۔“

اب شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حکم آرہا ہے۔

آیت ۹۰ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾﴾ ”اے اہل ایمان! یقیناً شراب اور جوا، بُت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے عمل میں سے تو ان سے بچ کر رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

شراب اور جوئے کے بارے میں تو پہلے بھی حکم آچکا ہے، لیکن ”انصاب“ اور ”ازلام“ کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔ انصاب سے مراد بتوں کے استھان ہیں اور ازلام جوئے ہی کی ایک قسم تھی جس میں اہل عرب تیروں کے ذریعے پانسے ڈالتے تھے، یعنی قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ان تمام کاموں کو یہاں رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ قرار دے دیا گیا۔

آیت ۹۱ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾

”شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے شراب اور جوئے کے ذریعے سے“

یہ بہت اہم بات ہے۔ شراب کے نشے میں انسان اپنا ہوش اور شعور کھو بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ منہ سے کیا بکواس کر رہا ہے اور اس کے اعضاء و جوارح سے کیا افعال سرزد ہو رہے ہیں لہذا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی حالت میں کسی بات یا کسی حرکت سے کیا کیا گل کھلیں گے، کیسے کیسے جھگڑے اور فسادات جنم لیں گے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حکومتی اور ریاستی سطح کے بڑے بڑے راز شراب کے نشے میں پُرا لیے جاتے ہیں۔ تو اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں سے بچانا چاہتا ہے جبکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے مابین عداوت اور بغض پیدا کرے۔ اسی طرح جوئے سے بھی بغض و عداوت کی کونپلیں پھوٹی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی جوئے میں ہار جاتا ہے، پھر پے درپے ہارتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت حال میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ غصے میں آگ بگولا ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسے نظر آ رہا ہے کہ میرا جو حریف مجھ سے جیت رہا ہے وہ کسی محنت کی وجہ سے نہیں جیت رہا۔ کسی نے محنت اور کوشش سے کچھ کمایا ہو تو اس سے دوسرے کو جلن محسوس نہیں ہوتی، لیکن جوئے میں بے محنت کی کمائی ہوتی ہے جسے مخالف فریق برداشت نہیں کر سکتا۔ اس طرح انسانی تعلقات میں کئی منفی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔

﴿وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ﴾ ”اور (شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ) تمہیں روکے

اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔“

اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے والا معاملہ بھی شراب کا تو بالکل واضح ہے، لیکن جوئے میں بھی یونہی ہوتا ہے کہ آدمی ایک بار اس میں لگ جائے تو پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تاش اور شطرنج وغیرہ بھی



ایسے کھیل ہیں کہ ان میں مشغول ہو کر انسان ذکر اور نماز جیسی چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۙ﴾ (۹۱) ”تو اب باز آتے ہو یا نہیں؟“

یہ انداز بہت سخت ہے اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ شراب اور جوئے کے بارے میں ایک واضح ہدایت قبل ازیں آچکی تھی: ﴿فِيهِمَا آثَمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا آكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ط﴾ (البقرة: ۲۱۹) ”ان دونوں کے اندر بہت بڑے گناہ کے پہلو ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے۔“ تو اسی وقت تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا اور باز آ جانا چاہیے تھا۔ اُس پہلے حکم میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت، مشیت اور شریعت کا رخ تو واضح ہو گیا تھا۔ پھر اگلا قدم اٹھایا گیا اور حکم دیا گیا: ”جب تم لوگ شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ.....“ (النساء: ۴۳) اس سے تو پورے طور سے واضح ہو جانا چاہیے تھا کہ دین کا اہم ترین ستون نماز ہے: ((الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ)) (۱) اور یہ شراب نماز سے روک رہی ہے، تو تمہیں یہ چھوڑ دینی چاہیے تھی۔ بہر حال اب آخری بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگئی ہے، تو اسے سن کر کیا اب بھی تم باز نہیں آؤ گے؟

**آیت ۹۲** ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۗ﴾ ”اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور (ان کی نافرمانی سے) بچتے رہو۔“

﴿فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَي رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۙ﴾ (۹۲) ”پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر تو ذمہ داری ہے بس صاف صاف پہنچا دینے کی۔“

یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم پہنچانا رسول کے ذمے تھا، تو رسول نے پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی، اب معاملہ اللہ کا اور تمہارا ہوگا۔ اللہ تم سے حساب لے لے گا۔

اب جو اگلی آیت آرہی ہے یہ بھی قرآن مجید کے فلسفہ اور حکمت کے ضمن میں بہت بنیادی آیت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب کے بارے میں اتنا سخت انداز آیا کہ شراب اور جو گندے شیطانی کام ہیں، ان سے باز آتے ہو یا نہیں؟ تو بہت سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہوگئی کہ ہم جو اتنے عرصے تک شراب پیتے رہے تو یہ گندگی تو ہماری ہڈیوں میں بیٹھ گئی ہوگی۔ آج سائنس کی زبان میں جیسے کوئی شخص کہے کہ میرے جسم کا تو کوئی ایک خلیہ (cell) بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں شراب کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔ تو اب ہم کیسے پاک ہوں گے؟ اب کس طریقے سے یہ گندگی ہمارے جسموں سے دُھلے گی؟ ان کی یہ تشویش بجا تھی۔ جیسے تحویلِ قبلہ کے وقت تشویش پیدا ہوگئی تھی کہ اگر اصل قبلہ بیت اللہ تھا اور ہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو وہ نمازیں تو ضائع ہو گئیں، اور نماز ہی تو ایمان ہے۔ تو اس پر مومنین کی تسلی کے لیے فرمایا گیا تھا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ط﴾ ”اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔“ ایسے ہی یہاں ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا:

(۱) رواہ البيهقي في شعب الایمان - راوی عمر بن الخطاب ؓ



**آیت ۹۳** ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا﴾ ”ان لوگوں پر جو

ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ (پہلے) کھاپی چکے“  
 کسی شے کی حرمت کے قطعی حکم آنے سے پہلے جو کچھ کھایا پیا گیا، اس کا کوئی گناہ ان پر نہیں رہے گا۔ یہ کوئی ہڈیوں میں بیٹھ جانے والی شے نہیں ہے، یہ تو شرعی اور اخلاقی قانون (Moral Law) کا معاملہ ہے، طبعی قانون (Physical Law) کا نہیں ہے۔ طبعی (Physical) طور پر تو کچھ چیزوں کے اثرات واقعی دائمی ہو جاتے ہیں، لیکن Moral Law کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ گناہ تو اُحد پہاڑ کے برابر بھی ہوں تو سچی توبہ سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ از روئے حدیث نبوی: ((التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)) (۱) ”گناہ سے حقیقی توبہ کرنے والا بالکل ایسے ہے جیسے اس نے کبھی وہ گناہ کیا ہی نہیں تھا“۔ صدقِ دل سے توبہ کی جائے تو نامہ اعمال بالکل دھل جاتا ہے۔ لہذا ایسی کسی تشویش کو بالکل اپنے قریب مت آنے دو۔

﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۹۳) ”جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں، پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجہ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔“

یہ دراصل تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ اسلام ہے۔ یعنی اللہ کو مان لیا، رسول کو مان لیا اور اس کے احکام پر چل پڑے۔ اس سے اوپر کا درجہ ایمان ہے، یعنی دل کا کامل یقین، جو ایمان کے دل میں اتر جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (الحجرات: ۷) کے مصداق ایمان قلب میں اتر جائے گا تو اعمال کی کیفیت بدل جائے گی، اعمال میں ایک نئی شان پیدا ہو جائے گی، زندگی کے اندر ایک نیارنگ آجائے گا جو کہ خالص اللہ کا رنگ ہوگا: ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾ (البقرة: ۱۳۸) ”ہم نے تو اختیار کر لیا ہے اللہ کے رنگ کو اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوگا؟“ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جب ایمان ”عین الیقین“ کا درجہ حاصل کر لے تو یہی درجہ احسان ہے۔ حدیث نبوی میں اس کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے: ((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) (۲) ”یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یہ کیفیت اگر پیدا نہیں ہو رہی) تو پھر (یہ کیفیت تو پیدا ہونی چاہیے کہ) وہ تو تجھے دیکھتا ہے“۔ یعنی تم اللہ کی بندگی کرو اللہ کے لیے جہاد کرو اس کی راہ میں بھاگ دوڑ کرو اور اس میں تقویٰ کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ جیسے تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

احسان کی یہ تعریف ”حدیث جبریل“ میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اُمُّ السُّنَّةِ کہا گیا ہے، جیسے سورۃ

(۱) السنن الكبرى للبيهقي ۱۰/۱۵۴ - فتح الباری لابن حجر ۱۳/۴۸۰ - راوی: عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما۔

(۲) صحيح البخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان..... وصحيح

مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، ح ۹ و ۱۰۔ ودیگر کتب احادیث۔



الفاتحہ کو اُمّ القرآن کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح سورۃ الفاتحہ اساس القرآن ہے اسی طرح حدیث جبریل سنت کی اساس ہے۔ اس حدیث میں ہمیں یہ تفصیل ملتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا وہاں انہوں نے کچھ سوالات کیے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلا سوال اسلام کے بارے میں کیا: یَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ! کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، اگر تمہیں اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو“۔ یعنی اسلام کے ضمن میں اعمال کا ذکر آ گیا۔ پھر جبرائیل نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر“۔ اب یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ایمان تو اسلام میں بھی موجود ہے، یعنی زبانی اور قانونی ایمان، لیکن دوسرے درجے میں ایمان کو اسلام سے علیحدہ کیا گیا ہے اور اعمال صالحہ کا تعلق ایمان کے بجائے اسلام سے بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اتر کر یقین کی صورت اختیار کر جائے تو پھر اعمال کا ذکر الگ سے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایمان کے اس مرحلے پر اعمال لازماً درست ہو جائیں گے۔ پھر ایمان جب دل میں مزید گہرا اور پختہ ہوتا ہے تو اعمال بھی مزید درست ہوں گے۔ جیسے جتنا جتنا درخت اوپر جاتا ہے اسی نسبت سے جڑ نیچے گہرائی میں اترتی جاتی ہے۔ ایمان کی جڑ نے دل کی زمین میں قرار پکڑا تو اسلام سے ایمان بن گیا۔ جب یہ جڑ مزید گہری ہوئی تو تیسری منزل یعنی احسان تک رسائی ہو گئی اور یہاں اعمال میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ چنانچہ جب حضرت جبرائیل نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو.....“ آپ کا یہ جواب تین روایتوں میں تین مختلف الفاظ میں نقل ہوا ہے: (۱) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ..... (۲) اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ تَعَالَى كَاَنَّكَ تَرَاهُ..... (۳) اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (۱)۔ اگلے الفاظ: ((فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ)) تینوں روایتوں میں یکساں ہیں۔ یعنی ایک بندہ مؤمن اللہ کی بندگی اللہ کی پرستش اللہ کے لیے بھاگ دوڑ اللہ کے لیے عمل اللہ کے لیے جہاد ایسی کیفیت سے سرشار ہو کر رہا ہو گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو جب اللہ سامنے ہوگا، تو پھر کیسے کچھ ہمارے جذباتِ عبدیت ہوں گے، کیسی کیسی ہماری قلبی کیفیات ہوں گی۔ یہ کیفیت اس دنیا میں بھی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن واقعتاً بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے تو احسان کا ایک اس سے نچلا درجہ بھی ہے۔ یعنی کم از کم یہ بات تو ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو یہ ہیں وہ تین درجے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

”تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں“ مولانا مودودی مرحوم کی ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں مولانا نے اسلام، ایمان، احسان اور تقویٰ چار مراتب بیان کیے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک تقویٰ علیحدہ سے کوئی مرتبہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، ح ۱۱۔ ومسند احمد، ح ۲۷۷۵۔

(۲) مسند احمد، ح ۱۷۹۔



و مقام نہیں ہے۔ تقویٰ وہ روح (spirit) اور وہ قوت محرکہ (driving force) ہے جو انسان کو نیکی کی طرف دھکیلتی اور ابھارتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں تقویٰ کی تکرار کا مفہوم یوں ہے کہ تقویٰ نے آپ کو baseline سے اوپر اٹھایا اور اب آپ کے ایمان اور عمل صالح میں ایک امتیازی رنگ پیدا ہو گیا ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾۔ پھر تقویٰ میں مزید اضافہ ہوا اور تقویٰ نے آپ کو مزید اوپر اٹھایا تو اب آپ کے دل میں یقین والا ایمان پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوا﴾ میں یقین والے ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے یہاں عمل صالح کا علیحدہ ذکر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اتر گیا تو اعمال خود بخود درست ہو گئے۔ پھر تقویٰ اگر مزید رو بہ ترقی ہے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ تو اس کے نتیجے میں ﴿وَأَحْسَنُوا﴾ کا درجہ آجائے گا، یعنی انسان درجہ احسان پر فائز ہو جائے گا۔ (اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ آمِنًا!)

ایمان اور تقویٰ کے ساتھ اعمال کے اس ربط و تعلق کو سمجھنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے:

((أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ،

أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) (۱)

”آگاہ رہو یقیناً جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹوٹھڑا ہے، جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور

جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔“

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۹۴) ”اور اللہ ایسے محسن بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

اللہ کے جو بندے درجہ احسان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

یہاں تقابل کے لیے اس سورہ مبارکہ کی آیت اے بھی ذہن میں تازہ کر لیں۔ اس آیت میں ﴿فَعَمُوا وَصَمُوا..... ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا.....﴾ کے الفاظ میں گمراہی و ضلالت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل حق کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے اندھے اور بہرے ہو گئے، اللہ نے انہیں ڈھیل دی تو اس پر وہ اور بھی اندھے اور بہرے ہو گئے، اللہ نے مزید ڈھیل دی تو وہ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ یہ اُس راستے کا ذکر ہے جس پر انسان قدم بہ قدم گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ مگر ایک راستہ یہ ہے جس کا حوالہ اس آیت میں آیا ہے۔ یعنی ہدایت کا راستہ اسلام، ایمان، احسان، اور تقویٰ کا راستہ، جس پر چلتے ہوئے انسان کو درجہ بہ درجہ ترقی ملتی چلی جاتی ہے۔

## آیات ۹۴ تا ۱۰۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَلْوِكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَلَّاهُ أَيَّدِيكُمْ وَرِمَا حُكْمٍ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ، فَمَن أَعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ط وَمَن قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه۔ وصحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب اخذ

الحلال وترك الشبهات۔







(شکار) کر بیٹھے جان بوجھ کر تو پھر اس کا کفارہ ہوگا اسی طرح کا ایک چوپایہ جیسا کہ اُس نے قتل کیا، کفارے کے طور پر اللہ کی راہ میں ویسا ہی ایک چوپایہ صدقہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر آپ نے ہرن مارا تو بکری یا بھیڑ دی جائے گی اور اگر نیل گائے مار دی تو پھر گائے بطور کفارہ دینا ہوگی۔ اس طرح جس قسم اور جس جسامت کا حیوان شکار کیا گیا ہے اس کے برابر کا چوپایہ صدقہ کرنا ہوگا۔

﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ ”جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے“

یعنی دو متقی اور معتبر اشخاص اس کی گواہی دیں کہ یہ جانور اس شکار کیے جانے والے جانور کے برابر ہے۔

﴿هَدْيًا، بِلِغِ الْكُعْبَةِ﴾ ”یہ نذر کی حیثیت سے خانہ کعبہ تک پہنچایا جائے“

یہ جانور ہدی کے طور پر خانہ کعبہ کی نذر کیا جائے گا۔

﴿أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ﴾ ”یا پھر اس کا کفارہ ہے کچھ مساکین کو کھانا کھلانا“

اس میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اناج یا رقم دینا ہو تو وہ صدقہ فطر کے حساب سے ہوگی۔

﴿أَوْ عَدْلٌ ذَلِكْ صِيَامًا﴾ ”یا اتنے ہی روزے رکھنا“

یہ دیکھنا ہوگا کہ جو جانور شکار ہوا ہے اسے کتنے آدمی کھا سکتے تھے۔ اتنے آدمیوں کو کھانا کھلایا جائے یا اتنے

دن کے روزے رکھے جائیں۔

﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ ”تا کہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔“

﴿عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ ”اللہ معاف کر چکا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔“

﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ”لیکن جو کوئی پھر ایسا کرے گا تو اللہ

اُس سے انتقام لے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام لینے والا۔“

**آیت ۹۶** ﴿أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ ”(البتہ) تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سمندر کا

شکار اور اُس کا کھانا“

سمندر اور دریا کا شکار حالتِ احرام میں بھی حلال ہے۔ حاجی لوگ اگر کشتیوں اور بحری جہازوں کے

ذریعے سے سفر کر رہے ہوں تو وہ احرام کی حالت میں بھی مچھلی وغیرہ کا شکار کر سکتے ہیں۔

﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ ”تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے زادِ راہ کے طور پر۔“

سمندر کی خوراک (sea food) تو یوں سمجھ لیجیے کہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے غذا کا ایک بیش بہا

خزانہ ہے۔ یہ غذا انسان کو بہت سی بیماریوں سے بچانے والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آج کل یہ بہت

مقبول ہو رہی ہے۔

﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ ”لیکن خشکی پر شکار کرنا تمہارے لیے حرام کر دیا

گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔“



﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ﴿۹۶﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس کی طرف تمہیں

جمع کر دیا جائے گا۔“

تم سب اُس کی طرف گھیراؤ کر کے لے جائے جاؤ گے۔

**آیت ۹۷** ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ﴾ ”اللہ نے کعبے کو جو کہ بیت الحرام ہے

لوگوں کے قیام کا باعث بنا دیا ہے“

﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ﴾ ”اور حرمت والا مہینہ قربانی کے جانور اور وہ جانور

بھی جن کے گلوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں“

یہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اسی کے معین کردہ ہیں۔ سورۃ کے شروع میں بھی ان کا ذکر آچکا

ہے۔ یہاں دراصل توثیق ہو رہی ہے کہ یہ سب چیزیں زمانہ جاہلیت کی روایات نہیں ہیں بلکہ خانہ کعبہ کی حرمت اور عظمت کی علامت ہیں۔

﴿ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے“

﴿وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ﴿۹۷﴾ ”اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔“

آگے چل کر ان چیزوں کے مقابلے میں اُن چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو اہل عرب کے ہاں بغیر کسی سند

کے حرام کر لی گئی تھیں۔

**آیت ۹۸** ﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ﴿۹۸﴾ ”جان لو کہ اللہ سزا دینے

میں بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ غفور اور رحیم بھی ہے۔“

یعنی اُس کی تو دونوں شانیں ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اب دیکھو کہ تم اپنے آپ کو اُس کی کس شان کے ساتھ

متعلق کر رہے ہو اور خود کو کیسے سلوک کا مستحق بنا رہے ہو؟ اس کی عقوبت کا یا اس کی رحمت اور مغفرت کا؟

**آیت ۹۹** ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ﴾ ”رسول (ﷺ) پر سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری

نہیں ہے۔“

﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ﴾ ﴿۹۹﴾ ”اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ

تم چھپاتے ہو۔“

جب رسول اللہ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا تو باقی ساری ذمہ داری اب تمہاری ہے۔

**آیت ۱۰۰** ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ ”(اے نبی ﷺ!)

کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔“

انسان تو چاہتا ہے کہ اُس کے پاس ہر شے کی بہتات ہو، لیکن واضح رہے کہ ناجائز اور حرام طریقے سے



کمایا ہو مال جس قدر بھی ہو خبیث اور ناپاک ہی ہے۔ بے شک اس کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہو مگر اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال:۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی  
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ”تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے

ہوش مندو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

## آیات ۱۰۸ تا ۱۰۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ بُدِّلَكُمْ تَسْؤُكُمْ وَإِنْ سَأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنزَلُ  
الْقُرْآنُ تَبَدَّلْكُمْ ط عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰۸﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ  
أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۹﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ﴿۱۱۰﴾ وَلَكِنَّ  
الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ط وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا  
إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ط أُولَٰئِكَ كَانَ أباؤُهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا  
اهْتَدَيْتُمْ ط إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَ  
مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ط تَحْسُونَهَا مِنْ  
بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمُنَّ بِاللَّهِ إِنْ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ﴿۱۱۴﴾ وَلَا نَكْتُمُ  
شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذَا لَمِنَ الْأَثِمِينَ ﴿۱۱۵﴾ فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَن يَقُولُ  
مَقَامُهَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلِيْنَ فَيُقْسِمُنَّ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ  
شَهَادَتَيْهَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ  
وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۱۷﴾

﴿۱۰۸﴾

آیت ۱۰۸ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ بُدِّلَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾ ”اے اہل ایمان!

اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔“



یہ ایک خاص قسم کی مذہبی ذہنیت کا تذکرہ ہے۔ بعض لوگ بلا ضرورت ہر بات کو کھودنے، گریڈ نے اور بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس بارے میں خواہ مخواہ سوال کرنا اپنی ذمہ داری کو بڑھانے والی بات ہے۔ چنانچہ حج کے بارے میں جب سورہ آل عمران (آیت ۹۷) میں حکم نازل ہوا تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے سوال سن لیا لیکن رخ مبارک دوسری طرف کر لیا۔ اب وہ صاحب اُدھر تشریف لے آئے اور پھر عرض کیا، حضور کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ نے پھر اعراض فرمایا۔ جب انہوں نے یہی سوال تیسری مرتبہ کیا تو آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ دیکھو اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم لوگوں پر قیامت تک کے لیے ہر سال حج فرض ہو جائے گا۔ جس وضاحت سے اللہ تعالیٰ نے اعراض فرمایا ہو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ چنانچہ بے جا سوال کر کے تم اپنے لیے تنگی پیدا نہ کرو۔ جیسے گائے کے معاملے میں بنی اسرائیل نے پے در پے سوالات کیے تھے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی عمر کیا ہو؟ اور وہ کیسی گائے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ وہ جتنے سوالات کرتے گئے اتنی ہی شرائط ان پر لاگو ہوتی گئیں۔ اس نوعیت کے وضاحتی سوالات اسی ضمن میں آتے ہیں۔

﴿وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنزَلُ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَكُمُ ط﴾ ”اور اگر تم سوال کرو گے ایسی چیزوں کے

بارے میں جبکہ ابھی قرآن کا نزول جاری ہے تو تمہارے لیے وہ ظاہر کر دی جائیں گی۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت کئی چیزوں کو پردے میں رکھا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کو ظاہر کرنے میں تمہارے لیے تنگی ہو جائے گی، بوجھ زیادہ ہو جائے گا، اور وہ تم پر گراں گزریں گی۔ لیکن اگر سوال کرو گے تو پھر ان کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ط وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾﴾ ”اللہ تعالیٰ نے اس میں درگزر سے کام لیا ہے اللہ بخشنے

والا اور بردبار ہے۔“

بعض چیزوں کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نرمی کی ہے اور تمہیں تنگی سے بچایا ہے، وہ اس لیے ہے کہ وہ غفور اور حلیم ہے۔ یہ کسی نسیان، بھول یا غلطی کی وجہ سے نہیں ہوا (معاذ اللہ!)

**آیت ۱۰۲** ﴿قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”تم سے پہلے ایک قوم (اہل

کتاب) نے اس قسم کے سوالات کیے تھے اور پھر وہ ان کا انکار کرنے والے بن گئے تھے۔“

اب آگے ان چار چیزوں کا ذکر آ رہا ہے جو اہل عرب کے ہاں خواہ مخواہ بہت زیادہ مقدس ہو گئی تھیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اُن چار شعائر کے مقابلے کی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۹۷ میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ﴾ وہاں ان چار چیزوں کی توثیق کی گئی تھی کہ وہ واقعاً اللہ کی شریعت کے اجزاء ہیں، ان کا احترام اور ان کی حرمت کو ملحوظ رکھنا اہل ایمان پر لازم ہے۔ لیکن یہاں توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کچھ چیزیں تمہارے ہاں ایسی رائج ہیں جو دور جاہلیت کے مشرکانہ اوہام کی یادگار ہیں۔ چنانچہ فرمایا:



**آیت ۱۰۳** ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ ”اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے نہ سائبہ نہ وسیلہ اور نہ حام کو“

ان چیزوں کے تقدس کی اللہ کے طرف سے کوئی سند نہیں۔ بحیرہ سائبہ وسیلہ اور حام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، لیکن جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ صحیح بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں وارد ہوئی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی اسے اپنے حواشی میں نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق: بحیرہ: ایسا جانور تھا جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جاتا تھا اور کوئی اسے اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر ہمارے زمانے کے سائڈ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وسیلہ: جو اونٹنی مسلسل مادہ بچوں کو جنم دیتی اور درمیان میں کوئی زبچہ پیدا نہ ہوتا، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام: نراونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہوتا، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے جانوروں کو بتوں کے نام منسوب کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ انہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے، کوئی ان سے استفادہ نہ کرے، کوئی ان کا گوشت کھائے نہ صدقہ دے نہ ان سے کوئی خدمت لے، بس ان کا احترام کیا جائے۔ لہذا واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کوئی احکام نہیں دیے گئے، بلکہ فرمایا:

﴿وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ”لیکن یہ کافر

اللہ پر افترا کرتے ہیں اور ان کی اکثریت عقل سے عاری ہے۔“

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے رہتے ہیں۔

**آیت ۱۰۴** ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ﴾ ”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ

آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ اللہ کے رسول کی طرف“

اس حکم (آؤ اللہ کے رسول کی طرف) کی ترجمانی علامہ اقبال نے کیا خوبصورت الفاظ میں کی ہے:

بمصطفیٰ برسائے خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہی است!

﴿قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ﴾ ”وہ کہتے ہیں ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم

نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔“

یعنی ہمارے آباء و اجداد جو اتنے عرصے سے ان چیزوں پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے تو کیا وہ جاہل تھے؟ یہی باتیں آج بھی سننے کو ملتی ہیں۔ کسی رسم کے بارے میں آپ کسی کو بتائیں کہ اس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے اور صحابہ کے ہاں اس کا کوئی وجود نہیں تھا تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یونہی کرتے دیکھا ہے۔

﴿أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ”خواہ ان کے آباء و اجداد ایسے رہے

ہوں کہ نہ انہیں کوئی علم حاصل ہوا ہو نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں (تو کیا پھر بھی)؟“



جیسے تم اللہ کی مخلوق ہو ویسے ہی تمہارے باپ دادا بھی مخلوق تھے۔ جیسے تم غلط کام کر سکتے ہو اور غلط آراء قائم کر سکتے ہو ویسے ہی وہ بھی غلط کار ہو سکتے تھے۔

**آیت ۱۰۵** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر ذمہ داری ہے صرف اپنی جانوں کی۔“

﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ ”جو کوئی گمراہ ہو جائے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا“ جبکہ تم ہدایت پر ہو۔“

﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کا ایک غلط مطلب اور مفہوم دور صحابہؓ میں ہی بعض لوگوں نے نکال لیا تھا۔ وہ یہ کہ دعوت و تبلیغ کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے ہر ایک پر اپنی ذات کی ذمہ داری ہے کوئی کیا کرتا ہے اس سے کسی دوسرے کو کچھ غرض نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن جو کہہ رہا ہے کہ ”تم پر ذمہ داری صرف اپنی جانوں کی ہے۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہو اوہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا“۔ لہذا ہر کسی کو بس اپنا عمل درست رکھنا چاہیے کوئی دوسرا شخص اگر غلط کام کرتا ہے تو اسے خواہ مخواہ روکنے ٹوکنے اس کی ناراضگی مول لینے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں آئیں تو آپ نے باقاعدہ ایک خطبہ دیا کہ لوگو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس آیت کا مطلب غلط سمجھ رہے ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہاری ساری تبلیغ، کوشش، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود اگر کوئی شخص گمراہ رہتا ہے تو اس کا تم پر کوئی وبال نہیں — سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی جہنمیوں کے بارے میں“۔ یعنی ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تھا اور پھر بھی یہ لوگ جہنم میں کیوں چلے گئے؟ بہر حال دعوت و تبلیغ، نصیحت و موعظت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو فرائض میں سے ہیں۔ اس آیت کی رو سے یہ فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ بلکہ اس آیت کا درست مفہوم یہ ہے کہ تمہاری کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو اب تمہاری ذمہ داری پوری ہوگئی۔ فرض کیجیے کہ کسی کا بچہ آوارہ ہو گیا ہے والد اپنی امکانی حد تک کوشش کیے جا رہا ہے مگر بچہ راہِ راست پر نہیں آ رہا، تو ظاہر بات ہے کہ اگر اس نے بچے کی تربیت اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں چھوڑی تو اللہ کی طرف سے اس کی گمراہی کا وبال والد پر نہیں آئے گا۔

**آیت ۱۰۶** ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ”اے اہل ایمان تمہارے درمیان شہادت (کانصاب) ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو تم میں سے دو معتبر اشخاص (بطور گواہ) موجود ہوں“



یعنی موت سے قبل وصیت کے وقت اپنے لوگوں میں سے دو گواہ (مرد) مقرر کر لو۔ واضح رہے کہ وصیت نکل کر کے کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔

﴿أَوْ آخَرَانِ مِنْ خَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ط﴾  
 ”یا دوسرے دو آدمی تمہارے غیروں میں سے اگر تم زمین میں سفر پر (نکلے ہوئے) ہو اور (حالتِ سفر میں) تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے۔“

یعنی حالتِ سفر میں اگر کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں گواہان غیر قوم، کسی دوسری بستی، کسی دوسری برادری اور دوسرے قبیلے سے بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں، مگر عام حالات میں اپنی بستی، اپنے خاندان میں رہتے ہوئے کوئی شخص انتقال کر رہا ہو تو اسے وصیت کے وقت اپنے لوگوں، رشتہ داروں اور قرابت داروں میں سے ہی دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانا چاہیے۔

﴿تَحْسِبُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ﴾ ”تم ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو“  
 یعنی جب وصیت کے بارے میں متعلقہ لوگ پوچھیں اور اس میں کچھ شک کا احتمال ہو تو نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے۔

﴿فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ أَرْتَبْتُمْ﴾ ”پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں، اگر تمہیں شک ہو“  
 اگر تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک ہو کہ کہیں یہ وصیت کو بدل نہ دیں، کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے تو تم ان سے قسم اٹھو لو۔ وہ نماز کے بعد مسجد میں حلف کی بنیاد پر شہادت دیں، اور اس طرح کہیں:  
 ﴿لَا نَشْتَرِي بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾ ”ہم اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کریں گے، اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو“

یعنی ہم اس شہادت سے نہ تو خود کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے، نہ کسی کے حق میں کوئی ناانصافی کریں گے اور نہ ہی کسی رشتہ دار عزیز کو کوئی ناجائز فائدہ پہنچائیں گے۔

﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ﴾ ”اور نہ ہم چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو“  
 غور کریں گواہی اتنی عظیم شے ہے کہ اسے شہادۃ اللہ کہا گیا ہے، یعنی اللہ کی گواہی، اللہ کی طرف سے امانت۔

﴿إِنَّا إِذَا لَمِنَ الْأَيْمِينَ﴾ ”اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے۔“  
**آیت ۱۰۷** ﴿فَإِنْ عُنِيَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّ إِثْمًا﴾ ”پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کمایا ہے“

حلیہ بیان بھی غلط دیا ہے اور وصیت میں ترمیم کی ہے، اس کے باوجود کہ نماز کے بعد مسجد کے اندر حلف اٹھا کر بات کر رہے ہیں۔ آخر انسان ہیں اور ہر معاشرے میں ہر طرح کے انسان ہر وقت موجود رہتے ہیں۔



﴿فَاٰخِرٰنِ يَقُوْمُنِ مَقَامَهُمَا﴾ ”تو اب دو اور لوگ ان کی جگہ پر کھڑے ہوں“  
 ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلٰئِيْنَ﴾ ”ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی کی ہے ان پہلے دو  
 لوگوں نے“

اب وہ کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارا حق تلف کر رہے ہیں، انہوں نے وصیت کے اندر خیانت کی ہے۔  
 ﴿فَيُقْسِمُنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتَيْهِمَا﴾ ”پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری  
 گواہی زیادہ برحق ہے ان دونوں کی گواہی سے“  
 ﴿وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّا اِذَا لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ”اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے اگر ایسا ہو تو  
 یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔“

**آیت ۱۰۸** ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَّجْهَيْهَا﴾ ”یہ طریقہ کار قریب تر ہے کہ اس سے  
 لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت پیش کریں“

﴿اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تَرُدَّ اِيْمَانُۙ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ط﴾ ”یا (کم از کم) انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں  
 ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔“  
 کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھا بھی لی، اور پھر اگر دوسرا فریق بھی قسم کھا گیا، تو ہمارا  
 منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا۔ لہذا وہ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَسْمَعُوْا ط﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سن رکھو۔“

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ”اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اسی طرح کا معاملہ سورۃ النور (آیات ۶ تا ۹) میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری  
 کرتے ہوئے دیکھے اور اس کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہو تو وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا  
 ہوں۔ تو اس ایک شخص کی گواہی چار گواہوں کے برابر ہو جائے گی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی بتایا  
 ہے کہ اگر بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، مجھ پر تہمت لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ  
 کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر اس کا الزام درست ہو، تو شوہر کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔ اس طرح دونوں  
 طرف سے اللہ تعالیٰ نے معاملے کو متوازن کیا ہے۔

اب آخری دور کو اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس مکالمے کا  
 نقشہ کھینچا گیا ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔ اور اس کے پس منظر میں گویا ایک پوری داستان ہے جو ایک نئی شان  
 سے سامنے آئی ہے۔



## آیات ۱۰۹ تا ۱۱۵

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِإِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝  
 إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ  
 الْقُدُسِ ۖ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ  
 وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي  
 وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ  
 عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَإِذْ  
 أُوحِيَتْ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۖ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ إِذْ قَالَ  
 الْحَوَارِيُّونَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ  
 قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْبِئَنَّا قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ  
 قَدْ صَدَقْتُنَا وَنَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ  
 عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ  
 الرَّزَاقِينَ ۝ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مَنَزِلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا  
 أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

**آیت ۱۰۹** ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمْ ۖ﴾ (اُس دن کا تصور کرو) جس دن اللہ

تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا آپ لوگوں کو کیا جواب ملا تھا؟

آپ لوگوں کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوموں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟

﴿قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِإِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝﴾ ”وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، تو ہی

بہتر جاننے والا ہے غیب کی باتوں کا۔“

وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں زبان کھولنے سے گریز کریں گے اور کہیں گے کہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے

والا ہے ہر حقیقت تجھ پر منکشف ہے۔

**آیت ۱۱۰** ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ”جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ ابن مریم“

اب روز قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاص پیشی کا منظر ہے۔ دنیا میں ان کی پرستش کی گئی، ان کو اللہ کا بیٹا

بنایا گیا ثالث ثلاثہ قرار دیا گیا۔ لہذا اب آنجناب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جو شرمندگی اٹھانا پڑے گی، اس کا نقشہ

کھینچا جا رہا ہے جب اللہ ان کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم:



﴿اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ﴾ ”ذرا میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری

والدہ پر ہوئے۔“

﴿اذْأَيْدُتْكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ ”جبکہ میں نے تمہاری مدد کی روح القدس سے“

جبرائیل کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ”تم گفتگو کرتے تھے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی

اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔“

تم شیر خوارگی کی عمر میں بھی لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور ادھیڑ عمر کو پہنچ کر بھی۔ آگے وہی سورہ آل عمران

(آیت ۲۸) والے الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔

﴿وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ ”اور (یاد کرو میرے اس احسان

کو) جب کہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت، یعنی تورات اور انجیل۔“

درمیان کا واؤ تفسیر یہ ہے، لہذا ”یعنی“ کے مفہوم میں آئے گا۔

﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي﴾ ”اور (یاد کرو) جب تم بناتے تھے گارے سے

پرندے کی ایک شکل، میرے حکم سے“

﴿فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي﴾ ”پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک اڑنے والا

پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے“

﴿وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي﴾ ”اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی

کو میرے حکم سے۔“

﴿وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي﴾ ”اور جب تم مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔“

﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ﴾ ”اور (یاد کرو میرے اس احسان کو بھی) جب میں نے

بنی اسرائیل کے ہاتھ روک دیے تم سے“

ان کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچنے دیے اور تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے

جس کا ذکر سورہ آل عمران آیت ۵۴ کے تحت ہوا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار نہیں ہوئے اور عین اُس وقت

جب پولیس والے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے باغ میں داخل ہوئے تو چار فرشتے اترے جو آپ کو لے کر آسمان

پر چلے گئے۔

﴿إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ ”جب کہ تم آئے

ان کے پاس کھلے معجزات کے ساتھ تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے کہ یہ تو صرف جادو کے سوا

کچھ نہیں ہے۔“



**آیت ۱۱** ﴿وَإِذْ أُوحِيَ إِلَى الْخَوَارِجِ﴾ ”اور (یاد کرو میرے احسان کو) جب میں نے اشارہ کیا حواریوں کو“

﴿أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي﴾ ”کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔“

ان کے دل میں ڈال دیا، الہام کر دیا، ان کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی خفی ہے۔ ظاہر ہے حواریوں کی طرف وحی جلی تو نہیں آ سکتی تھی جو خاصہ نبوت ہے۔ لیکن جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے (النحل: ۶۸) یا جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو وحی کی (فصلت: ۱۲) یہ وحی خفی کی مثالیں ہیں۔

﴿قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ ”تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے عیسیٰ آپ بھی) گواہ رہیے کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

**آیت ۱۲** ﴿إِذْ قَالَ الْخَوَارِجُ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ ”اور (ذرا یاد کرو اس واقعے کو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم“

﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”کیا آپ کے رب کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتارے؟“

﴿قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”(جواب میں عیسیٰ نے) کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“

مؤمنین کو ایسی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ایسے مطالبات آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتے۔

**آیت ۱۳** ﴿قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس (خوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دل بالکل مطمئن ہو جائیں“

یہ اس طرح کی بات ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿رَبِّ ارِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾ قَالَ أَوْ لِمَ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي﴾ (البقرة: ۲۶۰) ”پروردگار! ذرا مجھے مشاہدہ کرا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔“ اسی طرح کا مشاہدہ وہ بھی طلب کر رہے تھے۔

﴿وَنَعْلَمَ أَنَّ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ”اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ بن جائیں۔“

تاکہ ہمیں یقین کامل حاصل ہو جائے اور ہمارے اپنے دلوں میں کہیں شک و شبہ کا کوئی کاٹنا چبھا ہوا نہ رہ جائے۔

**آیت ۱۴** ﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”اس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب اتار دے ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے“

﴿تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوْلَانَا وَإِحْرَانًا وَآيَةً مِّنْكَ﴾ ”جو عید بن جائے ہمارے لیے اور ہمارے



انگلوں اور پچھلوں کے لیے اور ایک نشانی ہو تیری طرف سے۔“

آسمان سے خاص تیرے ہاں سے کھانے سے بھرے ہوئے دسترخوان کا نازل ہونا یقیناً ہمارے انگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک یادگار واقعہ اور تیری طرف سے ایک خاص نشانی ہوگا۔ اس واقعہ پر یقیناً ہم جشن منائیں گے۔

﴿وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ﴿۱۱۴﴾ ”اور ہمیں رزق عطا فرما اور یقیناً تو بہترین رزق دینے

والا ہے۔“

**آیت ۱۱۵** ﴿قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ ”اللہ نے ارشاد فرمایا (ٹھیک ہے) میں نازل کر دوں گا

اس کو تم پر۔“

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿۱۱۵﴾ ”لیکن پھر اس

کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو پھر اس کو میں عذاب بھی وہ دوں گا جو تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔“

یعنی جب اس طرح کی کوئی خرق عادت چیز دکھادی جائے گی، کھلا معجزہ سامنے آجائے گا تو پھر رعایت نہیں ہوگی۔ گزشتہ قوموں کے ساتھ ایسے ہی ہوا تھا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اس چٹان میں سے ہمارے سامنے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو جانی چاہیے۔ اللہ کے حکم سے وہ اونٹنی تو برآمد ہو گئی، لیکن ساتھ ہی رعایت بھی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ان سے واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے لیے مہلت کے صرف چند دن ہیں، اگر ان دنوں میں ایمان نہیں لاؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے۔ یہ بات سورۃ الشعراء میں بہت تفصیل سے آئے گی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین مکہ جو نشانیاں مانگ رہے ہیں تو ہم ان کی خیر خواہی میں انہیں ایسی کوئی نشانی نہیں دکھا رہے ہیں۔ اگر ان کے کہنے پر ایسی نشانیاں ہم دکھا دیں تو پھر ان کو مزید رعایت نہیں دی جائے گی اور ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ اس قسم کے معجزے دیکھ کر نہ کوئی پہلے ایمان لایا، نہ اب یہ لوگ لائیں گے۔ ان کے اندر جو نیت کا فساد ہے وہ کہاں انہیں ماننے دے گا؟ جیسے قوم صالح نے نہیں مانا، حالانکہ اپنی نگاہوں کے سامنے انہوں نے کھلا معجزہ دیکھ لیا تھا۔ اسی طرح یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو نہیں مانا، لہذا انہیں جادو قرار دے دیا۔ تو اس قدر واضح معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہیں لائے۔ سوائے ان جادوگروں کے جن کا فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا۔ لیکن جادوگروں کی تصدیق کے بعد بھی نہ تو خود فرعون ایمان لایا تھا نہ اس کے درباری اور نہ ہی عوام الناس۔ چنانچہ معجزے کا ظہور دراصل متعلقہ قوم کے خلاف جاتا ہے۔ معجزے کے ظہور سے پہلے تو امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید اس قوم کو کچھ ڈھیل دے دے شاید کچھ اور لوگوں کو ایمان کی توفیق مل جائے، لیکن معجزے کے ظہور کے بعد مہلت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔



## آیات ۱۱۶ تا ۱۲۰

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْنِ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ ۗ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِيٓ بِحَقِّ ۗ إِن كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ  
 عَلِمْتَهُ ۗ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ  
 لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اْعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۗ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۗ  
 فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنَّ تَعَذِّبُهُمْ  
 فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۗ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ  
 الصَّٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ رَضِيَ  
 اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۗ  
 وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

۱۱۶

اب یہ اس پیشی کا آخری منظر ہے اور اس کا انداز بہت سخت ہے۔

**آیت ۱۱۶** ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْنِ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ ۗ﴾ ”اور جب اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں  
 دونوں کو معبود بنا لینا، اللہ کے سوا؟“

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِيٓ بِحَقِّ ۗ﴾ ”وہ (جواب میں) عرض  
 کریں گے (اے اللہ) تو پاک ہے میرے لیے کیسے رواتھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی  
 حق نہیں۔“

﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۗ﴾ ”اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔“  
 ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝﴾ ”تو تو جانتا ہے  
 جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا  
 تو بس تو ہی ہے۔“

**آیت ۱۱۷** ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ ۗ﴾ ”میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے  
 مجھے حکم دیا تھا“

﴿إِنْ اْعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۗ﴾ ”(اور وہ یہی بات تھی) کہ بندگی کرو اللہ کی جو میرا بھی رب  
 ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“



﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ ” اور میں ان پر نگران رہا جب تک ان میں

موجود رہا۔“

ان کی راہنمائی کرتا رہا، نگرانی کرتا رہا۔ یہاں لفظ ”شہید“ نگران کے معنوں میں آیا ہے۔

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ ” پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو (اس کے بعد)

تو ہی نگران تھا ان پر“

واضح رہے کہ یہاں بھی تَوَفَّيْتَنِي موت کے معنوں میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سورہ آل عمران

آیت ۵۵ (إِنِّي مُتَوَفِّيكَ) کی تشریح مد نظر رہے۔

﴿وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ” اور یقیناً تو ہر چیز پر گواہ ہے۔“

تو ہر چیز پر نگران ہے ہر چیز سے باخبر ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ﴾ ” اب اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔“

تجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے وہ تیری مخلوق ہیں۔

﴿وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ” اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست

ہے، حکمت والا ہے۔“

معافی کی درخواست کا یہ انداز بہت خوبصورت ہے۔ اس میں اس شفقت و رافت کا اظہار تو ہے جو نوع

انسانی کے لیے انبیاء کی شخصیت کا خاصہ ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر کچھ نہیں کہا گیا۔ اور یہی مقام عبدیت ہے

کہ اے اللہ! تو صاحب اختیار ہے، تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اگر تو انہیں معاف فرمانا چاہے تو تجھ سے کوئی

باز پرس نہیں کر سکتا، کوئی جواب طلبی نہیں کر سکتا کہ تو نے کیسے معاف کر دیا! اب آخر میں اس پیشی کا ڈراپ سین

اور آخری نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔

آیت ۱۱۹ ﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ ” اللہ فرمائے گا یہ آج کا دن وہ ہے جس

دن بچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔“

ان کا سچ اور صدق ان کے حق میں مفید ہوگا۔

﴿لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ” ان کے لیے باغات ہیں جن

کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ” اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ

اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔“

یہ ہے باہمی رضامندی کا آخری مقام اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

آیت ۱۲۰ ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ﴾ ” اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور



جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہی۔“

﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۱۳۰) ”اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ المائدہ کے اختتام کے ساتھ ہی مکی اور مدنی سورتوں کے گروپس (groups) میں سے پہلے گروپ کا مطالعہ مکمل ہو گیا ہے اس گروپ میں ایک مکی سورۃ یعنی سورۃ الفاتحہ اور چار مدنی سورتیں شامل ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اگرچہ حجم میں بہت چھوٹی ہے لیکن یہ اپنی معنوی عظمت کے لحاظ سے پورے قرآن کے ہم وزن ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (۸۷) ”اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن“۔ مفسرین کی رائے کے مطابق سورۃ الفاتحہ ہی کے بارے میں ہے۔ اس گروپ کی چار مدنی سورتیں (البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدہ) دو دو کے جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ ان تمام سورتوں کے مضامین کا خلاصہ یہاں ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیں۔ مکمل شریعت آسمانی، اہل کتاب سے خطاب، ان پر الزامات کا تذکرہ، ان کے غلط عقائد کی نفی، انہیں ایمان کی دعوت، ان کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیلات، ان کا امت مسلمہ کے منصب سے معزول کیا جانا، جس پر وہ دو ہزار برس سے فائز تھے اور امت محمدیہ ﷺ کا اس منصب پر فائز کیا جانا۔ یہ موضوعات آخری درجے میں اس گروپ کی سورتوں میں مکمل ہو گئے ہیں۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰